بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

ترجمہ: اور بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مُرتب

الحاج لعل دین ایم اے [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق گنج ○ گوجرانوالہ
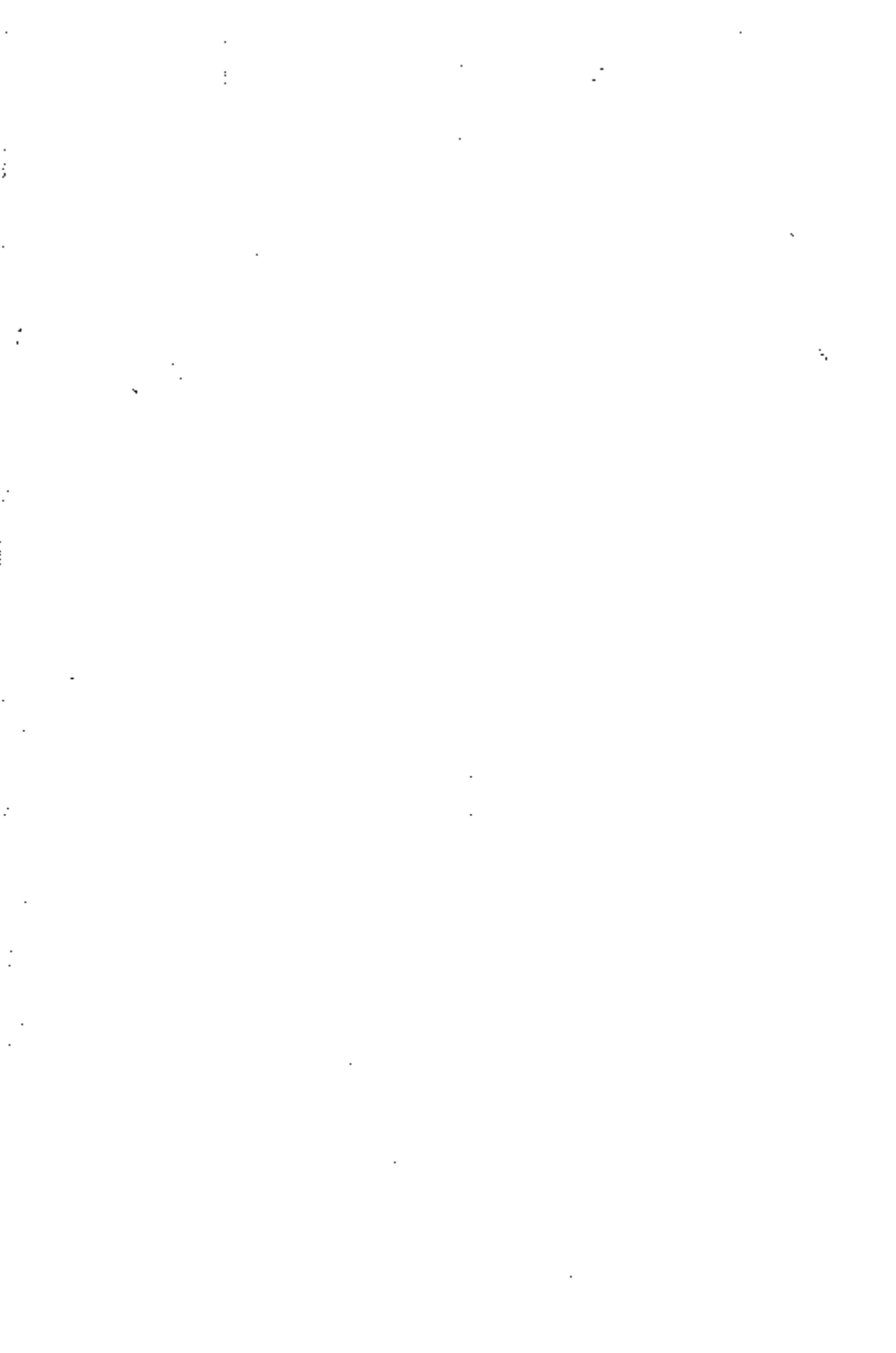
روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سورۃ آل عمران (مکمل)

جلد: ۴

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

تئیسواں ایڈیشن

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ آل عمران مکمل) جلد ۴

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب .... الحاج لعل دین رحمۃ اللہ علیہ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۲۴۵/- (دوسو پینتالیس روپے)

تاریخ طبع تئیسواں ایڈیشن ... رجب ۱۴۳۴ھ بمطابق مئی 2013ء

(۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن، سورۃ آل عمران مکمل جلد ۴

پیش لفظ

انجاد اعجاز لعل دین ـــ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار، لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اما بعد

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں آج اگر کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ سابقہ کتب تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے متعلق خود ان کے پیروکار بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کتب بعینہٖ اسی حالت میں موجود ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا۔ سابقہ امم اپنی اپنی کتابوں سے روگردانی اور ان میں تحریف کرنے کی بنا پر ہی کلام الٰہی کے اعزاز سے محروم ہو گئیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ قیامت تک کیلئے محفوظ خدا کی آخری کتاب قرآن پاک کی حامل امت بھی اس اعتقاد کے باوجود کہ یہ کتاب واجب الاطاعت اور دنیوی فلاح و کامرانی کی ضامن ہے اس کی تعلیم سے مسلسل اعراض برت رہی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پوری امت مسلمہ آج قعر مذلت کا شکار ہے۔

؎ خوار از مہجوریٔ قرآں شدی

قرآن کریم نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے چنانچہ سورۂ یوسف اور سورۂ ص میں یہ دعویٰ موجود ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ دنیا بھر کے لیے نصیحت ہے۔ سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ مقدس کتاب نازل فرمائی لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تاکہ یہ کتاب تمام جہان والوں کے لیے وہ راہنمائی مہیا کرے جس سے وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں۔ سورۂ اعراف میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آپ فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ کہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار کر دوں اور ہر اس شخص کو متنبہ کر دوں جس تک اس کلام الٰہی کا پیغام پہنچے غرضیکہ قرآن پاک نے اپنے عالمگیر ہونے کا بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور نبی کریم نے اس کی صداقت کی تشریح فرما دی۔

قرآن پاک کی عالمگیریت کا معنی یہ ہے کہ یہ پوری نوع انسانی کے لیے منبع رشد و ہدایت ہے۔ اس کا پیغام اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں رہتا ہو کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ذرا غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں انسان کو کس طرح خطاب کیا ہے سورۃ الانفطار میں آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ اے انسان! رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سورۃ الدھر میں انسان کی توجہ اس کی اصلیت کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں گزرا جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ سورۃ العصر میں انسان ہی کو موضوع بحث بنایا گیا وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ بیشک انسان خسارے میں ہے جب تک وہ مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات انسان ہی کی ہدایت اور فلاح کے لیے ہیں۔ اسی کے فرمودات پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کے ذریعہ ہی سے لوگوں کو بام عروج تک پہنچاتا ہے اور اسی کتاب کی خلاف ورزی کے مرتکبین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے امام مالک کا قول ہے لا يصلح اٰخر هٰذه الامة الا ما صلح به اولها۔ امت

کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اسی چیز سے ممکن ہے جس چیز سے امت کے طبقۂ اول کی اصلاح ہوئی۔ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن حکیم اپنے اولین مخاطبین کے لیے فلاحِ دارین کا سبب بنا، اسی طرح وہ آج بھی اپنے ماننے والوں کے لیے مژدہ جانفزا بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے مضبوطی سے تھام لیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا کام اہل حق ہر زمان اور ہر مقام پر انجام دیتے آئے ہیں اور انشاء اللہ تا قیام قیامت دین کی یہ خدمت جاری رہے گی۔ یہ سلسلہ دروس "القرآن" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حتی المقدور یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اندازہ و توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ایک ایک جلد کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قارئین کو اس سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور کارکنان کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ یہ جلد اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں پوری سورۃ آل عمران سما گئی ہے۔ پروگرام کے مطابق انشاء اللہ ہر آئندہ جلد[1] ایک یا ایک سے زیادہ مکمل سورتوں پر مشتمل ہوگی۔ اگلی سورۃ کبار کے لیے ایک مکمل جلد ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کام کی رفتار اب بہت تیز ہو جائے گی اور قارئین کو اگلی جلد کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِىٓ إِلَّا بِٱللَّهِ

احقر العباد

لعل دین شالامار ٹاؤن لاھور

[1] یہ تفسیر مکمل بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے (فیاض)

دروس حضرت کی زبان سے کیسٹ اور کیسٹ سے صفحہ قرطاس پہ منتقل ہو کر معالم العرفان فی دروس القرآن کے نام سے معروف ہے۔

زیر نظر کتاب انہی دروس کا حصہ اور مکمل سورۃ آل عمران پہ مشتمل ہے۔ اس جلد میں توحید و رسالت، ایمانیات، حقانیت اسلام، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی اصول، حرمت سود، یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی، غیر اسلامی ممالک سے تعلقات کے اصول اور ان سے مسلمانوں کی خارجہ پالیسی کا اچھے انداز میں ذکر موجود ہے۔ مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے اہم واقعات، یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد، مشرکین اور رد شرک و بدعت کا رد اچھے طریقے سے کر دیا گیا ہے۔ ملت ابراہیمی کے اصول، مدارج ایمان کے ذکر کے علاوہ بعض معروف اسلامی شخصیات کی مختصر سوانح کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ واقعات و قصص کا سلسلہ انتہائی مربوط ہے، علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے سینکڑوں مفید مسائل کا بھی ضمنی طور پہ بیان موجود ہے۔

اس جلد میں بعض دروس انتہائی اہم ہیں جو مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہیں، جو انہیں ضلالت و گمراہی سے نکال کر عزت کے اعلیٰ مقام پہ پہنچانے کا کام دیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مدظلہ، انجمن محبان اشاعت قرآن کے جملہ اراکین، فاضل مرتب اور اشاعت میں حصہ لینے والے سرگرم ارکان نوجوان بلال احمد آکی، الحاج بابو غلام حیدر، مستری منیر احمد، شیخ محمد یعقوب، منشی مشتاق احمد، الحاج منیر احمد تارڑ اور اسکی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور انکی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

فقیر محمد اشرف (فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفاق المدارس العربیہ)

سورۃ آل عمران

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّفِيْهَا عِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ آل عمران مدنی ہے اور یہ دو سو آیات اور اس میں بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالے ہیں

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

ترجمہ:۔ الٓمّٓ ① اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (کوئی عبادت کے لائق نہیں) وہی ہے زندہ، تھامنے والا ② اس نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے، تصدیق کرنیوالی ہے انکی جو اس سے پہلے ہیں، اور اس نے اتاری ہے تورات اور انجیل ③ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور نازل کیا اس نے فرقان (فیصلہ کرنے والی بات) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے

اور اللہ تعالیٰ غلبے والا ـــــ انتقام لینے والا ہے ④ بیشک اللہ تعالیٰ
پر کوئی چیز مخفی نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں ⑤ وہ وہی ہے جو تمہاری
تصویر بناتا ہے (نقشہ بناتا ہے) رحموں کے اندر جس طرح چاہے۔ کوئی عبادت
کے لائق نہیں اس کے سوا وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ⑥

نام اور کوائف

سورۃ کا نام آلِ عمران ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے اس لیے
اس کا نام آلِ عمران ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی سورۃ میں بقرہ یعنی گائے
کا ذکر ہے تو اس کا نام سورۃ بقرہ ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
والد اور دوسرے حضرت مریمؑ کے والد۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت
مریمؑ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پہ
عمران سے مراد حضرت مریمؓ کے والد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی پیغمبر نہیں تھے۔ اور حضرت مریمؑ
کے والد بھی پیغمبر نہیں۔ البتہ یہ دونوں حضرات نیک، صالح اور ایماندار تھے تاہم حضرت
مریم کے والد عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ ہاں! حضرت مریم کے خالو حضرت
زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آلِ عمران بھی لمبی سورتوں میں شامل ہے۔ اس کی ۲۰۰
آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۳۵۴۲ کلمات اور ۱۵۳۳۶ حروف پر مشتمل ہے

زمانہ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے نازل
ہونے والی سورتیں مکی کہلاتی ہیں۔ اس سورۃ میں نجران کے اس عیسائی وفد کا ذکر
ہے۔ جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کے لیے فتح مکہ سے اگلے سال
یعنی ۹ھ میں مدینے آیا تھا۔ لہٰذا اس کا زمانہ نزول ۹ھ ہے۔ البتہ اس
سورۃ میں جنگ بدر اور جنگ احد کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ اس کا زمانہ نزول ۲ھ تا ۹ھ ہے۔ بعض آیات ۳ھ

سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور بعض اسی سال میں تاہم بس سورۃ کا زیادہ تر حصہ سنہ ۹ ھ
میں نازل ہوا۔ تفسیر تنویر جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اور
جسے امام فیروز آبادی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ آل عمران کا نزول
سورۃ انفال کے بعد ہوا ہے۔

مرکزی مضمون

سورۃ انفال میں، بدر وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا
کہ سورۃ بقرہ کا خاص مضمون یہود کی اصلاح اور اس کے ساتھ اہل ایمان کے لیے
ضروری احکام ہیں جن کے ذریعہ حصول تقویٰ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس کے
علاوہ نظام خلافت کبریٰ کا مفصل بیان ہے۔ اس سورۃ میں رد کے سخن زیادہ تر
نصاریٰ کی طرف ہے اور اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی ہیں چنانچہ
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدائی ۸۳ آیتوں میں عیسائیوں کے
باطل عقیدہ کا رد ہے۔ اور ضمناً بہت سی دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ توحید
کا مسئلہ اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ قرآن
پاک کی حقانیت اور صداقت کا تذکرہ ہے۔ پہلی سورۃ میں جو بعض باتیں اجمالاً
ذکر کی گئی تھیں۔ ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ جیسے وہاں پر شہداء کا ذکر اجمالی تھا یہاں
تفصیل کے ساتھ ہوگا۔ وہاں پر رسولوں کا ذکر اجمالی تھا اب تفصیل کے ساتھ آئیگا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام
کے تذکرے سورہ بقرہ میں اجمالی تھے اب ان کا مفصل تذکرہ آئے گا۔ سورہ بقرہ
کے آخر میں ایمانیات کا تذکرہ تھا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ
رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ [1] اس سورۃ مبارکہ میں ابتداء ہی سے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔

نجران کا وفد

یمن کے نجران کا عیسائی وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جن میں چودہ سرکردہ آدمی
اور تین سردار تھے۔ ان میں عبدالمسیح عاقب تھا امارت اور سیادت کے لحاظ سے
اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ایہم السید عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا

حاشیہ: [1] تیسیر الشبہ صفحہ ۲۳ و قرطبی صفحہ ۴ ج ۴ (حواشی)

اور تیسرا شخص ابو حارثہ بن علقمہ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم، پادری، رفیع اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے انہیں جاگیر بخش رکھی تھی۔ اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ انہیں ایک بہت بڑا گرجا بنا کر دیا تھا۔

مورخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وفد نجران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقصد تو سیاسی تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور گرد کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے۔ اور نجران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے خائف تھے۔ اُدھر مدینہ طیبہ کے گرد یہودیوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سود خور اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ اِن کی اسی خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا۔ اِن لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا۔ کہ وہ اپنی سزا خود ہی تجویز کریں۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اس سلسلے میں حَکم تسلیم کیا۔ جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے۔ اِن کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

اِن تاریخی واقعات سے نجران کے عیسائی سخت خائف تھے۔ کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہٰذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور

جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیرِ تسلط اپنے ہی علاقے میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

وفد نجران کی آمد کا دوسرا بڑا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ تھا، کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں یا وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ میں صریح الفاظ میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَإِنْ حَاجُّوكَ اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں۔ تو پہلے نرم طریقے سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ یعنی میں اور میرے پیروکاروں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے سونپ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور آپ سے مسلسل جھگڑا کریں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ تو پھر ان کو دعوتِ مباہلہ دے دیں۔ اور اعلان کر دیں کہ آؤ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور ہم بھی اسی طریقے سے آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کریں۔ مگر آپ کے اس چیلنج کو عیسائیوں نے قبول نہ کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال عیسائیوں کا دوسرا مقصد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔

موضوعِ بحث

چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے تھے۔ لہٰذا اس بحث مباحثے کا موضوع بھی مسئلہ الوہیت قرار پایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی فنا نہیں۔ تو عیسائیوں نے اقرار کیا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حیاتِ سرمدی حاصل

نہیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کیا عیسٰی علیہ السلام کا علم ہر چیز پر محیط ہے
اور کیا ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ عیسائیوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔
آپ نے تیسرا سوال کیا۔ کہ کیا عیسٰی علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے
انہوں نے کہا کہ بیشک آپ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے، پھر
آپ نے سوال کیا کیا عیسٰی علیہ السلام قادر مطلق ہیں۔ انہیں ہر چیز پر تصرف حاصل ہے
عیسائی وفد یہ بھی ثابت نہ کر سکا بلکہ اس کا انکار کیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ کہ یہ چاروں صفات الوہیت کی صفات ہیں۔ اگر بقول تمہارے ان
میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تو پھر تم انہیں الٰہ کیسے
تسلیم کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے اور اس باطل عقیدے سے
توبہ کرنی چاہیئے۔ عیسٰی علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ کھانا کھاتے
رہے۔ پانی پیتے رہے۔ بول و براز کی ضرورت رہی۔ تو ایسی شخصیت الٰہ کیونکر ہو سکتی
ہے۔ الٰہ تو وہ ذات پاک ہے۔ جو ازلی اور ابدی ہے جس کو فنا نہیں جس کا علم
ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں۔ جو قادر مطلق ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا ہے
نہ کسی کا باپ ہے مسیح علیہ السلام ان میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں
لہٰذا ان کو الٰہ تسلیم کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے۔ بہرحال عیسائی بحث مباحثہ
کرتے رہے اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت مباہلہ دی مگر
عیسائی اس سے بھی بھاگ گئے۔

ایمانیات کا بیان جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا ذکر تھا
اور اس سورۃ کی ابتدا اسی مضمون سے ہو رہی ہے۔ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ الٓمّٓ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور
اس کا ذکر سورۃ بقرہ کی ابتدا میں ہو گیا تھا۔ اب ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی وہی الٰہ ہے کیونکہ وہ حی اور قیوم ہے۔ اسکی حیات
ازلی اور ابدی ہے وہ حی ہے۔ اور وہ

حیات دینے والا ہے۔ وہ قیوم ہے۔ یعنی خود قائم ہے، ہمیشہ قائم رہیگا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہی سب کو تھامنے والا ہے۔ خدا کے سوا کوئی حی ہے اور نہ قیوم ہے۔ لہٰذا معبودِ برحق وہی ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کے لائق کوئی نہیں ہوسکتا۔

یہ تو عقلی دلیل ہے، کہ معبود خلاق صرف وہی ذات ہے۔ اب نقلی دلیل ہے۔ کہ مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے، لوگوں کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اور شرک و کفر کی بیخ کنی کے لیے اس مالک الملک نے کتابیں نازل فرمائیں۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اس اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب یعنی قرآن پاک حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ پہلے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جس طرح ہر آنیوالا نبی پچھلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمانی کتاب سابقہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس میں شامل شدہ خرابیوں کی نشاندہی کرتی ہے یہ چیز قرآن پاک نے بتائی کہ تورات سچی کتاب ہے۔ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ مگر یہودیوں نے اس میں خرابیاں پیدا کیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ تورات کا معنیٰ ہی قانون (LAW) ہے۔ جب فرعون غرق ہوگیا اور بنی اسرائیل اس کے عذاب سے بچ گئے۔ تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ مصر میں قیام کے دوران میں تو ہم مجبوراً فرعون کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اب ہم آزاد ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی اپنی شریعت یعنی قانون ہونا چاہیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قانون کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا۔ کوہ طور پر آکر اعتکاف کرو، چالیس روزے رکھو تو آپ کو کتاب دی جائے گی۔ یہ سارا واقعہ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی اپنی خواہش کے جواب میں ان کو تورات عطا کی گئی یہ

ایک عظیم کتاب تھی۔ مگر یہودیوں، اور عیسائیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس میں تحریف کر کے اس کو بگاڑ دیا۔ تاہم اس کا کافی حصہ اب بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔

فرمایا وَالْاِنْجِیْلَ یعنی تورات کے بعد ہم نے انجیل بھی اتاری۔ یہ کتاب بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر افسوس کہ اس کا مصدقہ نسخہ آج دنیا سے مفقود ہے۔ اصل انجیل وہ فرامین اور خطبات ہیں۔ جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں میں ارشاد فرمائے۔ آپ کی زندگی میں یہ فرامین تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ کے شاگرد ان کی زبانی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معتقدین کو یہودیوں سے الگ امت قرار دیا گیا۔ اور انہیں عیسائی کہا جانے لگا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور ان کے فرمودات پر کتابیں تصنیف کیں۔ ہر فرقہ نے اپنی اپنی علیحدہ کتاب تصنیف کی جن کی تعداد ۴۴ تک پہنچتی ہے۔ موجودہ اناجیل اربعہ کی بنیادی یہی کتابیں ہیں۔ یہ چاروں انجیلیں یونانی زبان بولنے والے عیسائیوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے۔ ان اناجیل کا ایک بھی نسخہ اصل یونانی زبان میں موجود نہیں۔ عیسائی ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے۔ لہٰذا آج انجیل کے وہی احکامات قابل اعتماد سمجھے جاسکتے ہیں جن کی تصدیق قرآن پاک نے کی ہے باقی سب غیر معتبر اقوال ہیں۔

فرمایا مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ یہ تورات و انجیل پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ انبیائے بنی اسرائیل انہی کتابوں کے احکامات کی تجدید کے لیے آتے رہے۔ تاآنکہ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ اس مقدس اور آخری کتاب کے ذریعے تمام احکام منسوخ ہوگئے۔ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہی

احکام القرآن منبع رشد و ہدایت ٹھہرے۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا۔ اور تبلیغ دین کا کام علمائے امت کے سپرد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (اور العلماء ورثۃ الانبیاء) یعنی میری امت کے علمائے حق بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ جو کام بنی اسرائیل کے نبی انجام دیتے تھے، وہی کام میری امت کے علماء انجام دیتے رہیں گے۔

فرقان کا معنیٰ حق و باطل میں فرق کرنے والا یا متنازعہ امور میں آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ قرآن پاک کو فرقان اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ جب بھی اللہ کے دین کو کسی نے بگاڑنے کی کوشش کی، قرآن پاک نے حق کی نشاندہی کر دی۔ تورات و انجیل کے تحریف شدہ نسخوں میں آج بھی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے اصل احکام کو واضح کر کے اپنے فرقان ہونے کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔

منکرین کا انجام

فرمایا ان واضح احکامات آجانے کے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار لفظی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی لفظی انکار تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کو ہی بدل دیا جائے جیسا کہ یہودیوں نے تورات کے ساتھ کیا۔ اور معنوی انکار یہ ہے۔ کہ واضح حکم کی غلط تاویل کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق غلط معنی پہنا دیئے جائیں۔ اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے احکام کو اپنی من مرضی کے معنی پہنائے اپنے گرد و پیش میں نظر دوڑائیں ایسے منکرین آیات کی آج بھی کمی نہیں جو اللہ کی آیتوں کے معنی اپنی خواہش کے مطابق کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ آج اللہ کے اس آخری کلام کی تحریف لفظی تو ممکن نہیں مگر گھر بیٹھے ہی بیٹھ کے بیچارے معنوی تحریفات کر کے اللہ کے غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہی منکرین کے متعلق فرمایا لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو پھر اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ اللہ تعالیٰ غلبے والا ہے۔ اُسے ہر چیز پر غلبہ حاصل ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس کے سامنے کوئی چالاکی اور حیلہ سازی کام نہیں آئیگی۔ اور وہ ذُوْ انْتِقَامٍ یعنی بدلہ لینے والا ہے وہ ظلم و زیادتی کی رسی کو دراز ضرور کرتا ہے۔ مگر جب اپنے باغی سے انتقام لینے پر آتا ہے۔ تو اس کے رستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بے خبر نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر یہ لوگ جس طرح اسکی توحید میں خلل اندازی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں سے واقف ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کے اعمال ناموں میں لکھی جا رہی ہیں۔ وقت آنے پر اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

فرمایا هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ وہی ذات پاک ہے جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویریں بناتا ہے جس طرح چاہے بچے کی ظاہری شکل و صورت یعنی گورا، کالا، گندمی، سرخ وغیرہ ہونا بھی اسی کی قدرت تامہ کا شاہکار ہے۔ اور اس کا نیک و بد، عقل مند اور بے عقل سعید اور شقی ہونا سب اس کے علم اور قدرت میں ہے۔ یہاں یہ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سمجھانا بھی مقصود ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام دیگر مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی حالت سے لے کر پیدائش تک ان پر جو تغیرات گزرے وہ سب ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کس مشابہت کی بنا پر کہتے ہیں یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تو اس مالک الملک کے لیے یہ کونسی ایسی بڑی بات ہے۔ اس نے تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ

فرمایا تھا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ معبودِ حقیقی وہی ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو قدرت کاملہ کا مالک ہو اور جس کا علم ہر چیز پہ محیط ہو۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا الٰہ بھی صرف وہی ہے۔ مسیح علیہ السلام الٰہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ قدرت کاملہ کے مالک ہیں اور نہ ان کا علم ہر چیز پہ محیط ہے۔ اور نہ وہ ازلی و ابدی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ عزیز یعنی ہر چیز پہ غالب ہے اور حکیم ہے۔ کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کا تمام نظام اس کے مقررہ اصولوں اور حکمت کے مطابق انجام پا رہا ہے۔

درس دوم ۲ — آیت ۷ تا ۹

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹

ع ۱ / ۹

ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے پس وہ پیچھے لگتے ہیں متشابہات کے اور اس میں تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں انکی تاویلیں۔ حالانکہ نہیں جانتا ان کی تاویل مگر اللہ۔ اور جو پختہ ہیں علم میں وہ کہتے ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پر۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ (۷) اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر جب کہ تو نے ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لیے اپنی طرف سے مہربانی۔ بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے (۸) اے ہمارے رب تو جمع کرنے

والا ہے لوگوں کو اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ جو وعدہ کرتا ہے اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا ⑨

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ سورۃ آلِ عمران کے اہم مضامین میں سے مسئلہ توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ پھر قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا تذکرہ ہے۔ اور بعض دوسرے مضامین بھی بیان ہوئے۔ سابقہ آیات میں مسئلہ توحید کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اور سابقہ کتب کا تذکرہ تھا۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں تک ہدایت کا سامان بہم پہنچاتا رہا۔ ان ہدایات کا انکار کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید تھی۔ اور لوگوں کو یہ دلایا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ ہر انسان کی ہر حرکت سے واقف ہے۔ بلکہ ماں کے رحم میں انسان کی شکل و صورت بنانے والی بھی وہی ذات ہے۔ پھر اس سے انسان کی کونسی حرکت پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ ضمناً نصاریٰ کے دعویٰ باطلہ کا رد مقصود تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام قدرتی طریقے کے مطابق ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ تو پھر خدا کے بیٹے یا خود الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

آج کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے احکام سے مستفید ہونے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔ جن کے دلوں میں کجی پائی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن پاک کی متشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو علم میں پختہ ہیں۔ اور ان کا ایمان تمام آیات پر یکساں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے۔ کہ وہ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے نیز قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے اور حساب کتاب ہونے پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے۔

نزولِ کتاب

ارشاد ربانی ہے هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے۔ جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ کتاب سے مراد

قرآن پاک ہے۔ جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر آخری کتاب کے طور پر نازل ہوا
جس طرح نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اسی طرح اب کوئی آسمانی
کتاب بھی نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے احکامات قیامت تک آنے والی نسل انسانی
کے لیے یکساں طور پر مفید ہیں۔

محکم اور متشابہ

قرآن پاک کے احکام و فرامین کے متعلق فرمایا مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ
اس میں بعض آیات محکم ہیں۔ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ یہی آیتیں کتاب کی جڑ بنیاد ہیں
امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں فالمحکم ما لا یعرض فیہ شبہۃ
من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی یعنی محکم سے مراد وہ آیات
ہیں جن کا مفہوم واضح ہو۔ اور ان پر لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد
نہ ہوتا ہو۔ گویا ایسی آیتیں جن کی زبان آسان ہے۔ اور جن کے معانی متعین کرنے
میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیات میں تاویلات کرنے کا موقع
مشکل ہی سے ملتا ہے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت
منقول ہے۔ کہ قرآن پاک میں جو آیتیں عمل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ وہ محکم ہیں،
اور جن سے عمل متعلق نہیں، محض ان پر ایمان لانا مقصود ہے جیسے حروف
مقطعات، قیامت یا دجال وغیرہ سے متعلق آیات۔ تو ایسی آیتیں متشابہ
ہیں۔ فرمایا وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور بعض آیتیں متشابہ ہیں۔ مفردات امام
راغب اصفہانیؒ میں متشابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ المتشابہ ما اشکل
تفسیرہ اما من حیث اللفظ و المعنی یعنی ایسی آیت جس کا معنی
اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش
رہتی ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ قرآن پاک نے آئندہ زمانے کے لیے بعض ایسی پیشن گوئیاں
کی ہیں۔ اور برزخ، قیامت، جنت، دوزخ، فرشتے، جنات وغیرہ
کے متعلق ایسی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں اس وقت انسان نہ دیکھ سکتا ہے
اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک کیفیت معلوم کرنے کے

بیے انسان لاکھ کوشش کرے مگر اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ ایسے امور میں انسان جتنی زیادہ کوشش کرے گا۔ وہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی بجائے دُور بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باتوں سے متعلقہ آیات۔ متشابہات میں داخل ہیں۔ اور انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وہ ان پر ایمان لے آئے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں حسد، بغض، عناد اور بے ایمانی رچی بسی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ محکم یعنی واضح آیات کو چھوڑ کر متشابہ آیتوں کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو محکم آیات کے مفہوم کے منافی ہوتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ متشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی مگر ایسے لوگ اُلٹا چلنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ اس سے فتنہ یعنی گمراہی تلاش کرتے ہیں وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ اور متشابہات کے ذریعے ایسی اُلٹی سیدھی تاویلیں تلاش کرتے ہیں جن کے ذریعے مخلوق خدا کو گمراہ کر سکیں۔

غلط تاویلیں

ان آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ان کا ہدف یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی متشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو اصل دین سے دُور کر دیا۔ حتیٰ کہ محکم آیات کو بھی متشابہات کے تابع کر کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ آج کے دَور میں جب ہم اپنے گرد و پیش دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دَور میں ایسے بہت سے فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے متشابہات کی غلط تاویلیں کیں۔ اور پھر محکم آیات کو توڑ موڑ کر متشابہات کے معانی پہنائے اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ

سے بھی بازی لے گئے ۔ قادیانی، پرویزی اور سرسید جیسے کتنے لوگ ہیں ۔ جنہوں نے دوزخ، جنت، برزخ، حساب کتاب حتیٰ کہ حضور کی زندگی کے سب سے بڑے معجزے معراج تک کو غلط معنیٰ پہنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا ۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کا بالکل انکار کر دیا ۔ اور یہی قرآن پاک کی آیات کی ایسی ایسی تاویلیں کیں کہ العیاذ باللہ ۔

اب ذرا اور قریب آکر دیکھئے ۔ کہ قرآن پاک نے مسئلہ توحید کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا ۔ قرآن کریم کا کوئی صفحہ، اس کا کوئی رکوع ایسا نہیں جس میں توحید کو کسی نہ کسی رنگ میں پیش نہ کیا گیا ہو ۔ مگر آج یہی مسئلہ ہمارہاں متنازعہ بن چکا ہے ۔ قرآن پاک صاف کہتا ہے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ زمین و آسمان میں غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں مگر آج ثابت کیا جا رہا ہے ۔ کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب تھا ۔ بلکہ اس باطل عقیدہ پر ایمان نہ لانے والوں کو موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے ۔ قرآن پاک کہتا ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا اُسے کوئی دُور نہیں کر سکتا ۔ مگر آج مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں کہ فلاں بزرگ بھی بگڑی بنا سکتا ہے ۔ فلاں بھی مشکلات کو حل کر سکتا مشکل کشا کے نعرے لگائے جاتے ہیں ۔

قرآن پاک خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلاتا ہے ۔ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں ۔ بلکہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے سب انسانوں میں سے ہی آئے ۔ "وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ" یعنی اے نبی اکرم ہم نے آپ سے پہلے انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ۔ مگر آج کے دور میں انبیاء کرام اور خصوصاً حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ انسانی سے ہی خارج کیا جا رہا ہے ۔ یہ محکم آیات کی واضح غلط تاویلیں نہیں تو اور کیا ہے ۔ پھر یہیں پر بس نہیں کیا ۔ ان ظالم قادیانیوں نے حضور علیہ السلام

کی ختم نبوت تک کو معاف نہیں کیا۔ اور خاتم النبیین کے معنی کچھ سے کچھ کر دیئے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے کا انکار کر دیا۔ آخر یہ سب کچھ کہاں سے ہو رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا سہارا ہی تو لیا جا رہا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالٰی کا ارشاد اس آیت میں ہو رہا ہے۔ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اس سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ اور غلط تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔

صحیح تاویل

فرمایا وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ متشابہ آیات کی حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جو لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں۔ ان کو اللہ کا خوف دلاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع حدیث تفسیر ابن جریرؒ میں منقول ہے کہ متشابہ آیتوں کا مطلب اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جو کوئی دعویٰ کرے کہ اس کو متشابہ آیت کا مطلب یا تاویل معلوم ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محکم آیتوں پر عمل کرو اور متشابہ پر فقط ایمان لاؤ۔ مطلب یہ کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اللہ کی طرف سونپ دو۔ جھگڑا مت کرو۔ غلط معنی مت بیان کرو۔ اسی لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ غلط تفسیروں کی وجہ سے دنیا میں بڑی تباہی آتی ہے گمراہی پھیلتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کی محکم آیتیں ہر سلیم الفطرت آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی ہیں جو استاد کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں۔ لہٰذا ایسی باتیں استاد سے سیکھنی چاہئیں۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا سندھیؒ خود اپنی مثال بیان کرتے ہیں کہ مجھے راسخین فی العلم سے واسطہ پڑا۔ میرے استادوں نے میری راہنمائی فرمائی اور اللہ نے مجھے قرآن میں کمال سمجھ کا ملکہ عطا فرمایا ہے میں اپنی مشکلات استادوں

کے سامنے پیش کرتا تھا وہ مجھے مشورہ دیتے تھے اور میرے اشکال کو حل کرتے
تھے۔ اس لیے مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی فرماتے ہیں میری طرح اور
بھی کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے مگر انہیں اچھے استاذ نہ مل سکے۔ اس لیے
وہ مشکلات میں پھنسے رہے۔ آپ کے استادوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
جیسے راسخ فی العلم لوگ تھے۔ مولانا شیخ الہندؒ جن کا یہ ترجمہ اور دو سورتوں کی
مختصر تفسیر بھی ہے بہت بڑے راسخ العلم انسان تھے۔ خاموشی سے تعلیم
دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
کتنا کمال عطا کیا تھا ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ، مولانا
عبید اللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
اور آپ کے شہر کے مولانا عبدالعزیز محدثؒ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، سندھ کے مولانا
محمد صادقؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے
کارنامے انجام دیے۔

انگریز کی اسلام دشمنی

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اٹھارہ سال تک اپنے استاد
حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر دین بھی سیکھا ہے اور سیاست بھی سیکھی
ہے۔ آپ سیاست کے بھی امام تھے۔ آخر زمانہ میں جب ہندوستان آئے
تو کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، میں نے انگریز کے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔
اگر اب انگریز ہندوستان میں رہ گیا تو میری قبر پہ تھوک دینا۔ آپ بارہ سال تک
مکہ معظمہ میں رہے۔ تعلیم دیتے تھے۔ اور انگریز کی تباہی کا سامان بھی کرتے تھے
فرماتے تھے۔ انگریز قوم نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
ان کو بھی تباہ کرے گا۔ گذشتہ دو سو سال میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان
انگریز نے پہنچایا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی سلطنتیں تباہ کر دیں مقامات مقدسہ
کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کے خلاف بڑی سازشیں کیں۔ مولانا شیخ الہندؒ
کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی۔ کہ اگر کوئی ان کے بارے میں مسئلہ دریافت

کرتا، تو فرماتے کسی اور عالم سے پوچھئے۔ مجھے ان سے سخت نفرت ہے، شاید میں غلطی نہ کر بیٹھوں۔ مگر آج لوگ انگریز کی تہذیب کو فخر سے اپناتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔

علامہ اقبال بھی انگریزوں کو خوب سمجھتا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری کا ایک معتدبہ حصہ انگریزوں کے خلاف لکھا ہے۔ بے عمل ہونا الگ بات ہے مگر اقبال قومی آدمی تھا۔ اس نے انگریزوں کی خوب خبر لی ہے۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں لکھا ہے۔ تعلموا بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ خود بخود نہیں آتا۔ اس کے لیے بہرحال استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ استاذ کے بغیر خود بخود عالم بن بیٹھتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور پرویز جیسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام بنا بیٹھتے ہیں۔ جب کہ انسان کی تسکین فی نفسہ پاس نہ بیٹھے اس کے شکوک دور نہیں ہو سکتے۔

فرمایا وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اور جو علم میں پختہ ہیں یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی جن باتوں کی تاویل صرف اللہ کے علم میں ہے۔ ان میں محض اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے، بلکہ ان کا یہی کہنا ہوتا ہے کہ سب کچھ ان کے اللہ کی طرف سے برحق ہے۔ فرمایا اس بڑی گہری بات کو بھی عام لوگ نہیں سمجھتے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ، کم علم اور بے عقل لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ طبرانی میں ابی مالک اشعریؓ سے روایت ہے، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے کہ وہ متشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے۔ حالانکہ جن کی تاویل سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

دعائیہ کلمات

فرمایا راسخون فی العلم یہ بھی کہتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے۔ ہمیں اسی راہ ہدایت پر قائم رکھ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر قائم رکھ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت بخش کیونکہ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ ساری کی ساری مخلوق تیری ہی محتاج ہے۔ تیرے بغیر کوئی کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اپنی رحمت سے تو ہی ہماری حاجات پوری فرما۔

فرمایا پختہ علم والے یہ بھی دعا کرتے ہیں رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اے ہمارے پروردگار! تو ہی لوگوں کو اس دن میں جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ دن یقیناً آنے والا ہے جس دن تمام مخلوق اپنے رب کے ہاں پیش ہوگی۔ جس طرح انسان کو اپنے وجود پر شک نہیں۔ اسی طرح قیامت کے برپا ہونے اور پھر محاسبے کا عمل واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وَعْدًا عَلَيْنَا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ ہم انسانوں کو دوبارہ اٹھائیں گے اور ان کا حساب لیں گے اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اللہ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اسی لیے اس کے بندے اسکے آگے دعا کرتے ہیں۔ کہ مالک الملک اس دن ہمیں رسوائی حاصل نہ ہو۔ ہم ذلیل و خوار نہ ہوں بلکہ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں خصوصی رحمت اور مہربانی عطا فرما۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

ترجمہ: بیشک وہ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، ہرگز کام نہ آئیں گے اُن کے لیے اُن کے مال اور نہ اُن کی اولادیں اللہ کے سامنے۔ اور یہی لوگ ہیں دوزخ کے ایندھن (۱۰) (ان کا حال ایسا ہی ہے) مثل عادت آلِ فرعون کے اور ان لوگوں کے جو اُن سے پہلے گزرے ہیں، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس پکڑا اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُن کے گناہوں کے بدلے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (۱۱) آپ کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کہ تم مغلوب ہو گے اور اکٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور بہت بُرا ٹھکانا ہے (۱۲) تحقیق تمہارے

بیشک نشانی ہے اُن دو گروہوں میں جو آپس میں ٹکرا گئے، ایک گروہ اللہ کے راستے
میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے، دیکھتے ہیں اُن کو اپنے
سے دُگنا آنکھ کے ساتھ دیکھنا، اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کو
چاہے بیشک اس میں عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے (۱۳)

پہلی آیت میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ نے نصاریٰ کی تردید فرمائی اور ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا۔ توحید کا مسئلہ بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ الوہیت کا ذکر کیا اور جن متشابہ لفظوں سے یہود و نصاریٰ استدلال کرتے تھے، اس کا جواب دیا۔ اب اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا کہ کوئی چیز انہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتی، حتیٰ کہ ان کے مال و اولاد بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد جنگِ بدر سے متعلق یہودِ مدینہ کی زبان درازی کا ذکر ہے۔ کہتے تھے۔ کہ اہلِ مکہ ناتجربہ کار تھے۔ جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ورنہ ہم جیسے آزمودہ کار لوگوں سے واسطہ پڑتا۔ تو مسلمانوں کو پتہ چلتا کہ کیسے غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چالاکی کا رد فرمایا۔ اس کے علاوہ نصاریٰ اور مشرکین کی بھی تردید فرمائی ہے۔

شانِ نزول

امام رازیؒ اور امام محمد بن اسحاقؒ جو کہ مفسرِ قرآن ہونے کے علاوہ مورخ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مصداق نجران کا وفد ہے۔ اس آیت میں جن کفر کرنے والوں کا ذکر ہے۔ جن کے مال و اولاد ان کے کام نہیں آئیں گے، اُن سے مراد وفدِ نجران میں شامل لوگ ہیں، اور ان کا اطلاق عام طور پر اُن تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا ذہن رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ نجران کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ تو دورانِ سفر خچر پر سوار ان کے لاٹ پادری ابو حارثہ کو ٹھوکر لگی۔ اس کا بھائی کرز بن علقمہ بھی ہمراہ تھا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ تَعِسَ الْاَبْعَدُ ہلاک ہو خیر سے دور رہنے والا۔ مراد حضور علیہ السلام کی ذات والا صفات تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی۔ کہ جب کسی کو کوئی تکلیف

پہنچی، تو اپنے مخالف کو بُرا بھلا کہتے۔ تعس فلاں فلاں ہلاک ہو، تباہ ہو۔ چنانچہ جب کرز نے یہ الفاظ ادا کیے۔ تو اس کے بھائی ابو حارثہ پادری نے کہا یا تعس امک تیری ماں ہلاک ہو۔ تم نبی آخر زماں کی شان میں یہ الفاظ کیوں کہتے ہو۔ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ ان کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ اس پر کرز کہنے لگا کہ اگر محمد واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تو پھر تم ان سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے جواب دیا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكَ اعطونا اموالاً كثيرةً واكرمونا وَلَوْ اٰمَنَّا بمحمد لاخذوا منّا كل هٰذه الاشياء

یعنی روم کے ان عیسائی بادشاہوں نے ہمیں مال و دولت دے رکھا ہے وہ ہمیں عزت بخشتے ہیں۔ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھن جائیں گی۔ ہمارے تمام اعزازات ختم ہو جائیں گے اور ہم مفلس اور کنگال ہو کر رہ جائیں گے۔ بہر حال کرز سمجھ گیا کہ ہمارا دین غلط ہے۔ ہم محض مال و دولت کی خاطر اللہ کے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الغرض جب یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ ہوا۔ وفد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر واپس آ گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے کرز بن علقمہ کو ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ صحابی رسُول بن گیا۔ تو ان آیات کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ان آیات کا اشارہ مدینے کے ارد گرد بسنے والے یہودیوں کی طرف بھی ہے جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مکے والے لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر کہیں ہم سے پالا پڑتا تو مسلمانوں کو بتا دیتے کہ لڑائی کیسے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان یہودیوں کا بھی رد ہے کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ سچے دین کے مقابلے میں ان کے مال اور اولاد ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس ذہن سے

عیسائیوں اور دیگر مشرکین کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ظاہری ساز و سامان پر نہ اترائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جب وہ اپنے ماننے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ تو مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بیشک جن لوگوں نے کفر کیا۔ لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ہرگز کام نہ آئیں گے اُن کے مال اور نہ اولاد کچھ بھی۔ یعنی جب اللہ کی گرفت آئے گی تو مال و اولاد جن کی خاطر وہ ایمان سے محروم ہے انہیں اس گرفت سے بچا نہ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں سورۃ شعراء میں یہ بات مذکور ہے۔ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ قیامت کے دن نہ کسی کو مال فائدہ دیگا اور نہ اس کے بیٹے کام آئیں گے۔ ہاں وہاں پر کامیاب وہ ہوگا۔ جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوگا۔ جس کے دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن ہوگی۔ اور جو اخلاص اور توحید پر قائم ہوگا۔ آج کتنے لوگ ہیں۔ جو مال اور اولاد کی خاطر طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ ناانصافی۔ رشوت خوری۔ ذخیرہ اندوزی بلیک مارکیٹنگ سب کچھ مال و اولاد کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن یہ لوگ تہی دست ہوں گے۔ دنیا میں کمائے ہوئے مال ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔ سورۃ الحاقہ میں بھی آتا ہے کہ جس بدبخت کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں آئیگا وہ چیخ و پکار کرے گا۔ کاش مجھے یہ اعمالنامہ ملتا ہی نہ مجھ سے حساب کتاب نہ لیا جاتا۔ میرا کام ہی تمام کر دیا جاتا۔ کیونکہ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ آج میرے مال نے مجھے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

مال اور اولاد بے سود ہونگے

الغرض! اس مقام پر بھی یہی فرمایا کہ کفر کرنے والوں کے مال اور ان کی

اولاد بھی کچھ کام نہ آئیں گے۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ایسے لوگ
خود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ کندۂ ناتراش بھی ہیں۔ دوزخ کے ایندھن
کے متعلق فرمایا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن
ہیں۔ چنانچہ کفر کرنے والے پتھروں کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔
کیونکہ کفر کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے حق کا مقابلہ کرتے ہیں۔

آلِ فرعون کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آلِ فرعون سے تشبیہ دی ہے
کہ جیسی عادت قومِ فرعون کی تھی، ویسی ہی ان کی بھی ہے۔ قومِ فرعون کو یقین
تھا۔ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے برحق پیغمبر ہیں مگر وہ انہیں
ماننے پر تیار نہ تھے۔ سورۃ نمل میں فرمایا۔ "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا
اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" اگرچہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔
کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے سچے نبی ہیں مگر اپنے ظلم و تعدی کی بنا پر
ان کا انکار کر دیا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کی اسی عادت کا ذکر فرمایا۔
كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان کی عادت بھی آلِ فرعون
اور ان سے پہلے لوگوں کی سی ہے۔ یعنی ان کفار کا بھی وہی شیوہ ہے جو آلِ فرعون
کا تھا۔ کہ محض دنیا کے مال و متاع کی خاطر حق کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ
لوگ بھی مال اور اولاد کی خاطر دینِ حق سے منہ موڑتے ہیں

داب کے معنی عادت اور خصلت کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو
اقوام کے عادات و خصائل کا موازنہ فرمایا۔ اور آل کے لفظ سے مراد محض صلبی اولاد
نہیں بلکہ اس لفظ میں تمام حوالی موالی اور ہاں میں ہاں ملانے والے تمام لوگ شامل
ہیں۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ تمام پہلی قومیں ہیں جنہوں نے
اپنے اپنے انبیاء کا انکار کیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، حضرت ہود اور
سما السلام کی قومیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم وغیرہ وغیرہ۔
عادات بھی ان گذشتہ اقوام کی عادات و خصائل کے مطابق

ہیں كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد احکام بھی ہیں اور معجزات بھی۔ گویا ان لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پرواہ کی اور نہ ہی پیغمبر کے معجزے کو سچا جانا۔ بلکہ جب کبھی ایسی بات دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو محض جادو کا کرشمہ ہے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کو کبھی مجنوں کہا، کبھی شاعر کہا اور اس طرح ہمارے انبیاء اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ گویا سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس طرح اہل مکہ یا مدینہ کے یہود و نصاریٰ بھی اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے تو وہ بھی ایسی ہی گرفت میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ جیسا کہ سورۃ بروج میں فرمایا اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے غضب کو دوست نہ دیتا۔ وہ حلیم بھی ہے مہلت بھی دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے۔ تو رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

ان کفار کے متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان کافروں سے کہہ دیجئے سَتُغْلَبُوْنَ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور آج تم جن غریب، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو بے بس سمجھ رہے ہو، یہی تم پر غالب آئیں گے۔ تمہارا یہ حشر تو اسی دنیا میں ہوگا۔ جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور آخرت میں وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ تم سب کو اس طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ جو کہ وَبِئْسَ الْمِهَادُ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ پیشگوئی اس وقت کی گئی جب مسلمان طرح طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ اور وہ بظاہر نہایت ہی کمزور جماعت تھے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ

عطا کر دیا۔ پھر اگلی آیت میں اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر دیا ہے۔ اور عبرت کا سامان پیدا فرمایا ہے۔

جنگِ بدر کی یاد

فرمایا قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا تمہارے لیے آپس میں ٹکرانے والے دو گروہوں میں نشانی ہے۔ ان دو گروہوں سے مراد مسلمان مدینہ اور کفار مکہ ہیں۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت۔ یہ گروہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے والا گروہ تھا جو اللہ کی توحید اور اس کی کتاب کے غلبے کے لیے جہاد کر رہا تھا۔ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ اور دوسرا گروہ کفار مکہ کا تھا جو کفر کو غالب کرنا چاہتا تھا۔ جب جنگ بدر میں مسلمان فتح و کامرانی کے ساتھ واپس لوٹے تو مدینہ کے یہودی کہتے تھے کہ مسلمانوں کا واسطہ مکے کے ناتجربہ کار لوگوں سے پڑا ہے جس کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اگر ہم جیسے جنگجو اور تجربہ کار لوگوں کے ساتھ لڑائی ہوتی تو دیکھتے یہ کیسے کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ذکر کر کے یہود مدینہ کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا مسلمانوں کی فتح کی جو وجہ تم سمجھ رہے ہو، یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وہ خود اپنی آنکھ سے انہیں دگنا دیکھتے ہیں۔ اس دیکھنے کا تعلق دونوں گروہوں سے ہے۔ اہل ایمان دیکھ رہے تھے کہ کفار ان سے تعداد میں دگنے ہیں، اور واقعتاً ایسا ہی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار تعداد میں دگنے سے بھی زیادہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ بھی معنیٰ ہے کہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے دگنی تعداد میں دیکھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا تھا۔ اس کی تفصیل اور حکمت خداوند کریم نے سورۃ انفال میں بیان فرما دی ہے۔ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا بدر کے دن تم ان کفار کو اپنے سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ اور تمہیں ان کی نظروں میں کم کر کے

دکھایا مقصد یہ تھا "لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا" کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو پورا کرنا چاہتا ہے وہ مکمل ہو جائے۔ غرضیکہ میدان بدر میں اللہ نے ابتدا میں ایسی کیفیت طاری کر دی تھی۔ کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے کم تر دیکھ رہے تھے۔ اہل ایمان نے کفار کو دیکھا۔ تو انہیں اپنے سے کم تعداد میں پایا۔ اور کافروں نے ایمان والوں کو دیکھا۔ تو وہ بھی تھوڑے سے نظر آئے اور وہ حقیقت میں بھی کم تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی حکمت بھی بتائی۔ کہ اے اہل ایمان! تمہیں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے میں مصلحت یہ تھی۔ کہ کہیں تمہارے دلوں میں ضعف نہ پیدا ہو جائے۔ "وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ" اگر انہیں کثیر تعداد میں دکھایا جاتا تو تم پھسل جاتے۔ تم پہ رعب طاری ہو جاتا اور تم جم کر نہ لڑ سکتے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو اللہ کے فرشتے میدان میں آ گئے تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی تھی۔ اور ادھر نبی علیہ السلام کی اللہ کے حضور دعا اور مناجات تھی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں محض اللہ کی رضا اور کامل ایمان تھا۔ چنانچہ مسلمان فتحیاب ہوئے۔

تائید خداوندی

جنگ بدر میں مسلمانوں کا ظاہری حال تو یہ تھا کہ ایک ہزار مسلح افراد کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو انیس مجاہدین تھے، کل ستر اونٹ، دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں ان کا سامان جنگ تھا۔ کفار کے پاس سامان ضرب و حرب میں ہر چیز موجود تھی۔ ہر روز اونٹ ذبح کر کے کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ ناچنے گانے والی عورتیں موجود تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ "وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی تائید سے مدد فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کم تعداد اور قلیل سامان ہونے کے باوجود تائید ایزدی مسلمانوں کے حق میں تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ یعنی ان واقعات میں عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو صاحبِ بصیرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقتور دشمن کو کیسی عبرتناک شکست دی۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔ جن میں ایک سولہ سال کا بچہ بھی تھا۔ ان کی قبور وہیں میدان بدر میں ہیں۔ برخلاف اس کے کفار کے بڑے بڑے سرکردہ اشخاص سمیت ستر مارے گئے۔ اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔ بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بچے کھچے کفار نہایت ذلت کے ساتھ بھاگ گئے۔ مکہ پہنچ کر بڑی خفت اٹھانی پڑی۔ مکے والے فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے۔ مگر ان کی امیدوں پر خاک پڑ گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہودیوں کو عبرت دلانا ہے۔ کہ تم سامان حرب پر فخر نہ کرنا۔ ماہرین جنگ پر مغرور نہ ہونا۔ اپنے تجربے اور جنگی چالوں پر نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو قلیل لشکر کو کثیر پر غالب کر دیتا ہے۔

سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی بتلا دیا ہے۔ "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ" کئی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اللہ کی تائید سے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئے ہیں۔ اسی طرح آج مسلمانوں کی جماعت ایک غریب اور کمزور سی جماعت نظر آتی ہے۔ مگر وقت آئیگا۔ کہ اللہ کے یہ سپاہی قیصر و کسریٰ جیسی بڑی بڑی سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دینگے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ہزاروں سال پرانی سلطنتیں جن کے متمدن شہری۔ دفتری نظام، باقاعدہ فوجیں، تنخواہ دار ملازم، خزانے سے بھرپور مگر اللہ تعالیٰ نے بے سر و سامان مگر ایمان سے لبریز مجاہدین کے ذریعے ان سلطنتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مگر اللہ نے فرمایا ایسا ہو کر رہیگا اسی طرح مدینے کے یہودیوں کافروں کو فرمایا کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے، اور پھر قیامت کو تمہارا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔

شرطِ غلبہ

تاہم فرمایا کہ مسلمانوں کو غلبہ اسی صورت میں ہوگا کہ وہ خالص میری عبادت

کرنے والے ہوں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں "یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا" (سورۃ نور) جب تک مسلمان اس اصول پہ قائم رہے۔ اللہ نے غلبہ عطا کیا۔ یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ شرک میں مبتلا ہو گئے، لہذا وہ مغلوب ہو گئے۔ اہل کتاب بھی اپنے آپ کو یسوع مسیح کا ماننے والا کہتے تھے مگر اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی کم و بیش ایسی ہی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں ایسی حالت میں ذلت کے سوا اور کیا مقدر میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق کو پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کامل الایمان لوگوں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ جو لوگ راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ آنے والی قوموں کے لیے باعث عبرت بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ محض قصے کہانیاں نہیں جن کو سن کر خوش ہو جاؤ بلکہ "لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ" ان واقعات میں اہل بصیرت لوگوں کے لیے سامان عبرت ہے جو لوگ ایسے حقائق کو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ وہ تو سورج طلوع ہونے کے بعد اس کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان واقعات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ کہ وہ لوگ جن بد افعال کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے ان سے پرہیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو کس وجہ سے غلبہ عطا فرمایا ان کی پیروی کرو، تم آج بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔

درس چہارم ۴

آیت ۱۴ تا ۱۵

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ

ترجمہ: مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں سے، اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے، اور علامت لگے ہوئے گھوڑوں سے اور مویشیوں سے اور کھیتی سے۔ یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھانے کا سامان ہے اور بہترین ٹھکانا تو اللہ کے پاس ہے (۱۴) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر بتاؤں۔ ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں۔ ان کے رب کے پاس باغات ہیں ان کے سامنے نہریں جاری ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور بیویاں ہیں پاکیزہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ اور اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو (۱۵)

ربط آیات: گزشتہ آیت میں یہ وعید سنائی گئی تھی کہ جو لوگ کفر کے پرچم کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں، ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور ساتھ یہ بشارت

بھی سنادی کہ ایسے لوگ بالآخر مغلوب ہوں گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔
ارشاد ہوتا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مرغوب چیزوں کی محبت کو لوگوں کے لیے مزین کر دیا گیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی گئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا یعنی جو کچھ زمین پر موجود ہے اسے اس کے لیے زینت بنایا ہے۔ اور زیب و زینت کے یہ تمام سازو سامان کس لیے مہیا کیا ہے لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے اور برائی کا راستہ اختیار کرنے والا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو امتحان کے لیے مزین کر دیا ہے قرآن کریم میں بعض مقامات پر تزئین کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ کہ وہ کم بخت مرغوب اشیاء کو مزین کر کے رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اکثر و بیشتر انسان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں ان چیزوں کے دو پہلو ہیں۔ ایک فطری اور دوسرا غیر فطری۔ اگر ان مرغوب اشیاء کو اسی انداز پر رکھا جائے جس پر انہیں رکھنا مقصود ہے۔ یعنی ان کی رغبت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تو یہ فطری امر ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ جب ان چیزوں کی رغبت میں غلو اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو یہی اشیاء غیر فطری بن کر گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ انہی چیزوں کی غیر فطری محبت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ اور اگر یہی چیزیں فطرت کے مطابق اپنی حدود کے اندر رہیں تو ان سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان اشیاء کو شہوات یعنی خواہشات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کا ذکر آگے آتا ہے۔

مرغوب اشیاء
۱۔ عورتیں

فرمایا مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مِنَ النِّسَآءِ

عورتوں سے۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے۔ یعنی عورتوں کی محبت انسانوں کے دلوں میں مزین کر دی گئی ہے۔ اور جب لوگ اس محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتے اور اطاعت الٰہی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی امت میں عورتوں سے بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑ چلا۔ یعنی مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور محض نفسانی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مرد و زن کا فطری رشتہ اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب بنایا ہے۔ فرمایا میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کا جوڑا اسی سے پیدا کیا۔ یعنی مرد کے مقابلہ میں دوسری صنف کو پیدا کیا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا یعنی مرد ان کے ذریعہ سکون حاصل کر سکیں۔ غم و اندوہ اور پریشانی کی صورت میں عورت مرد کے لیے مرہم کا کام دے۔ اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے۔ اسے سکون میسر ہوگا۔ اور نفسانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے درمیان محبت اور مہربانی کے جذبے کو پیدا کیا۔ تاکہ یہ جوڑا پیار و محبت کی بہترین زندگی گزار سکے۔ دوسرے مقام پر فرمایا هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عورتیں مردوں کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ ہیں۔ عفت اور پاکدامنی کا سبب ہیں اور یہ فطری رشتہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ عورت سے مقصود پاک دامنی اور اولاد صالحہ ہونی چاہیئے۔ محض شہوت رانی مطلوب نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ جب عورتوں کے قریب جاؤ تو وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ اس چیز کی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں

کی ہے یعنی نیک اولاد کی تمنا ہونی چاہیئے۔

الغرض! اگر عورت سے مقصود عفت، پاکدامنی اور اولاد ہو تو یہ بڑی اچھی چیز ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔ دنیا کی مفید اشیاء میں سے نیک عورت سب سے زیادہ فائدے والی چیز ہے۔ اگر مرد اس کی طرف نگاہ کرے تو وہ اس کو خوش کریگی اور اگر حکم دیگا، تو بجا لائیگی۔ اگر خاوند گھر سے باہر جائیگا تو اس کے مال کی اور اپنی ناموس کی حفاظت کریگی۔

انسان کے لیے حقیقی سعادت تو یہ ہے کہ اُسے ایمان کی دولت نصیب ہو اور وہ اعمال صالحہ پر کاربند ہو۔ دنیاوی سعادت کے متعلق مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو دنیا میں تین چیزیں حاصل ہو گئیں وہ سعادت مند ہوگا۔ ان اشیاء میں پہلا نمبر المرأۃ الصالحۃ یعنی نیک عورت کا ہے۔ اس کے بعد رہنے کے لیے اچھا مکان اور سفر کے لیے اچھی سواری۔ یہ تین چیزیں سعادت کی نشانی ہیں۔ ان کے بغیر انسان شقی سمجھا جائیگا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، عورت سے مقصود کثرت اولاد بھی ہے۔ جو کہ ملت اسلامیہ میں اضافہ کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فانی مکاثر بکم الامم میں کثرت اولاد پر فخر کروں گا بشرطیکہ وہ نیک ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کثرت دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک عورت تو نسل میں زیادتی ہے، جتنی زیادہ اولاد ہوگی اتنا ہی اچھا ہے۔ امت محمدی میں اضافہ ہوگا۔ اسی لیے اسلام نے تعدد ازدواج کی بھی اجازت دی ہے۔ کثرت امت کی دوسری صورت تبلیغ دین ہے جس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونگے ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اور یہ چیز حضور علیہ السلام کے لیے باعث فخر ہوگی۔ ایک عام مسلمان کے لیے بھی یہ چیز باعث ثواب اور ذریعہ نجات ہوگی۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ کثرت اولاد کے

راستے کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ سنت کا مقابلہ کر کے کہ اس
کے لڑکے ایک خون بھی نہ رہ سکے۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی، برتھ کنٹرول اور
عائلی قوانین جیسے غیر فطری ہتھکنڈے بھی بنائے جاتے ہیں سب ملعون ہیں۔
اللہ تعالیٰ تو اولاد کی کثرت چاہتا ہے مگر یہ اس کی حکمت میں دخل اندازی کرتے
ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی بچہ کمسنی میں فوت ہوگیا یا کچا
حمل ضائع ہوگیا۔ تو یہ بچہ قیامت کے دن اپنے مومن والدین کے حق میں شفاعت
کریگا۔ وہ ماں باپ کے دامن کو پکڑے گا اور جہنم میں نہیں جانے دے گا۔
اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی سفارش کرے گا۔ کہ والدین کو ساتھ لے کر جنت میں
جائے گا۔ اور اگر بچہ جوان ہوگیا۔ تو والدین کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعا
کریگا۔ اور نیک کام کرے گا تو باعث اجر ہوگا۔ لہٰذا بہت زیادہ اولاد کا ہونا
باعث سعادت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک عورت
نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا حضور! میرے تین چھوٹے
بچے فوت ہوچکے ہیں۔ میرا کوئی زندہ بچہ نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد
فرمایا لقد احتظرت بحظار شدید تو نے تو جہنم کے آگے
بڑی مضبوط باڑ لگا دی ہے۔ ان بچوں کی بدولت تو جہنم کی آگ سے بچ جائیگی۔

خرابی کی بنیاد

برخلاف اس کے اگر عورت کی محبت حد سے بڑھ جائے تو یہی
بہت سے انسانوں کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ تاریخ میں کتنے واقعات ملتے ہیں۔
جن کا مرکزی کردار عورت تھی۔ اسی کی خاطر بڑی بڑی سازشیں پیدا ہوئیں
بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہوگئیں۔ بے حیائی کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ سب
لوگ سننے سے بھی کان پکڑتے ہیں۔ آج بیشتر گمراہی اور بدکاری صرف عورت
کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے ذمہ دار خود مرد ہیں جو عورت کو ہر میدان میں
گھسیٹ لائے۔ اگر رسائی تعلیمی اداروں تک تو درست تھی کہ بچیوں کو
زیور تعلیم سے آراستہ کریں اور پردے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

مگر جب یہی عورتیں دکانوں کی زینت بن گئیں، دفتروں اور ہسپتالوں میں پہنچ گئیں ہوائی جہازوں میں ائر ہوسٹس بن گئیں، فوج میں بھرتی ہونے لگیں، تو گمراہی کا ذریعہ بن گئیں۔ یہی کچھ انگریز نے کیا تھا۔ اور اب مشرق بھی مغرب کی تقلید میں بھاگا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے۔ کہ عورت کو اس مقام پہ رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے نماز کے لیے عورت اگلی صف میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام پچھلی صف حتیٰ کہ بچوں سے بھی پیچھے ہے۔ عورت جس قدر عفت مآب ہو گی صاحب فضیلت اور صاحب کمال ہو گی۔ جوں جوں عریانی کے کاموں میں آگے بڑھے گی، عورت عورت نہیں رہے گی، کچھ اور چیز ہی بن جائے گی۔ کھیل کے میدان میں عورت کو فٹ بال ہاکی بال کرکٹ ہاکی وغیرہ کھلائی جا رہی ہے۔ مرد و زن سب دیکھ رہے ہیں۔ خیال نہیں آتا کہ تو اور کیا ہو گا۔ مردوں کے خیالات پراگندہ ہوں گے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے اس لیے اسباب ضلالت میں عورت کو پہلے نمبر پہ رکھا گیا ہے

اب جمہوریت نے نیا گل کھلایا ہے۔ ہر سطح پہ عورتوں کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ مرد و زن ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں پہیوں کو برابر چلنا چاہیے، ورنہ زندگی کی گاڑی جام ہو کر رہ جائے گی۔ لہذا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو میونسپل کمیٹیوں کے ممبر بناؤ۔ صوبائی اور قومی اسمبلی میں نمائندگی۔ وزارت و مشاورت کے قلمدان ان کے سپرد کرو۔ ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کس قدر گمراہی کی بات ہے۔ عورت سے مشورہ کرنے کی ممانعت نہیں۔ حضور علیہ السلام خود عورتوں کے مسائل میں اپنی عورتوں سے بات پوچھ لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ مشورہ کر لیتے تھے مگر گھر میں، اپنے مقام پہ۔ مشورہ کے لیے اسمبلی اور مجلس مشاورت میں کھینچ لانا کہاں سے نکال لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا النساء حبالة الشیطٰن یعنی عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ انہی کے ذریعے شیطان لوگوں کو پھانستا ہے۔ اور پھر بڑے بڑے

عورت کی نمائندگی

قبیح واقعات پیش آتے ہیں۔ بڑے بڑے سکینڈل بنتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخ
کا رخ مڑ جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔
اِذَا کَانَ اُمَرَآؤُکُمْ خِیَارُکُمْ جب تمہارے حکام پسندیدہ
قسم کے لوگ ہوں۔ وَاَغْنِیَآؤُکُمْ سُمَحَآؤُکُمْ اور تمہارے
دولت مند لوگ سخی ہوں وَاُمُوْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ اور تمہارے
کام آپس میں مشورہ سے طے ہوں فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ
مِنْ بَطْنِهَا تو ایسی حالت میں تمہارا زمین کے اوپر رہنا زمین کے اندر چلے
جانے سے بہتر ہے۔ نیز فرمایا اگر اس کا الٹ ہو جائے یعنی اِذَا کَانَ
اُمَرَآؤُکُمْ شِرَارُکُمْ جب تمہارے حاکم شریر قسم کے لوگ ہوں۔
وَاَغْنِیَآؤُکُمْ بُخَلَآؤُکُمْ اور تمہارے مالدار لوگ بخیل ہو جائیں
وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَآئِکُمْ اور تمہارے معاملات عورتوں کے ذریعہ
طے پائیں۔ تو پھر سمجھ لو۔ بَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا تمہارے
لیے زمین کے اندر چلے جانا زمین کے اوپر رہنے سے بہتر ہے۔ یعنی تمہارا
مر جانا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے خواہشات
(مرغوب چیزوں) کی محبت کو مزین کیا گیا ہے۔ اور ان خواہشات یا مرغوب
چیزوں میں اول نمبر عورت کا ہے۔

۲۔ اولاد

انسان کی مرغوبات میں سے دوسری چیز فرمایا وَالْبَنِیْنَ یعنی اولاد ہے
اولاد کی محبت ایک خاص درجے تک فطری ہے۔ اور مال و اولاد کو دنیوی
زندگی کے لیے زینت قرار دیا گیا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مگر اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمایا اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ
وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمہارے اموال اور اولاد میں سے تمہارے
لیے فتنے کا باعث بھی ہیں۔ اولاد میں سے خصوصاً بیٹوں کے ساتھ محبت

فطری امر ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے کی وجہ سے اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا، نیک ہوگا تو اس کا نام روشن ہوگا۔ اس کے سبب باعث عزت ہوگا برخلاف اس کے اگر یہی اولاد خلاف توقع بری نکلے۔ اللہ کی حدود کو توڑ دے جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے، فتنہ و فساد کا بازار گرم کرے تو انسان کے لیے سخت آزمائش کا باعث ہوگی، اولاد کے ہاتھوں لوگ کس قدر تنگ آتے رہتے ہیں، ہر روز اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں۔ کہ والدین کے بیٹے نہ صرف بدنامی بلکہ ہلاکت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بیٹا زبردستی باپ سے جائداد کا حصہ طلب کرتا ہے۔ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ قتل و اغوا کے مقدمات میں ملوث ہو کر باپ کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ والدین لاکھ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اولاد سنور جائے۔ اولاد کے لیے مال، دولت، مکان، زمین ہر چیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ انہیں ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑیں۔ مگر جب آزمائش آتی ہے تو یہی لاڈ پیار سے پالی ہوئی اولاد جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد بھی فتنے اور گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

انسان کے لیے جو مرغوبات چیزیں مزین کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز فرمایا وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے ڈھیر مال ہیں۔ یہ بھی انسان کے لیے گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ مال کی محبت بھی کسی حد تک فطری ہے۔ سورۃ عادیات میں فرمایا وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے بلکہ فرمایا هَلُوعًا یعنی حریص اور بے صبرا بھی ہے۔ یہی محبت اگر حد سے تجاوز کر جائے تو گمراہی کا باعث بن کر باعث وبال ہوگی۔ قناطیر سے مراد بہت سارا مال ہے۔ عرب ایک لاکھ اشرفی یا درہم کو قناطیر کہتے تھے۔ مقصد یہ کہ یہ لفظ ڈھیر مال پہ بولا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان ہمیشہ سرگرداں رہتا ہے

فتنۂ مال و دولت

اس کے ذریعہ دنیا میں بھی آسائش، عیش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گمان یہ کرتا ہے۔ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ کہ یہ مال اُسے ہمیشہ حوادثات سے محفوظ رکھے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جب مصیبت آتی ہے، تو مال و دولت کسی کام نہیں آتے پہلے گزر چکا ہے۔ "لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا" ان کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ انسان مال کے حصول کے لیے کیسے کیسے ناجائز حربے اختیار کرتا ہے رشوت چوری، ڈاکہ، جوا، چور بازاری غرض کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ مگر بسا اوقات یہ مال اس دنیا میں بھی کام نہیں آتا، تو اللہ کے ہاں تو یہ بجائے خود وبالِ جان بن جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ گمراہی کے اسباب میں سے مال بھی ایک ہے۔

۴۔ گھوڑے اور مویشی

چوتھی چیز فرمایا وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ نشان زدہ گھوڑے یعنی خوب پالے پوسے اور طاقتور گھوڑے اور دیگر مال ڈنگر مویشی بھی اسبابِ ضلالت میں سے ہیں۔ یہ بھی انسان کی مرغوب اشیاء میں سے ہیں۔ انسان ان سے خوب نفع حاصل کرتا ہے۔ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ سے دودھ حاصل کرتا ہے۔ اور ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان سے سواری اور باربرداری کا کام بھی لیتا ہے۔ یہ انسان کی اچھی خاصی جائداد ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت بھی فطری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی پرواہ نہ کرے۔ دیگر نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا اَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ گائے بیل کی دم پکڑ کر بیٹھا ہے۔ تو یہی مال انسان کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گا۔ لہٰذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

۵۔ کھیتی

فرمایا اسبابِ ضلالت میں سے وَالْحَرْثِ بھی ایک ہے۔ انسان کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو کر کبھی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہی چیز اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ چیزیں تو دُنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی ہے۔ اگر ان اشیاء کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا۔ تو سخت خسارے کا سودا کیا۔ قیامت کے دن خالی ہاتھ ہوگا۔ یہ تمام لوازمات اسی مادی زندگی تک محدود ہیں۔ یہ چیزیں اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی۔ اور پھر آخرت کی زندگی شروع ہوگی۔ انسان کو عبرت دلائی گئی ہے کہ اس آئندہ زندگی کے لیے کوئی سامان پیدا کرے۔ کیونکہ اصل زندگی وہی ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ اصل اور بہترین ٹھکانا تو مالک الملک کے پاس ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے۔ انسان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی فکر کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرغوبات دنیا میں مبتلا ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔ اور پھر اس دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے یہ سخت گھاٹے کا سودا ہوگا!

متقین کے لیے انعام

جب حُبُّ الشَّهَوٰتِ والی آیت نازل ہوئی۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے اللہ کے حضور دعا کی۔ کہ مولا کریم! کہ گمراہی کے ان اسباب کے پیش نظر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام ان کو فرمائیے اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ کیا میں تمہیں ان تمام مرغوبات سے بہتر چیز نہ بتاؤں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے رہے۔ ان کی طبیعتوں میں خوف خدا قائم رہا ہے۔ اور وہ کفر، شرک، نفاق اور بدی سے بچتے رہے۔ فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ ان کے رب کے ہاں باغات ہیں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مومن لوگ ہمیشہ باغات میں رہیں گے۔ وہاں سے نکالے جانے کا انہیں کوئی کھٹکا نہیں ہوگا۔ یہ باغات دنیا کی ان مرغوب اشیاء سے کہیں بہتر ہیں، اور پھر یہ صرف باغات ہی نہیں ہوں گے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں

کے لیے وہاں وَ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ پاکیزہ بیویاں ہونگی۔ جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی
غلاظت سے پاک ہوں گی۔ اس دُنیا کی بہترین عورتیں بھی ان کی طہارت کا مقابلہ
نہیں کر سکیں گی۔ فرمایا اس کے علاوہ جنتیوں کو وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ
کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ جو سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جب لوگ دوزخ سے
نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائے گی، تو
اللہ کریم ان سے فرمائیں گے، کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں۔ وہ لوگ حیران
ہوں گے۔ اور کہیں گے یا الٰہی! ہم جنت میں پہنچ گئے، کامیاب ہو گئے۔ ہر
طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اب اور کیا ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اُحِلُّ
عَلَيۡكُمۡ رِضۡوَانِيۡ میں اپنی خوشنودی اور رضا تم کو دیتا ہوں فَلَا
أَسۡخَطُ عَلَيۡكُمۡ بَعۡدَهٗ أَبَدًا اب آج کے بعد کبھی تم سے ناراض
نہیں ہونگا۔ گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا۔
یہ انسان کی ابدی فلاح ہوگی۔ فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ اللہ تعالیٰ تمام
بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔
اور کون کس برائی میں مبتلا ہے۔ لہٰذا اس کی گرفت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔
وہ یہ بھی جانتا ہے، کہ کون ایماندار ہے اور اعمال صالحہ کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں
کے لیے اس کے ہاں صلے کی کمی نہیں ہے وہ انہیں آخرت میں بہترین ابدی
زندگی عطا کرے گا۔

درس پنجم ۵ — آیت ۱۶ تا ۱۸

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ :- وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں پس بخش دے ہم کو ہمارے گناہ، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا ﴿۱۶﴾ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچائی والے ہیں اور اطاعت کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور بخشش طلب کرنے والے ہیں سحریوں کے وقت ﴿۱۷﴾ اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی، اور اہلِ علم نے بھی۔ وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے ﴿۱۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں گمراہی کے اسباب بیان ہوئے تھے۔ عام طور پر انہی اشیاء کی محبت میں گرفتار ہو کر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین اور آخرت کی زندگی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تبلا دیا کہ دنیا کی ان مرغوب اشیاء کے مقابلے میں اہلِ تقویٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سامان موجود ہے۔ وہاں پر جنت ہے جس میں ہر طرح کی نعمتیں مہیا ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو جائے گی۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اور جس کو کبھی زوال نہیں آئیگا۔ اب آیات زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی وہ

لوگ ہیں جنہیں جنت کی نعمتیں اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

ایمان اور بخشش

فرمایا جنت کے وارث وہ لوگ ہوں گے اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ وہ اس بنیادی عقیدے کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی صفات، اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں، اس کے فرشتوں اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس ایمان کے اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا مولا کریم! تو نے ہمیں ایمان کی دولت دے کر اپنی پہچان کرائی ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں۔ پس ہمارے گناہ معاف فرما دے ہم سے جس قدر غلطیاں، کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہو چکی ہیں، ان سے درگزر فرما۔

امام رازیؒ اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ بخشش کا مبنیٰ ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر بخشش نہیں ہوگی۔ اسی لیے اٰمَنَّا کا اعتراف پہلے ہے اور فَاغْفِرْ لَنَا کی درخواست بعد میں ہے۔ جب تک ایمان ممکن نہیں ہوگا، معافی کی صورت پیدا نہیں ہوگی۔ اے مولا کریم! ہمیں معاف فرما وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ تیری دوزخ کی سزا بڑی سخت ہے جسے برداشت کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ اس لیے ہمیں ایمان کی بدولت اس جہنم سے بچا لے۔

دوزخ کی سزا اس قدر خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار اس سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔ فرمایا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ دوسری جگہ فرمایا رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ اے پروردگار! جسے تو نے آگ میں داخل کر دیا وہ ذلیل و خوار ہو گیا۔ ہمیں اس رسوائی سے بچا۔ غرضیکہ اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی

ہیں۔ کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے
گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور دوزخ کے عذاب سے رہائی کے طالب
ہوتے ہیں۔

اہل تقویٰ علامت صابرین

اہل تقویٰ کی فہرست میں سب سے پہلے فرمایا اَلصّٰبِرِیْنَ ان کی ایک صفت
یہ ہے کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ
کی اطاعت کرتے وقت، نفسانی تقاضوں سے بچنے کے وقت یا کسی مصیبت
آنے پر صبر ہی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ اے اہل
ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ صبر کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔
مگر اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ فرمایا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ
حِسَابٍ "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔"
حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ
الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ "کہ صبر کا تعلق انسان کے ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہے
جیسے سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر کٹ جائے تو دھڑ بیکار ہو جاتا ہے اسی
طرح صبر کو دامن سے چھوڑ جائے تو ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صبر حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ صبر بھی
اسی طرح اہم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پہ ایمان، نماز، اس کا ذکر، تعظیم شعائر اللہ
اور اس کی نعمتوں کا شکر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کیا میں تمہیں
درجات بلند کرنے والی چیز نہ بتلاؤں جو گناہوں کو مٹاتی ہے فرمایا وہ ہے
اتمام الوضوء عند المکروہات یعنی تکلیف کے وقت
مکمل وضو کرنا۔ گرمی سردی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سخت سردی کے
ایام میں پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو وضو کرتے وقت تکلیف ہوتی ہے
بعض اوقات تو ہاتھ پاؤں پھٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مومن جب یہ تکلیف برداشت

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اُس کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بعض گرم طبقات میں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ایسا پانی میسر نہ آنے کی صورت میں گرم پانی سے ہی وضو کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک مومن یہ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ نماز کے لیے قیام، رکوع اور سجود پر صبر کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حج کی تکالیف پر صبر کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر صبر جہاد کے موقع پر کرتا ہے۔ اور سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ یعنی جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ جسے جنت کی خواہش ہے۔ وہ جہاد میں چمکتی ہوئی تلواروں اور بڑھتے ہوئے تیروں اور نیزوں سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ اس کے صبر و استقامت کی انتہا ہے۔ اسی طرح اپنی عزیز متاع مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی صبر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب صبر ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

صبر کی ایک اور بڑی صورت کسی تکلیف یا صدمے کے وقت صبر کرنا ہے۔ مال و جائداد ضائع ہو جائے۔ کوئی عزیز یا بزرگ فوت ہو جائے۔ کسی چیز کا خوف مسلط ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں صبر کا دامن تھامنا بہت بڑا اصول ہے اسی اصول کو چھوڑ کر رافضیت اور شیعیت پیدا ہوئی۔ جس اصول کو امام حسینؓ نے آخر دم تک اپنائے رکھا۔ اسی اصول کو اُن کے نام لیواؤں نے ترک کر کے بے صبری کا انتہائی مظاہرہ کیا۔ رونا پیٹنا، واویلا کرنا، منہ نوچنا، چھریاں مارنا، چھاتی پیٹنا کونسا اصول ہے۔ یہ تو بے اصولی کی بات ہے۔ حضرت علیؓ نے صبر کے اصول کو قائم رکھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر آنچ نہ آنے دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا کمال مظاہرہ کیا۔ آج ہم اس زریں اصول کو ترک کر کے کیسے فلاح پا سکتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے۔ اس کا عام اعلان ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔

۲۔ صادقین

اہل تقویٰ میں سے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَالصّٰدِقِیْنَ
وہ لوگ ہیں جو ہر معاملہ میں سچائی اور راست بازی کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قول،
فعل، معاملے، اور وعدے میں سچائی کو ہمیشہ نظر رکھتے ہیں۔ جیسے فرمایا
لَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ یَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ
صِدِّیْقًا یعنی مومن برابر سچائی کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکو صدیق لکھا جاتا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا اے ایمان والو!
اللہ سے ڈرو وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" اور سچے لوگوں کے ساتھ
شامل ہو جاؤ۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ
صِدْقُھُمْ "قیامت کے دن راست باز لوگوں کو ان کی سچائی نفع دیگی
سورۃ احزاب میں فرمایا لِیَسْئَلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِھِمْ"
قیامت کے دن سچے لوگوں سے سچ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سورۃ عنکبوت
کی ابتداء میں فرمایا "فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا" یعنی اللہ تعالیٰ
سچوں کو جانچتا رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں سچائی بہت بڑا عمل ہے۔
اور اس کے ہاں اس کے واسطے بہت بڑا اجر ہے۔

۳۔ اطاعت گذار

فرمایا متقیوں میں تیسرا گروہ وَالْقٰنِتِیْنَ کا ہے۔ یہ لفظ قنوت سے
مشتق ہے۔ اور اس کا معنیٰ اطاعت بجالانا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ
ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے
ان پر خوشحالی آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائش آئے تو صبر
کرتے ہیں مگر اپنے آپ سے باہر ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر نہیں ہوتے
انہیں ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے۔ کہ کسی وقت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی
نہ ہو جائے۔ یہی لوگ قانتین ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جن مردوں
اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے۔ ان میں

وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گذار مردوں اور اطاعت گذار عورتوں کے لیے قیامت کو بہت بڑے اجر کا مژدہ سنایا ہے۔ الغرض اہل تقویٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گذار ہوتے ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

خرچ کرنے والے

اہل تقویٰ کا چوتھا گروہ وَالْمُنْفِقِیْنَ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں محتاجوں پر خرچ کرنے والے ہیں۔ دین اسلام میں خرچ کرنا بذات خود ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض جمع کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ یہودیوں کی یہ صفت تھی جَمَعَ فَاَوْعٰی کہ وہ محض جمع کرنا جانتے تھے۔ خرچ نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مومن کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ دولت کماتا ہے۔ تو اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ بخل نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ ان کے مالوں میں محتاجوں اور محروموں کا حق بھی ہے اور ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤ۔ اگر محتاجوں کی خبر گیری نہیں کرو گے تو لعنت برسے گی۔ مسلمانوں کا اجتماعی نظام خراب ہو جائے گا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ مال عطا کرے۔ تو اس کے نیچے ہوئے میں سے اس کے حکم کے مطابق ضرورتمندوں کو ان کا حق ادا کرو۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ خرچ کرنے کا حکم محض انفرادی نہیں۔ بلکہ اس کا اطلاق اجتماعی حیثیت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ضمن میں حکومت وقت پر سب سے زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جو حکومت محض جمع کرتی ہے۔ ایسی حکومت کو اسلام ختم کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُس زمانے میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ لوگوں پہ ناجائز ٹیکس لگا کر مال جمع کرتے تھے اور پھر اُسے حقداروں تک پہنچانے کی بجائے اپنی عیاشی پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی حکومتوں کی بیخ کنی کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو مبعوث فرمایا۔ اور قرآن پاک نازل فرمایا۔ چنانچہ

خلفائے راشدین رض کے زمانے تک مسلمان اس زریں اصول پر عمل کرتے رہے
مگر بعد میں مسلمانوں میں بھی قیصر و کسریٰ پیدا ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں نظر دوڑا کر
دیکھ لو۔ کون سی حکومت ہے۔ جو محتاجوں کا خیال کرتی ہے۔ ان قیصر و کسریٰ کے
جانشینوں سے کوئی پوچھے کہ تم لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کو عیش پرستی سے
کہاں خرچ کر رہے ہو۔ سب من مانی کر رہے ہیں کوئی اکا دکا اچھا آدمی ہوگا جسے خوفِ
خدا ہوگا۔ اور جو امانت اللہ نے اس کے سپرد کی ہے اسے حقداروں تک پہنچاتا ہوگا
ورنہ عام طور پر ہر طرف شہنشاہیت، ملوکیت اور امپیریلزم نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں
رکھتی وہ مٹا دینے کے قابل ہے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے مرید اور رشتے
کے بھائی کی بیعت ان الفاظ میں لی کہ نیکی قائم کرنا اور ہمیشہ غرباء اور مساکین کے
مسائل کو حل کرنا۔ آپ نے بیعت میں یہ چیز داخل کر دی۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ
فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے بھی کام خراب کیا ہے یہ بھی ملوکیت سے متاثر ہو کر
بگڑ گئے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو غرباء اور مساکین کا خیال کرتے ہیں۔ خود
عیش و آرام کے طالب ہیں مگر اصل مقصد سے دور چلے گئے ہیں۔ غرضیکہ منفقین
کا یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ اہل ایمان دولت کو سمیٹ کر نہیں رکھتے۔ بلکہ دولت
کو خرچ کرنا ان کے اوصاف میں داخل ہے۔

۵۔ طالبانِ بخشش

فرمایا متقین کی پانچویں شان ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ وہ
لوگ سحری کے وقت اٹھ کر بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کا وقت
تنہائی اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے
تقرب الٰہی کے اس وقت میں اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے
ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان
دنیا پر اعلان فرماتا ہے۔ مَنْ يَّدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَهٗ ہے کوئی
دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ مَنْ يَّسْئَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ

ہے کوئی سائل کہ میں اُسے عطا کر دوں۔ مَنْ یَّسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَلَہٗ
ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ چنانچہ حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق
منقول ہے۔ رات کو نماز میں مشغول رہتے۔ پھر پوچھتے سحری ہوگئی ہے۔ اس
وقت توبہ استغفار میں لگ جاتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا

توحید باری تعالیٰ

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا مسئلہ توحید سے ہوئی تھی۔ الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اب اس آیت میں پھر وہی بات دہرائی جا رہی ہے جو اصل
مبنیٰ دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے شَہِدَ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی
گواہی دی۔ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، کوئی عبادت
کے لائق نہیں، نہ جبرائیل علیہ السلام، نہ میکائیل علیہ السلام، نہ مسیح علیہ السلام
اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ الٰہ کا
معنیٰ بڑا وسیع ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے جس میں الوہیت کی صفت پائی جاتی
ہو۔ جو واجب الوجود ہو جس کا علم محیط ہو، جس کی قدرت تام ہو، جو خالق اور
مدبر ہو اور جو فاطر ہو جو خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو
ہمہ دان نہ ہو، ہمہ بین نہ ہو اور ہمہ توان نہ ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ وہ ہے
جو جو چاہے کر گزرے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لہٰذا فرمایا
اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا الٰہ کوئی نہیں ہے۔ یہ جملہ
اس قدر اہم ہے کہ اس ایک آیت میں دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف
میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ان الفاظ میں سکھائی گئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَآ اُحْصِیْ
ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ اے مولا کریم!
میں تیری تعریف کما حقہٗ نہیں کر سکتا۔ تیری تعریف وہ ہے، جو تو نے خود
اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ نے خود گواہی دی ہے۔ کہ اس کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی مختار کل نہیں کوئی

عالم الغیب نہیں، کوئی سُننے والا نہیں اور کوئی چھیننے والا نہیں۔

فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتوں نے بھی یہ گواہی دی ہے۔ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وَ اُولُوا الْعِلْمِ اور اہلِ علم نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ علم والوں میں سب سے پہلے نبی ہیں، پھر کامل الایمان لوگ پھر حکماء اور دانشور، سب نے یہی گواہی دی ہے۔ کہ اللہ جلّ شانہٗ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

آگے فرمایا قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ کی ذات انصاف کے ساتھ قائم ہے
امام بیضاویؒ اور صاحب مدارک امام نسفیؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں مُقِيْمًا بِالْقِسْطِ انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے اور اہلِ علم کی بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام فیصلوں اور افعال میں انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس نے ہر چیز کو انصاف کے دائرے میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے عمل اور اس کی پسند میں ظلم بالکل نہیں ہے کسی کام میں ناانصافی نہیں ہے، بلکہ ہر کام میں اعتدال اور توازن ہے۔ وہ خود انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔

اہلِ علم کی بھی یہی صفت ہے۔ ہر اہلِ علم مقیماً بالقسط یعنی انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کریں۔ کیونکہ قرآن پاک میں انصاف کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اہلِ علم انصاف پہ قائم ہوں گے تو وہ بھی یہی گواہی دیں گے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ تمام ادیان اور شرائع الٰہی کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اپنی بہترین مخلوق کے متعلق فرمایا۔ کہ اس کا ہر فرد اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔

البتہ علماء کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ جو توحید کا درس دینے کی بجائے شرک و بدعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ علمائے سوء ہیں۔ جہاں شرک و بدعت کی تعلیم دی

(حاشیہ: علمائے حق)

(حاشیہ: علمائے سوء)

دی جا رہی ہو۔ تم جان لو کہ یہ پیٹ کے پجاری دنیادار علماء کی آواز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اہل علم کی شہادت لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ہے۔ اگر تعلیم
اس کے خلاف ہے۔ عرس منانے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ قوالی ہو رہی ہے
قبروں پہ سجدے ہو رہے ہیں۔ خواجہ فریدالدینؒ کے دروازے سے گزرنے
والے کو جنت کا ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ علماء سوء کی مجلس ہو رہی ہے
خواجہ صاحبؒ تو ماشاءاللہ کامل الایمان بزرگ تھے۔ ان کے ہاتھ پہ پنجاب کے
لاکھوں خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اتفاق سے
کوئی بات کی ہو گی۔ جو کوئی بات کی ہو گی کہ جو کوئی نیکی کے دروازے سے گزر
گیا جنت میں جائے گا۔ مگر جاہلوں نے ان کی قبر کے دروازے کو جنت کا دروازہ
بنا لیا۔ یہ تو شرکیہ فعل ہے۔ کہیں تعویذ بک رہا ہے۔ اس کی تعظیم ہو رہی ہے۔
سجدہ ہو رہا ہے اس پہ چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ صرف عوام تک محدود
نہیں بلکہ حکومت کی سطح تک ایسے افعال کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔ قبروں پہ
چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ مقبرے بن رہے ہیں۔ ایسے کاموں پہ بے دریغ روپیہ
بہایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اور ریڈیو پہ علی الاعلان شرک و بدعت
کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ اہل علم کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت تو ایک
ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ عزیز کے معنی
ہے کامل قدرت کا مالک۔ وہ جو چاہے کرے۔ اس کی قدرت کے سامنے
کسی کو ٹھہرنے کی مجال نہیں۔ اور حکیم کے معنی کامل حکمت کا مالک۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ
کی حکمت کے مطابق ہے۔ وہ حکیم ہے۔ وہی معبود ہے۔ اس کے بغیر کوئی
عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کی حاجت روائی کر سکے۔ یہ تعلیم تمام
انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کی ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے تمام اصحاب علم بھی اس کی تعلیم دیں گے تو
اس تعلیم کے خلاف کرے گا وہ علمائے سوء یا پیران جہلاء میں شمار ہوگا۔ ایسا شخص اہل علم نہیں ہوگا بلکہ اہل بدعت ہوگا

درس ششم ۶ آیت ۱۹ تا ۲۰

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ
اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَإِنْ
حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ
أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ
وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ
بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ:- بیشک سچا اور پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا، سرکشی کرتے ہوئے آپس میں۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کریگا، بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے (۱۹) پس اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں، تو آپ کہہ دیجئے، میں نے سونپ دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ کے لیے۔ اور ان لوگوں نے بھی جنھوں نے میری پیروی کی۔ اور آپ اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے کیا تم اسلام لاتے ہو۔ پس اگر وہ اسلام لائیں، تو بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ پھیر دیں۔ پس بیشک تیرے ذمے پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ نگاہ میں رکھنے والا ہے بندوں کے حالات (۲۰)

ربطِ آیات — پہلی آیات میں دین کا مبنیٰ، جڑ اور بنیاد مسئلہ توحید اور اللہ کی صفات کو قرار دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں اللہ نے اسلام کی حقانیت بیان فرمائی ہے مشرکین عرب اور ایران کے مجوسی دعویٰ کرتے تھے کہ اُن کے ادیان سچے ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اس معاملے میں زیادہ ہی غلو کرتے تھے وہ اپنے علاوہ ہر دوسرے مذہب کو غلط بتاتے تھے اور نجات کو صرف اپنے ہی دین میں بند سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی حقیقت اُس وقت نہ تھی، اور نہ آج ہے۔ انہوں نے انبیاء کے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اس سے قبل گمراہی کے اسباب بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حق و صداقت کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی کہ اُن کے مال و اولاد ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم نے جنگ بدر میں اللہ کی نصرت کا نمونہ دیکھ لیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا میں گمراہی عام طور پر عورتوں اور بیٹوں کی محبت، سونے چاندی کے جمع کردہ مال، عمدہ گھوڑے مویشی اور کھیتی باڑی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں سے بہتر اللہ کی طرف سے ملنے والا اجر و ثواب ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ مگر وہ متقیوں کے لیے ہے۔ ان نعمتوں میں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کیں۔ کہ وہ ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی مانگتے ہیں دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں، صبر و استقلال کو اختیار کرتے ہیں اور سچائی پر ڈٹے جاتے ہیں، ہمیشہ اطاعت کا دامن تھامے رکھتے ہیں، اپنی نیک کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار

کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا کہ دین کی جڑ اور بنیاد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ عزیز اور حکیم ہے۔

سچا دین صرف اسلام

اب اس آیت میں دین کی صداقت کا تذکرہ ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ تحقیق یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچا دین صرف اسلام ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف اگر کوئی ہے تو شریعتوں میں ہے، کیونکہ ان میں فروعی احکام ہوتے ہیں۔ جو مختلف ادوار میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہود و نصاریٰ، مجوس یا مشرکین کا یہ دعویٰ کہ ان کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ یہ تو کذب بیانی اور خلاف واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دینِ اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں سچا وہی ہو گا، جو دینِ اسلام کا پیروکار اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہو گا۔

وجہ اختلاف

اہل کتاب سے دو گروہ مراد ہیں۔ اولاً یہودی جو اپنے آپ کی نسبت تورات کی طرف کرتے تھے۔ کہ ان کے پاس اللہ کی عظیم کتاب ہے۔ اور دوسرے عیسائی جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ اگلی آیت کے مصداق دونوں گروہ یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ تاہم چونکہ اس سورۃ میں عموماً نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے وہ خاص طور پر اس آیت کے مخاطب ہیں۔ اب اگر ان کا دین سچا ہوتا ہے۔ تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر انہوں نے سچے دین اسلام سے اختلاف کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرما دی وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ مگر بعد

اس کے کہ ان کے پاس علم آ گیا یعنی وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق تمام
علم یعنی ان کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو نبی ماننے پر تیار
نہ ہوئے۔ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ" یہ لوگ حضور علیہ السلام کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد
کو پہچانتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات
میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ نبی آخر الزمان
حضور علیہ السلام ہی ہیں جن کی پیشگوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر
اس کے باوجود آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ
اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" ان کا یہ فعل آپس میں سرکشی
کی وجہ سے تھا۔ یہود و نصاریٰ کو اس زمانے میں ایک قسم کا اقتدار اور
تفوق حاصل تھا۔ اور نصاریٰ برسر اقتدار بھی تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ
اگر وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے تو پھر ان کی تابعداری کرنی پڑے گی۔
اور اس صورت میں ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ مدینے کا رئیس المنافقین بھی
حسد کی بنا پر ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا رہا۔ مدینے والے اسے
اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھے مگر حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے
اس کا سارا کھیل بگڑ گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ علم حاصل ہونے کے بعد بھی مخالفت
پر اتر آئے ہیں سرکشی کرتے ہوئے محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے حالانکہ
اسلام کی وجہ سے انہیں جو شرف حاصل ہونے والا تھا اس کا وہ اندازہ نہیں
کر سکتے تھے۔ الغرض ان کا سب سے سرکشی اور ضد کی بنا پر اسلام قبول نہ کیا۔

اسلام کیا ہے

اسلام کا اصلی معنی سونپ دینا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو پورا پورا
اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کر لیتا ہے۔ تو گویا وہ اسلام لے آتا ہے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب ان کے رب
نے ان سے کہا "اَسْلِمْ" تم اسلام لے آؤ۔ تو عرض کیا۔ "اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

میں تمام جہانوں کے رب کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہوں۔ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ گویا تسلیم و رضا کا نام ہی اسلام ہے۔ اور تمام انبیاء کرام اسی دین کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایسا دین ہے۔ جو کامل، اکمل اور غالب ہے۔ یہ ناقابل تنسیخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کی تمام شرائع منسوخ کر کے حضرت نبی آخر الزمان علیہ السلام کی شریعت کو قیامت تک کے لیے قائم و دائم رکھا۔

نجران کے عیسائیوں سے آپ نے یہی فرمایا کہ تم اسلام کیوں نہیں لاتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی اسلام لائے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تم غلط کہتے ہو۔ تم کہاں ایمان لائے ہو۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں اَسْلِمُوْا تم اسلام لے آؤ۔ تو وہ کہنے لگے۔ اَسْلَمْنَا ہم تو اسلام لا چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَذَبْتُمْ تم جھوٹ کہتے ہو۔ کَیْفَ یَصِحُّ اِسْلَامُکُمْ تمہارا اسلام کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اَنْتُمْ تُثْبِتُوْنَ وَلَدًا لِلّٰہِ تم مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرتے ہو۔ تین خداؤں میں سے ایک کہتے ہو یا عین خدا کہتے ہو مسلمان تو وہ ہے۔ جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی توحید کا قائل ہے لہٰذا تمہارا دعویٰ اسلام بالکل غلط ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تم کیسے مسلمان ہو جب کہ تَعْبُدُوْنَ الصَّلِیْبَ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو شرک کی نشانی ہے مسند، ترمذی اور دیگر احادیث میں صلیب کو وثن کہا گیا ہے۔ یہ تو بت کی مانند ہے تمہارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا تیسرا کام یہ ہے۔ وَتَاْکُلُوْنَ الْخِنْزِیْرَ کہ تم خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ اسلام

میں خنزیر قطعاً حرام ہے۔ تم خنزیر کو کھانے والے مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔ یہ ساری تفصیل امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے سب کی شریع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ لہٰذا یہ سور کا گوشت کھانے والے اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پوجا کرنے والے اسلام کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی صریح آیات کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے متعلق حکم یہ ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا۔ تو یاد رکھو۔ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ مواخذہ کرتا ہے۔ تو پھر اس کی گرفت سے بچ کوئی نہیں سکتا۔

اطاعت خداوندی

فرمایا ان تمام حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود فَاِنْ حَآجُّوْكَ پس اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں فَقُلْ تو آپ کہہ دیں اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ میں نے اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کر لیا ہے، وَمَنِ اتَّبَعَنِ اور میرے پیروکاروں نے بھی۔ وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔ اور یہ انسانی جسم کا سب سے معزز حصہ ہے۔ چہرے سے مراد ذات ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ میں نے ہمہ تن اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا لیا۔ غرض! اسلام یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں دے دیا جائے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا اصول توحید کا ہے جیسا کہ گذشتہ درس میں آچکا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ توحید الٰہی کا اعلان ہے۔ اور دوسرا بنیادی اصول اسلام ہے یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دے دینا۔ یہ دونوں اصول اہل کتاب میں مفقود تھے۔ نہ وہ توحید کو مانتے تھے۔ اور نہ اسلام لاتے تھے۔ لہٰذا ان کا زبانی دعویٰ ناقابل قبول ٹھہرا۔ وہ لوگ اپنے آپ

کو حنیف یا ابراہیمی کہتے تھے جیسا کہ عرب اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے۔ جو کہ سراسر غلط تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ آگے سورۃ نساء میں ذکر آئے گا کہ اصل حنیف تو حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکار ہیں۔ یہ اہل کتاب تو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ دوسرے مقام سورۃ یوسف میں فرمایا ”عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ“ میں اور میرے ماننے والے ہی صحیح بصیرت پر ہیں۔ یہ تمام انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ ہر بات واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خوب کان کھول کر سن لو ”ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً“ پھر تمہارے معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا ”فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ“ آپ بھی ٹھیک ٹھاک راستے پر چلیں اور آپ کے پیروکار بھی۔ کیونکہ ہمیں اپنے مسلک، اعمال یا اخلاق میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ ہمیں دل سے یقین ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ مومن کی یہی شان ہے۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ ہمارے لیے روشنی کا مینار قرآن پاک ہے جو کہ ”بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَھُدًی وَّرَحْمَةٌ“ ہے۔ یہ دلوں میں بصیرت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ضروری ہے اس کے علاوہ راہ ہدایت کسی سے نہیں مل سکتی۔ اس کو مضبوطی سے پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایمان کی دعوت

فرمایا ”وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ“ ان اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہہ دیجئے۔ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ دین توحید قبول کرتے ہو، اطاعت خداوندی اختیار کرتے ہو۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ پڑھے لکھے

لوگ تھے۔ متمدن تھے۔ دفتری نظام سے واقف تھے۔ حکومت کرنا جانتے تھے۔ ان کے سکول تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے پاس تورات اور انجیل بھی تھی۔ اس لیے اہل کتاب کہلاتے تھے۔ ان کے علاوہ عرب کے باقی لوگ جو عام طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ ان پڑھ تھے تعلیم و تربیت مفقود تھی، نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے۔ تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نزول قرآن کے زمانے میں صرف چار فیصد لوگ پڑھے لکھے تھے باقی سب ان پڑھ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علاوہ ان امیوں کو بھی پیغام دیا کہ بتا، کیا تم اسلام لاتے ہو۔ فرمایا فَإِنْ أَسْلَمُوا اگر وہ اسلام لے آئیں فَقَدِ اهْتَدَوْا پس بیشک وہ ہدایت پا گئے۔

سورۃ بقرہ میں بھی اسی قسم کا بیان گزر چکا ہے۔ "فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا" اگر یہ بھی تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ تم کو اللہ نے معیار حق بنا کر پیش کیا۔ غرض یہ کہ اگر اہل کتاب اور امی صحابہ کرام حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوعبیدہؓ، خالدؓ وغیرہم کی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے فَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ روگردانی کریں۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ تو آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھنے والا ہے وہ ان کے ایک ایک فعل سے واقف ہے کہ انہوں نے کس قسم کے گندے عقیدے بنا رکھے ہیں۔ اور کس قدر ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہیں۔

درس ہشتم

آیت ۲۱ تا ۲۵

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور قتل کرتے ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق۔ اور قتل کرتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں لوگوں کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے۔ پس ایسے لوگوں کو خوشخبری سُنا دیجئے عذابِ الیم کی (۲۱) یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا (۲۲) کیا نہیں دیکھا آپ نے ان

لوگوں کو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے۔ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۲۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا، ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے۔ اور دھوکا دیا ان کو اُن کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افترا کیا کرتے تھے (۲۴) پس کیسے ہوگا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اُس دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور پورا پورا دیا جائیگا ہر ایک نفس کو جو اُس نے کمایا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا (۲۵)

ربطِ آیات — گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا تھا۔ کہ اہل کتاب نے دین میں اختلاف نہیں کیا مگر علم آجانے کے بعد محض سرکشی، حسد، عناد، اور بغض کی وجہ سے۔ انہوں نے دنیا کے جاہ و مال، ریاست اور اقتدار کی خاطر دین حق کو قبول نہ کیا نیز یہ بھی بیان ہوا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ وہ اللہ کے سچے دین کو مان لے، صحیح عقیدہ اختیار کرے اور خدا تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔

آیات سے انکار — ان آیات میں بھی اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اسب کفر کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ کفر انکار سے بھی ہوتا ہے۔ شک اور تردد سے بھی کفر لازم آتا ہے اور ایک عملی کفر ہے اسی طرح نفاق کا کفر ہے۔ مگر سب سے بڑا کفر اللہ کی آیات اور اس کے احکام کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے۔ احکام الٰہی کا منکر مکمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہ کفر والی بیماری مشرکین مکہ کے بعد اہل کتاب میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ تو اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔

قتلِ ناحق

اہلِ کتاب کی دوسری خطرناک بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وہ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے یہود و نصاریٰ کو یہ یاد کرایا جا رہا ہے کہ تکفیرِ آیات اللہ اور قتلِ انبیاء کی بیماری انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملی ہے۔ جس طرح انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا، حضور علیہ السلام کے زمانے کے اہلِ کتاب بھی اُسی روش پر چل رہے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہوگا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا مجرم وہ ہوگا مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا جس نے اللہ کے نبی کو قتل کیا اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ یا وہ بڑا مجرم ہوگا جسے اللہ کا نبی قتل کرے۔ نبی تو معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے خیرخواہ اور ہمدرد ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسی ہستی کو قتل کرنا بلاشبہ بہت بڑا جرم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا۔ اور جس کو نبی قتل کرے وہ یقیناً بہت بڑا مجرم ہوگا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ غرضیکہ نبی کا قاتل یا نبی کا مقتول دونوں بڑے مجرموں میں شمار ہوتے ہیں۔ قتلِ ناحق اس قدر بُری چیز ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے صرف ایک دن میں اللہ کے ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ وہ لوگوں کو اچھی تعلیم دیتے تھے، برائی سے روکتے تھے، مگر وہ مشتعل ہو کر انبیاء کو قتل کر دیتے تھے۔ انبیاء کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آگے آئے۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعن ملامت کی کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بدبختوں نے اُسی دن پچھلے پہر ایک سو بارہ

یا ایک سو ستر نیک لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہ ان کا ایک دن کا کارنامہ تھا۔ اسی چیز کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا۔ کہ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

قسط کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اور اس سے مراد عام طور پر انصاف لیا جاتا ہے۔ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ تو کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا۔ سورۃ الرحمن میں فرمایا وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ یعنی کسی کے تول میں خرابی نہ کرو۔ ناپ تول میں انصاف قائم کرو۔ انصاف کا قیام انسانیت کی بنیادی صفت ہے۔ پہلے آیت گذر چکی ہے قَائِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ خود بھی انصاف کرتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ حَرَامًا یعنی اے بنی آدم! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی ظلم حرام ہے۔ فَلَا تَظَالَمُوا پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل کتاب کا شیوہ یہ تھا۔ کہ وہ اللہ کے نبیوں کو بھی قتل کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے جو انصاف کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں بھی بنو نضیر اور بنو قینقاع کی بستی میں آپ کے خلاف سازش کی گئی کہ آپ کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر سے پتھر گرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کی یہ خصلت بیان فرمائی۔ کہ وہ اللہ

کے نبیوں اور حق و انصاف کے داعیان کو قتل کرتے ہیں۔

قسط اور عدل ہم معنیٰ الفاظ ہیں جو ظلم کے برعکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" دوسری جگہ فرمایا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ عدل کرو جو کہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ عدل و قسط کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں عقیدہ بھی داخل ہے۔ یعنی ایمان اور توحید پر قائم رہو۔ عدل کا لفظ کفر اور شرک کے الٹ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدے کو پاک رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان، مال عزت و آبرو کا خیال رکھو۔ یہ سب قسط میں داخل ہے۔

فرمایا انبیاء کے قاتلوں اور حق و انصاف کے دشمنوں کے متعلق حکم یہ ہے۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ یہاں پر خوشخبری کا لفظ تہکم کے طور پر آیا ہے مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر واضح کر دیجئے کہ تمہارا انجام دنیا میں بھی برا ہوگا۔ ایسے لوگ دنیا میں گھاس پھونس کی طرح کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ ظالم سمجھتا ہے کہ وہ نسلاً بعد نسلاً دنیا میں قائم رہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیتا ہے یزید کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ خاندانِ سادات کا مکمل خاتمہ چاہتا تھا۔ صرف ایک فرد بیمار ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ وہ بھی تلوار کی زد میں تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک فرد سے امام حسینؓ کی نسل کو کس طرح چلایا۔ آج جگہ جگہ حسینی موجود ہیں برخلاف اس کے یزید کے پندرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ آگے کوئی نسل نہ چل سکی۔ خود بائبل میں لکھا ہے۔ کہ اہل بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہتے

عذاب الیم

تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! لوگ تجھے مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات سے زیادہ پھیلاؤں گا۔ ظالم کچھ چاہتا ہے مگر اللہ کی مشیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا ظالموں کی سزا دردناک عذاب ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ان کے اعمال دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر ضائع ہو گئے۔ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی بنا پر ان کی نیکی ضائع ہو گئی اور آخرت میں بھی کوئی ثمرہ نہیں ملے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے

دعوت الی الکتاب

اہل کتاب کو ان کی خرابیوں کی وجہ سے تنبیہ کرنے کے بعد ان کی ایک اور بری خصلت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ جب انہیں برائیوں سے روک کر کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ تو وہ خود اپنی کتاب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ مگر وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دعوت الی الکتاب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ لوگ مکمل تورات و انجیل کے حاملین ہونے کے دعویدار تھے مگر یہاں پہ نصیبًا من الکتب یعنی کتاب کا کچھ حصہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان بدبختوں کا پوری کتاب پر

ایمان ہی نہیں تھا، تورات و انجیل کا کچھ حصہ تو انہوں نے خود ہی ضائع کر دیا۔
کچھ میں تحریف کر دی گئی اور بقیہ کچھ حصہ موجود تھا اگر اس پہ بھی ایمان لے آتے
تو ہدایت پا جاتے۔ تورات، انجیل میں حضور علیہ السلام کی آمد اور آپ کی بعض
نشانیاں موجود تھیں۔ اگر وہ لوگ انہی پہ ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے
نبی مان لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ مگر وہ حسد و عناد کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے۔
انجیل کے متعلق خود پادریوں نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں تیس ہزار غلطیاں ہیں۔ جو
لوگوں نے شامل کر دی ہیں۔ اصل کتاب تو عبرانی یا سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی
مگر اب دنیا میں اصل نسخہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی بجائے اب بائبل میں چار
انجیلیں موجود ہیں۔ ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوحنا کچھ کہتا ہے مرقس
کا مضمون کچھ اور ہے۔ متی کی بھی الگ داستان ہے اور لوقا کچھ اور بتاتا ہے
ان کے علاوہ پانچویں انجیل برنباس بھی ہے بلکہ مجموعی طور پہ تو ایک سو بیس انجیلوں
کی نشاندہی ملتی ہے۔ مگر ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ کچھ تھوڑا بہت
اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پہ بھی ایمان لے آتے تو
راہ راست پا لیتے۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر
اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کر لیں تو سب مشکل حل ہو جائے مگر یہ بدبخت
لوگ کسی چیز کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

فہم القرآن

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ کتاب کے کچھ حصے سے مراد فہم القرآن
بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مقصد یہ ہو گا کہ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ
کا کچھ فہم عطا کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ کسی کو دین کی
سمجھ عطا کر دے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ
حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کے علاوہ ہمیں کوئی خاص
چیز عنایت نہیں کی سوائے اس کے کہ تحریر کیے ہوئے چند احکام آپ
نے دیئے تھے۔ وہ تحریری صورت میں میری تلوار کی میان میں رکھے ہوئے ہیں

یہ چند مسائل ہیں جن میں دیت کا مسئلہ اور قیدیوں کو چھڑانے سے متعلق چند احکام ہیں۔ فرمایا البتہ ایک چیز مجھے خاص طور پہ دی گئی ہے۔ وَأُوتِيَ فَهْمًا یعنی قرآن کی سمجھ عطا کی گئی ہے۔ جو کہ ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی۔ اس مقام پر شیعہ حضرات کے ان عقائد کی نفی ہوتی ہے۔ کہ حضرت علیؓ کو قرآن پاک کے دس پارے علیحدہ دیئے گئے۔ یا کوئی راز کی بات تبلائی گئی جو باقی مسلمانوں کو معلوم نہیں یہ سب غلط ہے۔ بہرحال حاصل کلام یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، پھر ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہی ان کے نصیب میں ہے۔

شفاعت کا غلط عقیدہ

فرمایا کتاب اللہ سے اعراض کی وجہ شفاعت سے متعلق ان کا باطل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن کے لیے یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ کہ وہ صرف اتنے ہی دن کے لیے دوزخ میں جائیں گے۔ جتنے دن ان کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد ہم سے بڑے ہمیں چھڑا لائیں گے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے کنارے پہ کھڑے ہوں گے۔ اور جو بھی ختنے والا اسرائیلی ہوگا اُسے جہنم میں نہیں گرنے دیں گے۔ اُسے پکڑ کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہ جبری شفاعت والا عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے نبی ہمیں زبردستی خدا تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا لیں گے۔ یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ اور نصاریٰ کا باطل عقیدہ یہ ہے۔ کہ ہم جو چاہے کرتے پھریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے صلیب پر

تک کہ کفارہ ادا کر دیا ہے۔ ہملی اب کوئی پرواہ نہیں۔ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی کریگا وہی بھرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ قطعی واضح مسئلہ ہے کہ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کسی ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ گنہگار اپنے گناہ کی سزا خود بھگتے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ لا یجنی علیہ ولا یجنی علیک جس کا گناہ ہوگا اسی کی گردن پر پڑے گا۔ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

افتراء فی الدین

اہل کتاب کے باطل عقیدے اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ کہ ان کے افتراء نے اُن کے دین میں انہیں دھوکا دیا۔ افتراء سے مراد وہ باطل عقائد ہیں۔ جو انہوں نے خود بخود گھڑ لیے تھے۔ جیسے ابنیت کا عقیدہ۔ شرک کا عقیدہ، جبری سفارش کا عقیدہ یا کفارے کا عقیدہ وغیرہ یہ سب افتراء میں داخل ہیں۔ اسی طرح صرف چالیس روز تک دوزخ میں رہ کر نکل آنے کا عقیدہ بھی یہودیوں کا افتراء تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی افتراء نے انہیں دھوکا میں رکھا اور وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

افتراء کی بیماری اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ اس زمانے میں جس قدر بدعات ہیں سب افتراء میں داخل ہیں۔ قبر پرستی، چڑھاوے چڑھانا، عرس منانا، مرنے کا تیسرا، ساتواں اور چالیسواں کرنا سب دین میں گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح گیارھویں کا التزام، قوالی، خواجہ فرید الدینؒ کے دروازے سے ہر سال گزرنا کیا ہے؟ کیا اللہ اور اس کے رسول نے ایسے کاموں کا حکم دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہی تو افتراء فی الدین ہے۔ مگر آج کا مسلمان انہیں کار ثواب سمجھ کر کر رہا ہے۔ بھائی اگر رسول

کو ایصالِ ثواب مقصود ہے تو سلف صالحین کا طریقہ اختیار کرو۔ دعا اور استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو نہ کہ بدعات ایجاد کرو۔

فرمایا فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ایسے لوگوں کا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کریں گے اور اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ وہ ضرور آئے گا وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اس دن ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا۔ ہر نیکی اور ہر بدی اس دن سامنے آئے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ" اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اسے بھی پالیگا۔ خدا کے علم میں ذرہ ذرہ محفوظ ہے۔ وہ مقررہ دن پر سب کو پورا پورا بدلہ دیگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اس روز کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔ اہل کتاب کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہارے باطل عقائد اور باطل اعمال کا ریکارڈ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

اس کا بدلہ تمہیں بہرحال بھگتنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکیگی۔ اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا ہی نتیجہ ہوگا تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اپنی دعا میں اس طرح کہیں، اے اللہ! جو بادشاہی کا مالک ہے، تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۲۶﴾ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے۔ اور تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ ﴿۲۷﴾

ربطِ آیات

آج کی آیات کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیات نجران کے وفد کے باطل زعم کے جواب میں نازل ہوئیں۔ نجران کے عیسائی خوب جانتے تھے۔ کہ آپ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ جن کی آمد کی پیش گوئیاں اور جن کی نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں مگر وہ محض اس لیے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کہ شاہِ روم

کی طرف سے ان کے جو وظیفے مقرر تھے، وہ چھین جاتے تھے۔ مدینہ کی طرف
سفر کے دوران ان کے ذہن پر دربی ابو حارثہ بن علقمہ نے تسلیم کیا تھا کہ آپ
نبی وہی ہیں جن کی بعثت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور پھر
اسی اقرار کی بنا پر اس کے بھائی کرز بن علقمہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے
تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیات نصاریٰ کے اس باطل زعم کا جواب ہیں
جو انہیں حکومت، جاگیر یا وظیفہ کی رہا ہے۔ وہ ضائع ہو جائیگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے
اپنے بندے کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے کہ سلطنت، مال و دولت اور
جاہ و جلال تو آنی جانی چیز ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہے
وہ جسے چاہے کسی مقام کی حکومت عارضی طور پر عطا کر دے اور جس سے
چاہے واپس لے لے۔ اس کے کام میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ کائنات
کے پورے نظام کو چلانے والا وہ خود ہے۔ اور ہر ذی جان کا رزق بھی
اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے وافر رزق عطا کر دے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دعائیہ آیات میں اسم
اعظم بھی موجود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کے متعلق آتا ہے اِذَا دُعِیَ
بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی یعنی جب اس اسم اعظم
کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب
اس نام سے کر مالک الملک سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ پورا کرتا ہے۔
احادیث میں کئی ایک آیات کے متعلق آتا ہے کہ ان میں اسم اعظم ہے
ایسا ہی سورۃ آل عمران کی پہلی آیت الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کے متعلق بھی بیان ہوا ہے۔ اس لحاظ سے آج کے درس
کی دعائیں بھی بڑی مقبول دعا ہے۔

مالک الملک
ارشاد ہوتا ہے قُلِ اے پیغمبر! عرض کریں اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ
الْمُلْكِ اے اللہ! تو جو سلطنت کا مالک حقیقی ہے کیونکہ دنیا کے

ملوک تو عارضی مالک ہیں۔ ان کی ملکیت تو چند روزہ ہے۔ اصلی اور دائمی مالک تو وہی خداوند قدوس ہے۔ تیری یہ خاص صفت ہے کہ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ تو سلطنت اور بادشاہی جس کو چاہے عطا کرتا ہے کیونکہ یہ صرف تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے علاوہ آزمائش کے لیے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی دے دیتا ہے گذشتہ سورۃ میں نمرود کا واقعہ گذر چکا ہے۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنْ اٰتٰـهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اللہ نے اُس کو بہت بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ شکر گذار بندہ بننے کی بجائے مغرور ہو گیا تھا۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا اَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ مصر کی حکومت میری ہے۔ دیکھو میرے حکم سے نہریں چل رہی ہیں۔ ڈیم بنے ہوئے ہیں۔ جن سے آبپاشی ہوتی ہے۔ خزانے بھرپور ہیں۔ طاقتور فوج موجود ہے۔ میرے سوا اور کون ہے مقصد یہ کہ بعض اوقات اللہ اپنے نافرمانوں کو بھی حکومت کی چابیاں دے دیتا ہے اور وہ محض آزمائش ہوتی ہے۔ پھر جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ اور تو جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے رومیوں اور ایرانیوں سے سلطنت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔

غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا۔ کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی۔ تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ فیصلہ ہوا۔ کہ مدینے کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ شہر کی حفاظت کے لیے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ کئی میل لمبی خندق کو آپ نے دس دس صحابہؓ کے حصہ میں چالیس چالیس گز کا ٹکڑا تقسیم کر دیا

پتھریلی زمین میں خندق کھودنا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ گرمی کے موسم میں فاقہ زدہ صحابہؓ نے یہ کٹھن کام چھ دن میں مکمل کر لیا حضور علیہ السلام خود صحابہؓ کے ساتھ شریک کار رہے۔ دوران کھدائی ایک بڑی چٹان حائل ہو گئی جو صحابہؓ سے ٹوٹتی نہیں تھی۔ حضرت سلمانؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ سے کدال مارا۔ آگ کے شعلے نکلے اور چٹان پارہ پارہ ہو گئی۔ آپ نے فرمایا اس روشنی میں اللہ نے مجھے ایران کے محلات دکھلائے ہیں۔ آپ نے دوسری دفعہ کدال مارا۔ پھر شعلے بلند ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے مجھے رومیوں کے محلات بھی دکھا دیئے۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا، اللہ نے مجھے صنعا کے محلات دکھلائے ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آ کر بشارت سنائی کہ یہ تمام مقامات بہت تھوڑے عرصے میں آپ کے زیر نگیں آ جائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام برحق ہے۔ مگر مدینے کے منافقین نے تمسخر شروع کر دیا۔ کہنے لگے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر رفع حاجت کے لیے جانے سے عاجز آ چکے ہیں مگر روم و شام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر دنیا نے دیکھا ۱۸ سے ۲۱ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی شام، ایران اور صنعا وغیرہ زیر نگیں آ گئے۔ مقصد یہ کہ وہ مالک الملک جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

عرب تو سارے کا سارا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اسلام میں داخل ہو چکا تھا تاہم عرب، ترک اور افغان قومیں مجموعی طور پر اسلام میں داخل ہوئیں۔ بڑے عرصہ تک اسلام کی نعمت سے محروم رہے مگر جب ترتیب آئے تو ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہو گئے۔ افغان قوم حضرت عثمانؓ کے زمانے یا کچھ عرصہ بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہوئی۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں۔ کہ عرب کو قومی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لیے دُعا کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ کہ اے اللہ! تو جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔

غلبہ اسلام کے لیے دعا

دُعا اس انداز میں سکھائی گئی ہے۔ کہ اے اللہ! ان ظالموں سے حکومت چھین لے جو انسانیت کے دشمن ہیں اور جو دنیا میں ناانصافی کو تسلّی دے رہے ہیں۔ مولا کریم! ہم اس وقت عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور اس نظام کو پوری دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہی توحید خداوندی کے داعی ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے پیروکار ہم ہیں اور اَسْلِمُوْا کے مصداق بھی ہم ہی ہیں۔ لہٰذا اب حکومت اور دنیا کی راہنمائی ہمارے سپرد کر دے۔ ہم قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ پر پورے اُتریں گے۔ دنیا میں انصاف قائم کریں گے۔ تو حضور علیہ السلام دشمن سے جنگ کرتے وقت یوں دعا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ مُجْرِیَ السَّحَابِ	اے اللہ! تو جو بادلوں کو چلانے والا ہے
وَمُنْزِلَ الْكِتٰبِ وَهَازِمَ	اور کتاب کو اتارنے والا ہے۔ اور جو باطل
الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ	قوتوں کو شکست دینے والا ہے اب ان
وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ	کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت

عطا فرما۔

مسلمانوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر پچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا پہ مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ قوموں کی زندگی میں پچاس سال کے عرصہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مسلمانوں کی یہ رواں دواں ترقی جنگ صفین پہ آکر رک گئی جب حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اور صفین کے مقام پر ایسی لڑائی

ہوئی ۔ اسلام کی صداقت تو ہمیشہ قائم رہی ۔ دین اپنے برہان اور حجت کے
ساتھ تو ہمیشہ غالب رہا مگر پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے
پولیٹیکل طور پر بھی دنیا کے وسیع خطے پر غلبہ عطا کیا ۔

امام ابوبکر جصاص متوفی ۳۷۰ ھ قرآن پاک کے عظیم مفسر ہوئے ہیں انہوں
نے "احکام القرآن" کے نام سے صرف فقہی مسائل کی حد تک قرآن پاک کی تفسیر
پیش کی ہے ۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرمایا کرتے تھے ۔ کہ امام ابوبکر جصاصؒ
کی تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ البالغہ ایسی کتب ہیں جن کی مثال گذشتہ
بارہ صدیوں میں نہیں ملتی ۔ حضرت شاہ صاحب نے اسلام کا فلسفہ اور نظام
سمجھایا ہے ۔ اور امام ابوبکرؒ نے قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر لکھی ہے ۔
آپ مسلکاً حنفی تھے ۔ آپ دو واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد بنتے ہیں
اور تین واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ سے منسلک ہوتے ہیں ۔ امام ابوبکر جصاصؒ
نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ۔ کہ سلطنت عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انصاف
قائم کرنے والوں کے ساتھ کیا ہے ۔ کافر، مشرک، اور ظالم شخص امت کی
راہنمائی نہیں کر سکتا کیونکہ کافر اس کا اہل نہیں اور وہ حق رسی کا پابند نہیں ۔
ایسے لوگوں سے حق و انصاف کی بجائے ملوکیت، شہنشاہیت، ڈکٹیٹرشپ
اور ظلم و جور کی توقع ہی کی جا سکتی ہے ۔ امت کی راہنمائی کے لیے انبیاء
اور عادل لوگوں کی ضرورت ہے ۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے ۔ کہ ایران
کے کسریٰ وغیرہ اور ان کے حواری عام لوگوں سے بیل اور گدھے کی طرح
مشقت لیتے تھے اور انہیں اپنی فلاح و بہبود یا آخرت کے متعلق سوچنے
کا موقع ہی نہ دیتے تھے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں تھی کہ اس ظالمانہ
نظام کو ختم کیا جائے اور نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا جائے جو اسلام کا
عادلانہ توحید اور اطاعت پر مبنی نظام قائم کریں ۔ چنانچہ جب تک
مسلمان ان اصولوں پر قائم رہے ۔ کوئی دوسری قوم ان کے مقابلے پر نہیں

آئی اور ساڑھے چھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب رہے۔ پھر جب خود انہوں نے مجموعی طور پر اس نظام سے روگردانی کر لی۔ تو ان کی حالت بگڑنا شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔

عزت اور ذلت

اے مالک الملک! حقیقی مالک تو ہی ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ تو جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ تو نے ہی اہل اسلام کو عزت بخشی۔ ایمان کی دولت دی نیکی کا راستہ دکھایا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اتباع کی توفیق بخشی اور پھر ظاہری اقتدار بھی عنایت کیا۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ اور جس کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی صفت ہے۔ کفر، شرک نفاق، نافرمانی، بدعت سب ذلت کی چیزیں ہیں۔ جب اللہ کی طرف سے آزمائش آتی ہے تو لوگ سیدھے راستے سے بھٹک کر ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَنْقُلْنَا مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِیَةِ اِلٰی عِزِّ الطَّاعَةِ یعنی اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے اٹھا کر اطاعت کی عزت میں پہنچا دے۔ بزرگان دین کا یہ بھی مقولہ ہے۔ مَنْ یَعْصِی اللّٰہَ فَھُوَ السَّفَلَةُ یعنی کمینہ شخص کسی ذات یا خاندان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر وہ شخص ذلیل ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

خیر اور شر

فرمایا بِیَدِكَ الْخَیْرُ مولا کریم! تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جہاں خیر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، وہاں شر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ مگر یہاں پر صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، شر کا یہاں ذکر نہیں۔ یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھایا جاتا ہے۔ کہ جو چیز واقع میں شر نظر آتی ہے۔ وہ شر محض نہیں ہوتی —————— بلکہ شر اضافی ہوتی ہے کیونکہ شر میں بھی کسی نہ کسی طریقے سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا خالق

ہونے کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا خالق وہی ہے۔ جیسے فرمایا جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ یعنی اندھیرا اور روشنی اُس نے پیدا فرمائے۔ مجوسیوں کا یہ عقیدہ کہ خیر اور شر کا خالق علیحدہ علیحدہ ہے، سراسر باطل ہے، یہ تو ثنویت ہے جو سراسر شرک ہے۔ فرمایا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو ہی ہر چیز پہ قادر ہے۔ یہ تمام تغیرات اور تمام انقلابات تیرے ہی دستِ قدرت میں ہیں۔

دن اور رات

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں، وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ یعنی جب رات کو چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات مختصر ہوتی ہے۔ موسموں کے تغیر و تبدل میں یہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن کو پلٹاں دینا اسی ذات کا کام ہے۔ جب تک اس کو منظور ہے لیل و نہار کا یہ نظم چلتا ہے۔ نیز رات اور دن کی تشبیہ مصائب اور آسائش سے بھی ہو سکتی ہے۔ مَصَائِبُ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ یعنی ایک قوم کے مصائب دوسری قوم کے لیے عیش و راحت کا سامان بن جاتے ہیں۔ جیسے روم اور ایران کے کفار کی شکست مسلمانوں کے لیے خوشی کا مقام تھا۔

وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے جس طرح گٹھلی سے اتنا بڑا درخت پیدا کر دینا، انڈہ مردہ ہے اُس سے زندہ بچہ پیدا کر دینا۔ بے جان قطرہ آب سے زندہ انسان کو پیدا کر دینا اور کافر سے مومن کی تخلیق کرنا سب کچھ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ اور تو چاہے تو مردہ کو زندہ سے نکال دے۔ جیسے زندہ جانور سے مردہ انڈا پیدا ہونا نیکوکار پیغمبر جیسی عظیم الشان ہستی سے کافر اور ناہنجار اولاد کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اے اللہ! یہ تغیرات اور

تصرفات سب تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔
وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ تو روزی دیتا
ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے یعنی کو آسانی کے ساتھ رزق
پہنچتا ہے۔ کہ نہیں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور ملتی بھی اتنی زیادہ
ہے جو شمار سے باہر ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا هٰذَا عَطَاؤُنَا
فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ "یہ سلطنت اور ہر چیز ہماری عطا
کردہ ہے جس کو چاہو دے دو اور چاہو تو روک لو۔ یہ بغیر حساب کے ہے۔
آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہماری
بخشش ہے اور آپ کو اختیار بھی دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی
رعایت فرمائی مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمایا لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ "
جس کی چاہے روزی تنگ کر دے۔ ساری دنیا کے ملوک چاہیں تو کسی کو
ایک دانہ گندم کا نہ دے۔ اس کی مصلحت کو اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔
اسی لیے دعا کے انداز میں فرمایا۔ اے مولا! تو جسے چاہے روزی عطا کرتا
ہے بغیر حساب کے یعنی بے حد و بے شمار۔

درسِ نہم ۹ — آیت ۲۸ تا ۳۰

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے مومنوں کے۔ اور جو شخص ایسا کرے گا پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز میں مگر یہ کہ تم ان کافروں سے بچاؤ اختیار کرو۔ اور ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔ (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۲۹) جس دن حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر ایک نفس جو کچھ اُس نے عمل کیا ہے نیکی سے

اور جو اُس نے بُرائی کی ہے (اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائیگا) پسند کرے گا کاش اس کے اور بُرائی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں کے ساتھ۔ (۳۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ سلطنت کا قبضہ اور اختیار بھی اُسی کے پاس ہے عزت اور ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرت کاملہ کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اختیارات، تصرفات اور تقلبات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کی دعوت یہ ہو انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اور اُسی گروہ میں شامل رہنا چاہیئے۔ اور وہ گروہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کا۔ یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ ان کا عقیدہ وہ ہے جو بیان ہو چکا۔ اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اُن کی جماعت میں شامل ہونا کسی طرح روا نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب فرماتے ہیں لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ مومن لوگ مؤمنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ کافروں کا پروگرام قرآن پاک کے خلاف ہے۔ وہ کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں یہود، نصاریٰ مشرک، منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوستانہ جائز نہیں۔ اگر رفاقت ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ جن کا مرکزی عقیدہ اور نظریہ ایک ہے، پروگرام اور منزلِ مقصود ایک ہے۔ اس لئے اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ کافروں کی بجائے مومنوں سے دوستی کریں۔ فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

جو کافروں سے دوستی کریگا فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ وہ اللہ کے سامنے
کسی چیز میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دین اور مذہب
ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ہاں ایک صورت میں روا ہے۔ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا
مِنْهُمْ تُقٰىةً مگر یہ کہ تم کافروں سے بچاؤ اختیار کرنے پہ مجبور ہو جاؤ۔ ایسی صورت
میں تم ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کر سکتے ہو کیونکہ اضطراری حالت
میں تو مردار بھی کھایا جا سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اجازت ہے۔ اضطراری حالت
کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلا ہے۔ اور کوئی حلال چیز میسر نہیں۔ تو اس
وقت مردار، خنزیر کا گوشت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسر ہو اس قدر استعمال
کر سکتا ہے۔ جس سے جان بچ جائے۔ پیٹ بھرنے یا لطف اندوز ہونے
کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کے
شر سے بچنے کے لیے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔
وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے
کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا، ورنہ پکڑے جاؤ گے۔ کیونکہ
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ایک ایک
چیز کا حساب لے گا۔

دوستی کی تین اقسام

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ کہ دوستی
کی تین اقسام ہیں۔ اوّل موالات جس میں دلی تعلق، لگاؤ اور محبت پائی جائے اور
یہ اعلیٰ درجے کی دوستی ہے۔ دوسری قسم مدارات ہے۔ جس میں دلی تعلق
تو نہیں ہوتا، تاہم فریقین، خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دوستی کی تیسری
قسم مواسات ہے، جس کی اساس ہمدردی اور غمخواری پہ ہوتی ہے۔ ایسی
دوستی کے حامل دوسرے کو نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور کسی پہ احسان کرنا
پسند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ پہلی قسم یعنی موالات کسی بھی صورت میں کافر

سے روا نہیں۔ دلی لگاؤ اور محبت مرتد و دینوں سے ہو سکتی ہے۔ نہ کافر حربیوں سے، نہ یہودیوں سے، نہ ہندوؤں سے اور نہ ہی مشرکین سے۔ اگر کوئی مومن اس قسم کی دوستی غیر مسلموں سے کرے گا تو شیطان اس کے ایمان کا دشمن ہے گا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے "کوئی شخص جس کسی کے ساتھ دوستی روا رکھتا ہے وہ اسی کے دین کی طرف ڈھل جاتا ہے۔" لہذا اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مدارات یعنی خوش اخلاقی کا تعلق ہے، اس کی اجازت ہے بشرطیکہ ضرر سے بچنا مقصود ہو۔ غیر مسلموں کا غلبہ ہو تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آ سکتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر دیکھا جائے گا کہ نا خوش اخلاقی کی وجہ سے ضرر پہنچنے کا خطرہ بدرجہ اتم موجود ہو۔ محض وہم کی بنا پر مدارات درست نہیں۔

یاد رہے کہ مدارات اور شیعوں کے تقیہ میں بڑا فرق ہے۔ ان کے نزدیک تسعة اعشار الدين في التقية یعنی نو حصے دین تقیہ میں ہے اور باقی ایک حصہ ظاہر ہے۔ وہ تو ہر حالت میں تقیہ کے قائل ہیں۔ وہ دین کو دوسروں کے سامنے چھپاتے ہیں۔ جو کہ غلط عقیدہ ہے، اور ایک قسم کا نفاق ہے۔

مدارات کی دوسری صورت یہ ہے کہ کافر کے فائدے کے پیش نظر اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ مومن سمجھتا ہے کہ اگر کافر کے ساتھ حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے۔ مدارات کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے پاس ایک پادری آکر بیٹھا کرتا تھا۔ آپ اسے بلا کر بٹھاتے اور وہ بیٹھ کر سنتا رہتا۔ آپ اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو شاہ اسحاق کو وصیت کی کہ اس پادری کا خیال رکھنا۔ اس کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور نہ اس کو درس سے نکالنا۔ آپ کی اس مدارات کا یہ اثر ہوا کہ وہ

بھی مرنے سے قبل وفات سے تین دن قبل ایمان سے مشرف ہو گیا۔

دوستی کی تیسری قسم مواسات یعنی دوسرے کو نفع رسانی کی مثال اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کافروں کو نفع پہنچانا روا ہے۔ جو مسلمانوں کے تحت رہتے ہوں۔ جزیہ ادا کرتے ہوں۔ خود امن و امان کی زندگی بسر کرنا چاہیں مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑائی پر آمادہ ہوں اور نہ اُن کے خلاف سازشوں میں ملوث ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا، احسان کرنا اور نفع پہنچانا جائز ہے۔

کفار سے دوستی

یہ بات تو صحیح ہے۔ کہ کافر کے ساتھ دلی دوستی کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سرپرست بھی نہیں ہو سکتا۔ امام ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام ترک کر کے کفر اختیار کرے۔ تو اُس کا بچہ اس کی سرپرستی سے خارج ہو کر مسلمان ماں کے تابع ہو جائے گا۔ اور مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ باپ کو اُس بچہ پر تصرف حاصل نہیں رہے گا۔ تاہم اگر کفار نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اظہار درست ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں فرمایا کہ کافر کے ضرر سے بچنے کے لیے کلمہ کفر بھی زبان پر لایا جا سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابی حضرت عمار نے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ دل تو ایمان سے معمور ہے۔ فرمایا اگر کفار تنگ کریں تو زبان سے ایسا کلمہ کہہ دیا کرو۔ اور اگر کوئی شخص کفر کا کلمہ زبان پر نہ لانے کی بجائے عزیمت اختیار کرے۔ تو اس کا مقام بڑا اونچا ہے۔ حضرت خبیب سے کلمہ کفر کہلوانا چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے سولی پر لٹکنا پسند کر لیا مگر کلمہ کفر زبان پر نہیں لائے۔ یقیناً ان کا درجہ حضرت عمار سے بڑھ کر ہے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ ایک سے پوچھا اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا ہاں۔ پھر اس نے کہا اَتَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں، تو اس نے کہا ہاں۔ لہٰذا مسیلمہ کذاب نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو اس نے جواب دیا، ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق بھی ایسی ہی شہادت دیتے ہو۔ تو وہ شخص کہنے لگا میرے کان بہرے ہیں۔ میں تمہاری یہ بات نہیں سن سکتا۔ مسیلمہ نے تین چار دفعہ اپنا سوال دہرایا، مگر ہر بار ایک ہی جواب پا کر اس کو قتل کر دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام کے پاس پہنچی، تو آپ نے فرمایا۔ ایک شخص نے رخصت سے کام لیا۔ اور جان بچانے کے لیے ایسا کام کیا، جس کی اس کو اجازت تھی۔ دوسرے شخص نے عزیمت سے کام لیا۔ اس کو اللہ نے بلند مقام عطا کیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے۔ اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر محض بہانہ بنا رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس لیے انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ یہاں حیلہ بہانہ نہیں چلے گا۔ تمہارا فیصلہ اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اُسی اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو گا۔

اللہ علیم کل ہے

فرمایا قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ آپ کہہ دیجیے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اَوْ تُبْدُوْهُ یا تم اس کو ظاہر کرو يَعْلَمْهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی کونے میں موجود ہو۔ حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ منافق کون ہے جس کے دل اور زبان میں تضاد ہے۔ وہ اپنی منافقت سے دوسرے لوگوں کو تو دھوکا دے سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو اس کی نیت تک سے واقف ہے۔ وہ اپنی بدنیتی اور بدعملی کی سزا ضرور بھگتے گا۔

خیر و شر کا بدلہ

فرمایا يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا قیامت کا دن آنے والا ہے جس روز ہر شخص دنیا میں کیے گئے ہر نیک عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ہر اچھا اور برا عمل حاضر ہو گا۔ لوگوں کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اور اسی طرح وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ جو کوئی برائی کا کام کیا ہو گا، وہ بھی سامنے آ جائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا۔ برے اعمال کو دیکھ کر اس کے دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا اس دن وہ پسند کرے گا۔ کاش کہ اس کی برائی اور اس کے درمیان لمبا چوڑا فاصلہ ہوتا۔ یعنی اس کی بدعملی اس کے قریب نہ ہوتی۔ مگر اس وقت کی آرزو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اور اُسے برائی کی سزا بھگتنی ہو گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اپنے اعمال کا محاسبہ اسی دنیا میں کر لو تاکہ قیامت کے دن حسرت و ناامیدی کا منہ دیکھنا نہ پڑے۔ اِن اللہ تعالیٰ مجرموں کی

پر زیادتی بھی نہیں کرتا۔ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ شفقت رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے اندر ایمان کا نور پیدا کریں۔ اپنے مالک کی طرف رجوع کریں، چھوٹے موٹے گناہوں سے توبہ کریں۔ اور اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کریں۔ ایمان اور توحید خداوندی کی تصدیق کریں۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی قبول فرماتا ہے اور اس کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بندہ خود قصوروار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی شفیق اور رحمدل ہے۔ وہ اپنے بندوں سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لیے کوئی بڑی شرائط بھی پیش نہیں کرتا۔ انسان اپنی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ کو بنالے تو اس کی رحمت کے دروازے دنیا اور آخرت، دونوں جگہ کھل جاتے ہیں

درس دہم ۱۰ — آیت ۳۱ تا ۳۲

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۱﴾ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو، تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے (۳۱) آپ کہہ دیجئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض کرو گے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۳۲)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا رد فرمایا اور توحید پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا قانون بتایا۔ اب ان آیات میں ایمان بالرسالت کا تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس کا انکار صریح کفر ہے۔ اسی طرح رسول کی رسالت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے۔ اسی طرح رسول کی تابعداری بھی ضروری ہے۔

دعویٰ محبت

نزول قرآن کے زمانے میں مشرکین عرب یہود اور نصاریٰ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ تم شرک کیوں کرتے ہو، تو جواب دیتے مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ہم ان معبودوں کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔ یعنی تو سل

کی پرستش تقربِ الٰہی کے لیے ہے۔ اور جب یہی سوال نصاریٰ سے کیا جاتا
کہ تم کیوں شرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبتِ الٰہی کا دعوےٰ کرتے اور کہتے کہ
مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے
ہے۔ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یا تین خدا مانتے
تو ان کا ادعا تھا کہ آگے آنے گا۔ اللہ کی محبت میں غلطان ہونا تھا۔ یہود بھی
کہتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم اللہ کی اولاد ہیں کیونکہ اس
کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں۔ گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعاوی کا ردّ فرمایا ہے اور اپنی محبت
کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پر پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب
ہوگا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہوگا۔ اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالےٰ
نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن
میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور آلِ عمران کی مثال بیان فرمائی ہے
مشرکین اور اہلِ کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیارِ محبت پر پورے نہیں اترتے تھے

معیارِ محبت

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیجئے اِنْ
كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اور اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس
کے دعویدار ہو، تو اس کا ایک ہی معیار ہے فَاتَّبِعُوْنِىْ میرا اتباع
اختیار کر لو۔ گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت نبی کی طاعت
کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مرضیات اور نامرضیات نبی کی اطاعت
کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا رسالت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالےٰ
پر اس لیے ایمان لانا ضروری ہے، کہ وہ خالق ہے، مالک ہے اور معبود ہے
اور رسول پر ایمان لانا اس لیے لازمی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات
اُس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے
معلوم نہیں کر سکتا۔ رسول پر ایمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک

اس کا اتباع نہیں ہوگا۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہٰذا جو کوئی رسول کا اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پائیگا۔ اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

حُبِّ رسُول جیسے کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا۔ وہ تو کفر و شرک کے مرتکب تھے۔ نبی علیہ السلام کا اتباع کہاں کرتے تھے۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ تم میں سے کوئی کامل الایمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کا اتباع نہ کرے جسے میں لایا ہوں۔ نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول تو اللہ کی محبت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال، کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مالک حقیقی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ محسن اللہ کا نبی ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے والی ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ اور اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو اور تم کو نہ بتلائی ہو۔ مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بُری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ جیسا فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ اور مخلوق میں سے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اللہ کا نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔

یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقیؒ کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ آپ کے ماء مستعمل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔ حُبَّ اللہِ وَرَسُولِہٖ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بناء پر ایسے کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔ ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پڑوسی کو ایذا سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتباع نہیں ہوگا محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرضیکہ تکمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع رسول میں فرق نہ آنے پائے۔

اتباع رسول

بہرحال فرمایا اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ یُحْبِبْکُمُ اللہُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اتباع رسول کی تکمیل اس وقت ہوگی جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائیگا۔ صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادات، سیاسیات، جہاد، جنگ، صلح، شادی، غمی غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم پکڑنا ہوگا۔ اب تو وقت یہاں تک آپہنچا ہے۔ کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں۔ رسول کے طریقے کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ چہ جائیکہ دیگر معاملات

میں سنتِ رسول کی پیروی کی جائے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تو فقر کو اپنی زندگی کا جزو بنالو۔ کیونکہ میرے ساتھ محبت کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے۔ کہ سیلاب بھی اپنے منتہا کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا۔ غرضیکہ حبِ رسول کا دعویدار مال جمع نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش و عشرت میں زندگی گزارتا ہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیارِ محبت کے خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کسی نہ کسی ابتلا میں ضرور مبتلا ہوگا۔ اسی طرح رسول کی محبت کا دعویدار فقیر ہوگا۔ مال و دولت اور محبتِ رسول متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوعِ انسان کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کریں۔ ان کی جائز حاجات کا خیال رکھیں۔ اگر ان چیزوں کی طرف دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا فقیر ہوگا۔

اللہ کی محبوبیت

الغرض! فرمایا کہ اتباعِ رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرمادے گا۔ گناہ کی معافی کا قانون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے۔ کہ خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جائے گا۔ سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ نے معاف فرما دیا۔ اگر فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پہلے ان کو ادا کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو۔ اللہ معاف کر دے گا۔ نماز رہ گئی ہے

روزہ قضا ہوگیا ہے پہلے انہیں ادا کر لو۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے کسی کا حق غصب کیا ہے تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کرو یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو۔ اگر اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیرات وغیرہ حقدار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہوگئیں، تو حقدار کے گناہ حق دہندہ کے سر پر ڈال دیے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ لہٰذا حقوق العباد کا فیصلہ اسی دنیا میں کر جاؤ۔ اور اللہ سے معافی مانگ لو وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ اپنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایات کو سامان پیدا کیا۔ تاکہ انسان گناہ سے بچ جائیں۔ اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائیں۔

عصمت انبیاء

اس کے بعد فرمایا قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی تابعداری کرو۔ کیونکہ وہ خالق، مالک اور معبود برحق ہے اس کی اطاعت فرض مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کرو۔ کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت نہیں ہوگی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اسی آیت سے عصمت انبیاء کی دلیل پکڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول غلطی نہیں کرتا۔ اگر غلطی کا امکان ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اطاعت مطلقہ کا حکم نہ دیتا۔ خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ آپ نے کسی موقع پہ مزاح فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہو کر مزاح فرماتے ہیں۔ فرمایا ہاں، مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لَا أَقُوْلُ إِلَّا الْحَقَّ "میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاح کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہاء نے ایک سو مسئلہ نکالا ہے

اللہ نے نبی کی زبان پر ایسا حق جاری فرمایا غرضیکہ نبی معصوم ہوتا ہے ، یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے ۔ کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی سے اپنی حفاظت اٹھا لیتا ہے اور بعض غلطیاں بھی سرزد ہونے دیتا ہے ۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں ، یہ عقیدہ درست نہیں ہے ۔ نبی سے عصمت کی حفاظت کسی وقت نہیں اٹھائی جاتی ۔ ورنہ رسول پر اعتماد ہی ختم ہو جائے گا ۔ نبی کو تو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ حق ہوتا ہے ۔ غلطی سرزد نہیں ہوتی بعض معمولی لغزشیں ہوتی ہیں ۔ جو کہ عام لوگوں کے لیے تو وہ گناہ نہیں ہوتا مگر انبیاء کے لیے وہ بھی قابلِ مؤاخذہ ہوتی ہیں ۔ تاہم وہ گناہ کی فہرست میں نہیں آتا نبی گناہ سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے ۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ نبی کی اطاعت مطلقہ کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا اگر تم روگردانی کرو گے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح نبی پر ایمان لانا بھی فرض ہے ۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہو گا ۔ نبی پر ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے ۔ کہ اس پر محض ایمان لایا جائے اور اعلیٰ درجہ ایمان کا یہ ہے ۔ کہ اس کے ساتھ محبت ہو ۔ اور محبت کا تقاضا ہے کہ اتباع ہو ۔ اگر دعوئے محبت کے ساتھ اتباع نہیں تو دعوئے جھوٹا ہے ۔ یہ بھی کافرانہ بات ہے ۔ جیسا کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفران کرتی ہیں[1] حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ یہ خاوند کی ناشکر گذاری کرتی ہیں ۔ اس کو کفر باللہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کفرانِ نعمت ہے ۔ مشرکین ، یہود و نصاریٰ ، کا کفر تو صریح کفر ہے ۔ کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان ہی نہیں لاتے ۔ مگر جو مسلمان محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اتباع نہیں کرتا ، وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے ۔ اُن کا دعویٰ محبت درست نہیں ہے ۔ لہٰذا ایسے

[1] مسلم ج ۱ صہ ۲۹ (دنیاحق)

لوگ قابل مؤاخذہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر یہ روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفرانِ نعمت کرنے والا ہو، محبوبِ خدا نہیں بن سکتا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳ — اٰلِ عِمْرٰن ۳

درسِ یازدہم ۱۱ — آیت ۳۳ تا ۳۴

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم علیہ السلام کو، اور نوح علیہ السلام کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو جہان والوں پر ﴿۳۳﴾ یہ اولاد ہیں بعض بعض سے اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بیان فرمایا یعنی حضور علیہ السلام کی محبت اور اس کے جواب میں آپ کے اتباع کو معیار قرار دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا اتباع اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔ اتباعِ رسول ہی دین اور مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ سورۃ البقرہ میں روئے سخن یہود کی طرف تھا، اور سورۃ آلِ عمران میں نصاریٰ کی اصلاح کا پہلو غالب ہے۔ گذشتہ سورۃ میں یہودیوں کی چالیس خرابیوں کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اب اس سورۃ میں نصاریٰ کی اصلاح مطلوب ہے۔ تاہم ابتدائے سورۃ میں توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ بہرحال نصاریٰ کا تذکرہ دُور تک آئیگا اور اس ضمن میں بہت سی باتیں آئینگی جنہیں اہلِ ایمان کے لیے بہت سی نصیحت اور عبرت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم اصول بیان فرمائے ہیں۔ آج کا درس آئندہ آنے والے مضامین کی تمہید سمجھئے۔

ظلم و ستم کا دَور

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ آلِ عمران کا مرکزی موضوع نصاریٰ کی اصلاح ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان میں دو قسم کی خرابیاں پائی

جاتی تھیں۔ پہلی خرابی تو اُن کے دین میں تھی یعنی عقیدہ مشرکانہ تھا۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، خود خدا یا تینوں میں سے تیسرا خدا کہتے تھے۔ اور دوسری خرابی اُن کی سیاسی نوعیت کی تھی۔ اُس زمانے میں دُنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت تھی، جس کے فرمانروا مجوسی تھے۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سال سے حکمران چلے آ رہے تھے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، روس، چین وغیرہ سب ایرانی سلطنت کسریٰ کے تابع اور زیرِ اثر تھے اور انہیں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روما کی تھی جو سینکڑوں سال سے وہاں پر مسلط تھی۔ باقی نصف دنیا ان کے زیرِ نگیں تھی۔ تمام دنیا ان دو حکومتوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ جب اور جہاں چاہتے تھے اپنی مرضی کے مطابق انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ کمزور ریاستوں کا کوئی پُرسانِ حال نہ تھا۔ بڑی طاقتیں جو چاہتیں کر گزرتی تھیں۔ اُن کے عوام ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ معاشی طور پر نہایت پس ماندہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہو گا۔ وہاں ایسے حالات ہی رونما ہوں گے۔ عوام و خواص کی حالت خراب ہو جائیگی، رشوت خوری، چور بازاری عام ہو گی۔ ہر طرف جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو گا۔ دنیا میں امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جبتک عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو۔ آج ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ کرۂ ارض کے کسی خطے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند نظر نہیں آتا۔ کہنے کو ہم ایٹمی دَور میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے۔ مگر کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے۔ کمزوروں کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور روس کی کشمکش میں ویٹ نام کے دس لاکھ آدمی ہلاک ہو گئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے مگر انسانیت کی ٹھیکیدار یہ بڑی طاقتیں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں مگر ان کے

دل کے کسی گوشہ میں جذبہ رحم موجود نہیں۔ انہیں اپنی سیاست اور اپنی بالادستی
سے غرض ہے چاہے انسان گاجر مولی کی طرح کٹتے رہیں۔ گذشتہ چھ سال سے
افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ روسی فوجیں مجاہدین پر کس طرح بمباری کر رہی ہیں
لاکھوں افغانی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ تیس پینتیس لاکھ ملک بدر
ہو چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت پاکستان میں پناہ گزین ہے۔ باقی ایران
میں ہیں۔ دنیا کی سپر پاور مذہبی حیثیت سے کیا روس کا یہی فرض بنتا ہے۔ یہ
سب ظلم و جور ہے جو بے گناہ لوگوں پر ڈھایا جا رہا ہے۔

ادھر مصر اور فلسطین پر نگاہ ڈالیے۔ اسرائیل امریکہ کا پالتو درندہ ہے۔ جب
چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے۔ مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں اُن کی
جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے۔ صدر ایوب کے زمانے میں
قبرصی مسلمانوں کا یہ حال ہوا کہ یونان کے عیسائیوں نے بیس ہزار ترکوں
کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں دی جا رہی
وہاں پر عیسائیوں کی کثرت ہے۔ جو مسلمانوں کو کسی صورت زندہ دیکھنا نہیں
چاہتے۔ فلپائن میں تھوڑے سے مسلمان ہیں مگر ان کا عرصہ حیات بھی تنگ
کیا جا رہا ہے۔ ان کو مورو مسلمان یعنی ڈکو اور قزاق کے نام سے پکارا جاتا ہے
ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اینٹ کا جواب
پتھر سے نہیں دے سکتے۔ ان کا کوئی جائز حق ان کو نہیں مل سکتا۔

غرض قوموں کے بگاڑ کی یہ تمہید بیان ہو رہی ہے کہ قوموں کی خرابی
یا تو عقیدے میں ہوتی ہے یا سیاست میں۔ جب تک عدل و انصاف
کا دور دورہ نہیں ہوگا مظلوم ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک
عقیدہ درست نہیں ہوگا۔ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
حضرت آدم علیہ السلام سے ابتداء کر کے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام
اور آل عمران کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ذکر ہوگا۔ اور کچھ

تمام اقوام کی اصلاح کے اصول بتائے جائیں گے۔

شرف انسانی اور آدم علیہ السلام

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ بیشک اللہ تعالیٰ نے
پسند کیا منتخب کیا آدم علیہ السلام کو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تو بے شمار تھی ارض و سما،
چاند، سورج، ستارے، شجر، حجر، فرشتے، جن سب اللہ کی مخلوق ہیں مگر اس
کے علم محیط، حکمت بالغہ اور قدرت تامہ کے ساتھ جو مقام حضرت آدم علیہ السلام
اور آپ کے توسط سے نسل انسانی کو حاصل ہونے والا تھا، وہ کسی اور مخلوق
کے حصہ میں نہ تھا۔ انسان کی برتری اور فوقیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام
کو منتخب کیا۔ اور نظام خلافت آپ کے سپرد فرمایا۔ یہ کام فرشتوں کے سپرد بھی
نہیں کیا بلکہ نظر انتخاب آدم علیہ السلام پر پڑی۔ اللہ نے ان کو یہ فضیلت اور
شرف عطا فرمایا۔ اور سب سے بڑی فضیلت اصطفیٰ بالنبوت ہے۔ یعنی آپ
کو نبوت جیسے اعلیٰ منصب کے لیے منتخب فرمایا۔ انسانیت کے لیے سب
سے بلند مقام نبوت ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد
کو عطا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں۔
اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک روایت کے مطابق کم و
بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ باقی سب نبی ہیں۔

نوح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا آدم علیہ السلام کو وَنُوْحًا اور نوح علیہ السلام
کو۔ دنیا میں سب سے پہلے صاحب شریعت رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اور آپ ہی
کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اس سے پہلے کوئی امت عذاب میں مبتلا نہیں
ہوئی۔ قیامت کے دن جب لوگ آپ کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے
تو آپ کو ان الفاظ کے ساتھ پکاریں گے یَا نُوْحُ اِنَّکَ اَوَّلُ الرُّسُلِ
اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ اے نوح علیہ السلام! آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔
جنہیں شریعت دے کر اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ آپ ہماری سفارش کریں۔
آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت کیا ہے اَلَا تَرٰی مَا نَحْنُ فِیْہِ

نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ اس قدر
ناراض ہے۔ کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی
ہو گا۔ اس وقت تیری تجلیات اتری ہوں گی کوئی شخص دم نہیں مارے گا۔ آپ
کہیں گے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے
صاحب شریعت رسول ہیں۔ آپ کی امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر
طوفان کے بعد جو آدمی بچ گئے۔ ان کی اولاد سے آگے نسل انسانی چلی۔ اسی
لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے
نوح علیہ السلام کو بھی منتخب فرمایا۔

آل ابراہیم

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرمایا وَآلَ
اِبْرٰهِیْمَ یعنی آل ابراہیم کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو اس قدر
شرف بخشا ہے کہ انبیاء کی ایک جماعت ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی اولاد سے پیدا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بعض امور میں
آزمایا اور آپ پورے اترے تو اللہ کریم نے فرمایا اے ابراہیم علیہ السلام "اِنِّیْ
جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" میں تمہیں لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والا ہوں،
مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنے والا ہوں کیونکہ
تمام انبیاء اپنی اپنی امت کے امام ہوتے ہیں۔ مگر ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء
ہیں۔ تاہم آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ" مولا کریم!
جس طرح تو نے مجھے امامت سے نوازا ہے۔ اسی طرح یہ منصب میری اولاد
میں بھی عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ
اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں لاتعداد انبیاء مبعوث فرمائے
حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت
یوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان
حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر پیدا کیے، جن میں سے بعض

کو دنیا کی سلطنت بھی عطا کی اور وہ وقت کے حکمران بھی ہوئے۔ اور پھر آخر میں
اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی آخر الزمان حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے بند کیا۔
اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ ہم نے آل ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

آلِ عمران

فرمایا وَآلَ عِمْرَانَ اور اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ مفسرین
کرام فرماتے ہیں کہ عمران نام ہے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد کا نام بھی
عمران ابن یصہر تھا۔ یہ بڑی عمر کے تھے، جو فرعون کے زمانے میں ہوئے۔ تاہم
یہاں پر جس عمران کا ذکر ہے۔ وہ حضرت مریم کے والد ہیں۔ آپ بھی نیک اور
صالح آدمی تھے۔ نہایت عبادت گزار اور ہیکل سلیمانی کے امام تھے بیت المقدس
میں نماز پڑھاتے تھے۔ تاہم نبی نہیں تھے قرآن پاک کے اس مقام پر چونکہ
حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے آل عمران
سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔ ان دونوں عمرانوں کے درمیان ایک
روایت کے مطابق اٹھارہ سو سال کا وقفہ ہے۔ تاہم ایک ہزار سال سے
بہرحال زیادہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو بھی منتخب فرمایا
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جہان والوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام
حضرت نوح علیہ السلام، آل ابراہیم اور آل عمران کو باقی لوگوں پر فضیلت
اور برتری عطا فرمائی۔

نسلِ انسانی

اب عقیدے کی اصلاح کے لیے بات سمجھیں گے۔ فرمایا
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ تمام انسان ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔
جیسے نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں پھر حضرت
ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت نوح کی اولاد میں سے
ہیں۔ اور دونوں عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت
مریم، عمران کی بیٹی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں۔ چونکہ وہاں پہ

باپ نہیں ہے۔ لہذا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے چلتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ" کہہ کر پکارا۔ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا جائے گا جب کہ باقی مخلوق کی نسبت باپ کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ "ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰـهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ" کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کپکپا اٹھیں گے اور اللہ جل جلالہٗ کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں گے۔ صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ سو سال تک کپکپی کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے بعد اُن کے حواس بحال ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے "قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِیۡ بِحَقٍّ" اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب لوگ بعض اولاد ہیں بعض کی۔

بشریت انبیاءؑ

سب یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور عیسائیت کی جڑ کٹتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ کے بیٹے (نعوذ باللہ) کیسے ہو گئے۔ سارے نبی انسان اور بشر تھے۔ بشر ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم نے بشر کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ بشر سے مراد اللہ کی وہ مخلوق ہے جس کی کھال نظر آتی ہے۔ یہ گندمی رنگ والا انسان مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے مٹی سے انسان کو بنایا۔ یہ تو عزت کا نام ہے۔ اہل بدعت مولویوں نے لوگوں کے ذہن خراب کر دیے ہیں

کہ نبی کو بشر تسلیم کرنے سے اُن کی نعوذ باللہ توہین ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انبیاء کو نور تسلیم کرو۔ پھر یہاں تک ختم نہیں کیا۔ بلکہ نورٌ مِّنْ نُّورِ اللّٰہِ کا عقیدہ بنایا۔ نبی کو اللہ کا جزو بنا کر عیسائیوں کے عقیدے کی تصدیق کر دی۔ انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ کہا، انہوں نے نورٌ من نور اللہ کہہ دیا۔ "وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا" اللہ کے بندوں میں سے ہی اُس کا جزو بنا دیا۔ کتنی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ یہ تو معاذ اللہ اللہ کی توہین اور اس کی بغاوت ہے اور اپنی فکر کو فاسد کرنا ہے۔ خود اللہ کے نیک بندوں کی توہین ہے فرمایا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔

آج کے درس کی ابتدائی آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اصطفیٰ کا ذکر فرما کر اس بات کی تمہید باندھ دی ہے کہ ساری نسل انسانی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس اشرف المخلوق کو برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد حضرت مریمؑ کی برگزیدگی کا ذکر آئیگا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اصطفیٰ کا ذکر بھی جزوی طور پر ہوگا۔

آیت ٣٥ تا ٣٧

درس دوازدہم ١٢

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: جب عمران کی بیوی نے کہا اے پروردگار! میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔ پس قبول فرما مجھ سے۔ بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿٣٥﴾ اور جب اس کو جنا تو کہنے لگی اے پروردگار! میں نے جنا ہے اس کو لڑکی، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا ہے۔ اور نہیں ہے لڑکا مثل لڑکی کے۔ اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اور اس کی

اولاد کو شیطان مردود سے (۳۶) پس قبول کیا اُس کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کرنا۔ اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔ اور کفیل بنایا اُس کا زکریا علیہ السلام کو۔ جب زکریا علیہ السلام اس کے پاس حجرے میں داخل ہوتے۔ تو اُس کے پاس روزی پاتے تو انہوں نے کہا۔ اے مریم! یہ روزی تیرے پاس کہاں سے آئی۔ تو وہ کہتی یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے (۳۷)

زوجۂ عمران کی نذر

جیسا کہ گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے غلط عقائد کی نہایت عمدہ پیرایہ میں تردید فرمائی ہے۔ آج کے درس میں حضرت مریمؑ کی ولادت سے موضوع سخن کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اُس واقعہ کو ذہن میں لاؤ۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ جب عمران کی بیوی نے کہا رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا۔ اے مولا کریم! میں نے تیرے لیے یہ نذر مانی ہے کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے۔ وہ میں نے محض تیری عبادت کے لیے آزاد کر دیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں مُحَرَّرًا یعنی آزاد کرنے سے مراد ہے مُخْلَصًا لِلْعِبَادَةِ یعنی ہونے والے بچے کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے مختص کر دیا جائیگا۔ کسی دنیوی کام میں نہیں لگایا جائیگا۔ بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی تو عام فہم ہے یعنی غلامی سے آزاد کر دینا۔ اور دوسرا معنی کسی معاملہ میں کتابت یا تحریر کو لینا ہے۔ جب کوئی چیز تحریر میں آجاتی ہے۔ تو معاملہ صاف ہو کر کسی ممکنہ فساد و اضطراب سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

اس بات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ تاریخ میں دو ایسے اشخاص کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے والد بھی عمران ہیں۔ دونوں نیک

اور صالح آدمی تھے مگر نبی نہیں تھے۔ اس مقام پر جس عمران کا تذکرہ ہے۔ وہ
مریمؑ کے والد ہیں۔ امام بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اُن کی بیوی
کا نام حنہ بنت فاقوس تھا۔ وہ بھی صالحہ خاتون تھیں۔ بعد میں اُن کے نام پہ
گرجے بھی بنے۔ اُس علاقے میں دیر حنہ وغیرہ مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ
کے نام پہ بھی گرجے اور عبادت خانے مشہور تھے۔ حنہ زوجہ عمران عمر رسیدہ
ہو گئیں مگر اولاد سے محروم تھیں۔ امام ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین بیان کرتے
ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے چڑیا کو دیکھا۔ کہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے
یہ دیکھ کر اُن کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ سے
عجز و انکساری کے ساتھ دُعا کی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی۔ جب وہ اس کبر سنی
میں حاملہ ہو گئیں تو انہوں نے شکرانے کے طور پر یہ منت مانی کہ وہ پیدا
ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ آپکی
دلی خواہش یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے۔ اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں آزاد
کر دیں گی۔ یہ نذر ماننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی فَتَقَبَّلْ مِنِّي
اے اللہ! مجھ سے یہ نذرانہ قبول کر لے۔ میں پیدا ہونے والے بیٹے کو تیری
عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ اِنَّكَ
اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک تو سننے والا ہے اور جاننے والا
ہے۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس مکمل یقین کے ساتھ دعا کر رہی ہوں کہ تو میری
التجا کو سن رہا ہے۔ اور میری اس نذر اور اس میں پائے جانے والے
خلوص کو جانتا بھی ہے۔

جائز اور ناجائز نذر

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جو نذر عمران کی بیوی نے مانی تھی۔ ایسی
نذر ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ آج بھی کوئی شخص منت مانے کہ
میں اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ وہ علم دین
یعنی قرآن۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ سیکھے گا۔ اُسے کسی دنیا کے کام میں نہیں لگاؤں گا

تو ایسی نذر ماننا بالکل درست ہے۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی معصیت کی نذر مانے کسی ناجائز کام کے لیے منت مانے۔ تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی نذر کو توڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُّطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اس کو وہ نذر پوری کرنی چاہیئے۔ اور لازماً اللہ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ برخلاف اس کے اگر کسی نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو فرمایا فَلَا يَعْصِهِ اللّٰهَ۔ ایسے شخص کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ایسی غلط نذر کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے۔ یعنی دس مساکین کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑے پہنائے یا تین دن کے متواتر روزے رکھے۔

بہرحال کسی نیک کام کے لیے نذر ماننا بمنزلہ عبادت ہے اور درست ہے۔ کسی کو دین کی خدمت یا مسجد کی خدمت کے لیے وقف کیا جائے۔ یہ نذر صحیح ہے اور جائز ہے۔ البتہ کسی قبر کا مجاور بنانے کی منت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک و بدعت کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور یہ معصیت کی نذر تصور ہوگی۔ اسی طرح قبروں پر چڑھاوے چڑھانے اور وہاں پر نذرونیاز پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں یہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں بدعت ہوتی ہے۔ لہٰذا درست نہیں۔ امام عمران کی بیوی نے جو نذر مانی تھی۔ اس سے بیت المقدس کی خدمت مقصود تھی۔ اس زمانے میں اس قسم کے کام کے لیے لڑکوں کو وقف کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اُن کی خواہش اور دعا تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا کرے تو وہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت پر مامور کر دیں گی۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ مجہول کی نذر بھی درست ہے۔ یعنی ابھی علم ہی نہیں کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے یا لڑکی۔ مگر یہ نذر صحیح

ہے۔ کہ جو بچی اللہ تعالیٰ عطا کرے گا اُسے وقف کر دیا جائے گا۔

حضرت مریم کی ولادت

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا جب عمران کی بیوی سے جنا۔ تو وہ لڑکی تھی۔ قَالَتْ کہنے لگی۔ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ اے پروردگار! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ اُس نے جنا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ میں نے تو نذر مانی تھی کہ لڑکا ہوگا۔ تو اُسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی مگر لڑکی کو ایسے کام کے لیے مقرر کرنا مناسب نہیں۔ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ اور لڑکا لڑکی کی طرح تو نہیں ہے۔ لڑکی وہ مشقت کا کام نہیں کر سکتی جو لڑکا کر سکتا ہے۔ بہر حال لڑکی جننے کے بعد انہوں نے کہا۔ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ مریم کا معنی بعض کے نزدیک عابدہ یعنی عبادت گزار ہے اور بعض کے نزدیک خادمہ ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ عمران حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ اور اُن کی بیوی ہی نو مولود کی کفیل اور سرپرست تھی۔ لہٰذا بچی کا نام انہوں نے خود رکھا۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ ماں کو بھی بچے کا نام رکھنے کی اجازت ہے خصوصاً اُس وقت جب کہ باپ موجود نہ ہو۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ بہتر یہ ہے۔ کہ بچے کی پیدائش کے دن ہی اُس کا نام رکھ دیا جائے تاہم ساتویں دن بال اُتارنا، عقیقہ کرنا اور نام رکھنا بھی درست ہے۔ حضرت انسؓ کے بھائی کی ولادت ہوئی۔ اُسی دن اُس کو اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نو مولود کو گھٹی دی اور عبداللہ نام بھی رکھا۔ خود حضور علیہ السلام کے ہاں ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے رات کو بچہ پیدا ہوا۔ صبح آپ نے فرمایا کہ رات میرے ہاں لڑکا تولد ہوا ہے۔ اور اس کا نام میں نے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔ گویا بچے کا نام اُس کے باپ نے رکھا مگر حضرت

مریم کا نام ان کی والدہ نے رکھا کیونکہ باپ موجود نہیں تھا۔ بعض مفسرین نے
اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں تو ماں نام رکھ
سکتی ہے مگر اس کی موجودگی میں نہیں رکھ سکتی۔

نام رکھنے کے ساتھ ہی فرمایا: وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔ اے اللہ میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان
مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تاکہ شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کرے
حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان نے ہر نومولود کو چوکا لگایا سوائے
حضرت مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔
ان کی والدہ کی دعا کی وجہ سے ان کی خصوصیت تھی۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا
بِقَبُولٍ حَسَنٍ پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا
یعنی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو اسے بھی عبادت کے لیے قبول فرمایا
وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور بڑھایا اس بچی کو اچھی طرح بڑھانا۔ اللہ تعالیٰ نے
نے ایسی نشو و نما فرمائی کہ حضرت مریمؑ عام معمول سے بہت جلدی بڑی ہوگئی۔
اور آپ کی صحت بھی بہت اچھی تھی۔

حضرت مریم کی کفالت

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اس کی قرات دو طرح سے آئی ہے یعنی كَفَلَهَا
اور كَفَّلَهَا۔ كَفَلَهَا کا معنی ہے کفیل بن گیا یا ضامن بن گیا۔ گویا زکریا علیہ السلام
حضرت مریم کے کفیل بن گئے۔ اور كَفَّلَهَا کا معنی ہوگا خداوند نے زکریا علیہ السلام
کو حضرت مریم کا کفیل بنا دیا۔ بہرحال دونوں طرح مقصد ایک ہی ہے۔ بچی کا
باپ موجود نہیں۔ ماں اس کو لے کر ہیکل مقدس میں آگئی تو وہاں پر موجود ہر
شخص نے خواہش ظاہر کی کہ اس بچی کو اپنی کفالت میں لے۔ مگر اللہ تعالیٰ
کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت منظور تھی۔ آپ نیک اور صالح آدمی تھے
اور بیت المقدس کے امام بھی تھے۔ اور آپ حضرت مریم کے رشتہ دار
بھی تھے یعنی آپ کے خالو لگتے تھے۔ آپ کے گھر میں حنہ کی بہن ایشاع تھی

۱؎ تفسیر [illegible] ص ۳۶ ([illegible])

خاتون کی تھی۔ لہذا انہیں کفالت کا زیادہ حق تھا۔ ایسا ہی واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی پیش آیا۔ جب حضرت حمزہ کی بچی کو مدینہ لایا گیا تو حضرت علی حضرت زید اور حضرت جعفر رضوان اللہ علیہم نے بچی کی پرورش کرنے کی پیش کش کی۔ حضرت جعفرؓ کے گھر میں بچی کی خالہ تھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے اُن کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا الخالۃ بمنزلۃ الام یعنی خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ لہذا کفالت کی وہی زیادہ حقدار ہے۔

الغرض! حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؓ کے کفیل مقرر ہوئے انہوں نے مریم کے لیے بیت المقدس میں الگ کمرہ بنا دیا۔ جہاں وہ دن بھر عبادت میں مصروف رہتی اور رات کو انہیں اپنے گھر لے جاتے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بھی کرتے۔ یہ اللہ کی قدرت تھی۔ کہ حضرت مریم کے بطن سے حضرت مسیح کی ولادت مقصود تھی۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ تھوڑا سا وقت کام کرتے تھے۔ اور زیادہ وقت منصب نبوت کی ادائیگی میں صرف کرتے تھے اس لیے کبھی کھانے کو کچھ مل جاتا اور کسی دن فاقہ بھی برداشت کرنا پڑتا۔ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت مریمؓ کی پرورش بھی جلد از جلد منظور تھی۔ کیونکہ آپ کے بطن سے جلیل القدر پیغمبر تولد ہونے والے تھے۔

حضرت مریم کی کرامت

اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ جب زکریا علیہ السلام حضرت مریمؓ کے کمرے میں داخل ہوتے وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا تو اس کے پاس روزی پاتے۔ حضرت زکریا کے پاس تو اس قدر وسائل نہ تھے مگر وہ دیکھتے کہ حضرت مریمؓ کے پاس بے موسم پھل موجود ہیں۔ سردیوں کے پھل موسم گرما میں اور گرمیوں کے پھل موسم سرما میں حضرت مریم کے پاس مہیا ہوتے۔ یہ حضرت مریمؓ کی کرامت تھی۔

کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت تامہ سے انہیں روزی پہنچاتا تھا۔

جو خرق عادت فعل انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہو، وہ معجزہ ہوتا ہے اور جو اولیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہو، وہ کرامت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے۔ اس سے انکار کی مجال نہیں۔ عقائد کی کتابوں میں نبی کے معجزے اور ولی کی کرامت کو عقیدے میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ کسی ولی اللہ کے ساتھ جھوٹی کرامت منسوب کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر بہت سی کرامات ظاہر فرمائیں۔ ان کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے۔ مگر کشتی کا بارہ سال والا قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے۔ بعض دیگر بزرگان دین کی طرف بھی لوگوں نے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کر دی ہیں جو درست نہیں ہیں۔

بہرحال جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے پاس پھل دیکھے تو فرمایا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا اے مریم یہ کہاں سے آگئے قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ اس کی خاص عنایت تھی تاکہ حضرت مریمؑ جلد از جلد بلوغت کو پہنچیں۔ اور آگے نبوت کا سلسلہ جاری ہو۔

مسند ابی یعلیٰ کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام کئی روز سے فاقے سے تھے۔ آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے اور کھانے کے لیے طلب کیا، جواب ملا ابا جی! آج تو گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اتفاق سے تھوڑی ہی دیر بعد کسی پڑوسن نے دو چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا حضرت فاطمہؓ کو ہدیتہً بھیجا۔ وہ کھانا آپ نے بچوں کو کھلانے کی بجائے حضور علیہ السلام کے لیے رکھ لیا اور آپ کو پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لے آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے کپڑے

کے نیچے رکھا ہوا کھانا نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا
کہ فاطمہؓ تم دیر سے پہلے تو گھر میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اب کہاں سے آگیا۔ تو حضرت
فاطمہؓ نے وہی الفاظ کہے جو حضرت مریمؑ نے کہے تھے۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اس قدر برکت
ڈال دی کہ وہ مختصر سا کھانا حضور علیہ السلام نے خود تناول فرمایا۔ حضرات حسنینؓ اور
اور حضرت علیؓ نے کھایا۔ آپ کی تمام ازواجِ مطہراتؓ نے کھایا۔ پھر بھی بچ گیا تو
پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! تمہیں
اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کا شبیہ بنایا ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ کھانا
اللہ نے بھیجا ہے اور تو نے بھی یہی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا
ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے۔ یہ اس کی خاص مہربانی ہے۔

درس سیزدہم ۱۳ — آیت ۳۸ تا ۴۱

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (۳۸) فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (۳۹) قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (۴۰) قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّي آيَةً ۖ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (۴۱)

ترجمہ: اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دعا کی۔ عرض کیا، اے میرے پروردگار! بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد، بیشک تو دعا کا سننے والا ہے (۳۸) پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے کے اندر، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو یحییٰ بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کے کلمے کی، اور جو سردار ہوگا، اور جو خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والا ہوگا، اور نبی ہوگا۔ نیکوں میں سے (۳۹) حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا، اے پروردگار! کس طرح ہوگا میرے لیے لڑکا اور تحقیق پہنچ چکا ہے

مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ اسی طرح
کرتا ہے جو چاہتا ہے (۴۰) عرض کیا۔ اے پروردگار! بنا دے میرے
لیے نشانی۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن کلام نہیں کر
سکے گا۔ مگر اشارے سے۔ اور یاد کر اپنے پروردگار کو کثرت کے ساتھ۔
اور تسبیح کر پچھلے پہر اور صبح کے وقت (۴۱)

ربط آیات

عمران کی بیوی کا خیال تھا۔ کہ اُس کے ہاں لڑکا ہوگا۔ تو وہ اُسے
دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیگی۔ اور وہ بچہ دنیا کے
اشغال سے بالکل آزاد ہوگا۔ اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہیگا۔ مگر جب
وضع حمل ہوا۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اپنے پروردگار
سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو ہی قبول فرمایا۔ اور اس کی نشو و نما کے لیے
بہتر سامان پیدا کر دیا۔ اس کے لیے غیر معمولی روزی کا بندوبست کیا۔ جب
حضرت زکریا علیہ السلام اُس بچی یعنی حضرت مریمؑ کے کمرے میں داخل ہو گئے۔
تو وہاں انہوں نے بے موسم کے پھل دیکھے عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے مریمؑ
سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی
جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے
یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور حضرت مریم کی کرامت تھی۔

نیک اولاد کیلئے دعا

جب یہ واقعہ پیش آیا اُس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ستر
سال یا بعض روایات کے مطابق سو سال تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی
بھی عمر رسیدہ اور بانجھ تھی۔ مگر حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر
انہیں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ بے موسم پھل عطا کر
سکتا ہے تو موزوں عمر اور بیوی کی صلاحیت کے بغیر بھی اولاد عطا کر سکتا ہے
اس کے لیے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ چنانچہ یہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام
کا اپنے حق میں اولاد کی دعا کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آپ نے دعا کیلئے

ہاتھ اٹھائیے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ اس موقعہ پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً عرض کیا۔ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔

اُن ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے۔ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ بھائی بندوں سے خطرہ تھا۔ خاندان کے لوگ نالائق تھے۔ انہیں اپنے بعد تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ بزرگانِ دین اسی سے یہ چیز اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلہ رشد و ہدایت کو آگے چلانے کے لیے تمنا کرنا انبیاء علیہم السلام کا مشن ہونے کی بنا پر اُن کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مفصل ذکر سورۃ مریم میں آتا ہے۔ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا "جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا۔ اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔ میں تجھ سے دعا کر کے کبھی نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے بعد بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو اپنے فضل سے ایک وارث عطا کر دے۔ جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو اور اُس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اس مقام پر اُن کی دعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ هَبْ یا هبہ سے مراد ہے۔ کسی کو کسی چیز کا بلا قیمت مالک بنا دینا۔ اس کا عام فہم معنیٰ بخشنا یا عطا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح عرض کیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ بیشک تو دعا کو سننے والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی۔ کہ تو ہر چھوٹے بڑے کی دعا کو سنتا ہے لہٰذا میری دعا کو بھی شرفِ قبولیت بخش اور اولاد عطا کر جو پاکیزہ ہو

جس سے اخلاق، اعمال، عادات اور خصائل پاکیزہ ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی نیکوں میں سے عطا فرما۔ کیونکہ رشد و ہدایت کے مشن کو نیک اور پاکیزہ اولاد ہی آگے چلا سکتی ہے۔ بری اولاد تو اکثر وبالِ جان بن جاتی ہے اسی لیے تو شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ بری اور ناہموار اولاد جننے سے یہ بہتر ہے کہ عورتیں سانپ کے بچے جنتی رہیں۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی دعا کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ یوں دعا مانگتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا "اے ہمارے پروردگار! ہم کو ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا کر جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اور ہمیں متقین کا امام اور پیشوا بنا دے۔ جو نیک اولاد اچھے اخلاق کی حامل ہو۔ نیک کام کرتی ہو۔ وہ بلاشبہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جو اولاد ناہنجار ہو، کھیل تماشے میں مشغول رہے اور بری عادات کا شکار ہو۔ وہ والدین کے لیے ذہنی کوفت کا سبب بنے گی۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے پاکیزہ فرزند کی دعا کی۔

دعا کی قبولیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا جس کا تذکرہ اس طرح بیان ہوا۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ کس وقت؟ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ جب کہ وہ کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں بلکہ کمرہ مراد ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ تک بھی مساجد میں موجودہ محراب نہیں ہوا کرتے تھے، جہاں امام کھڑا ہوتا بلکہ یہ طریقہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں رائج ہوا۔ بہرحال فرشتوں نے آپ کو آواز دے کر کہا کہ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ بیٹے کی بشارت دیتا ہے۔ سورۃ مریم میں یہ بیان اس طرح ہے يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ہم تمہیں یحییٰ بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہم نے خود یحییٰ تجویز کیا ہے۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا اور یہ ایسا نام ہے، جو

سے پہلے کسی اور کا نام نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ کے مناقب

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں مُصَدِّقًا بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کلمۃ اللہ ان کا لقب ہے کیونکہ ان کی ولادت براہ راست اللہ کے کلمے کی تاثیر سے ہوئی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری تو اس کلمہ کی تاثیر سے اللہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ کی پیدائش میں باپ کا توسط نہیں ہے۔ عام مخلوق کی پیدائش میں ماں اور باپ دونوں کا توسط ضروری ہے مگر یہاں پر صرف ماں کا توسط ہے، باپ کا نہیں۔ لہٰذا آپ کلمۃ اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی تصدیق سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی۔ اسی لیے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام جیسے بیٹے کی بشارت ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

فرمایا اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام وَسَيِّدًا سید یعنی سردار ہوگا۔ سید اس شخصیت کو کہا جاتا ہے۔ جس کے حکم کی تعمیل ضروری ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ بیماری کی حالت میں یہودیوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی مجلس میں آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بیمار ہیں زخمی ہیں اور معذور ہیں۔ اٹھ کر انہیں گدھے سے اتارو۔ گویا آپ نے حضرت سعد کو سید کے لفظ سے پکارا۔ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ میرا یہ بیٹا سردار ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ اسی طرح بنی عامر کا ایک وفد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ان لوگوں نے کہا اَنْتَ سَيِّدُنَا وَذُوْ طَوْلٍ عَلَيْنَا

آپ ہمارے سردار ہیں اور آپ ہم پر طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات تکلفاً کہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حقیقت میں سید تو اللہ ہے۔ دیکھو! شیطان تمہیں اپنی خواہشات میں نہ ڈال دے۔ تکلف سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔ حضور علیہ السلام تو تمام نسل انسانی کے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں نسل انسانی کا سردار ہوں، مگر اس پر فخر نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا بنی عامر کے لوگوں کو یہ فرمانا کہ حقیقت میں سید اللہ ہے۔ اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ لوگ تکلفاً سید کہہ رہے تھے۔ اور ڈر تھا کہ سید سید کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس طرح شیطان ان کو اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلا لے۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں فرمایا لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ یعنی منافق کو سید کا لقب نہ دو۔ اگر منافق تمہارا سردار ہو گا۔ تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کوئی منافق، فاسق، فاجر مسلمانوں کا سردار نہیں ہو سکتا۔ سید وہ ہونا چاہیئے جو نیک سیرت اور پاکیزہ اخلاق کا حامل ہو تاکہ اس کی اطاعت کی جا سکے۔

پھر فرمایا وَحَصُوْرًا یحییٰ بن حصور یعنی خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والا ہو گا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ جس بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ عورت کے بالکل قریب نہیں جائیگا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حصور کا معنی یہ نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قویٰ کی موجودگی میں عبادت و ریاضت میں اس قدر منہمک رہتے تھے۔ کہ دنیوی خواہشات خاص طور پر عورت کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی یہ شان ہے کہ ہر قسم کی خواہشات پر آپکو مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ لہٰذا آپ کا لقب حصور تھا۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام کی ایک صفت یہ بھی تھی۔ وَنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ آپ نیکو کاروں

ہیں سے اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیا تھا۔ الغرض فرشتوں نے بشارت دیتے وقت بتایا کہ اے زکریا علیہ السلام آپ کا بیٹا ان چار صفات کا حامل ہوگا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا استعجاب

حضرت زکریا علیہ السلام نے خود ہی بیٹے کے لیے دعا کی۔ دعا کی قبولیت پر جب فرشتوں نے خوشخبری دی تو آپ استعجاب میں مبتلا ہو گئے کہ بظاہر اسباب ایسے نہیں ہیں۔ کہ اولاد ہو سکے۔ کیونکہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور بیوی بھی بانجھ تھی۔ تاہم وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ جس میں ان کے ہاں اولاد ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ اے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے تولد ہو گا۔ کیونکہ ظاہر صورت حال یہ ہے وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ مجھ پر بڑھاپا وارد ہو چکا ہے۔ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ اور بیوی بانجھ ہے۔ اولاد جننے کے قابل نہیں مگر تو قادر مطلق ہے۔ جو بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے۔ وہ ہماری میاں بیوی کی جسمانی طاقت بھی تبدیل کر کے اولاد کے قابل بنا سکتا ہے۔ تو بدیع اور موجد ہے۔ تیری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو اسباب کی ضرورت بھی نہیں ہے تاہم میں جاننا چاہتا ہوں۔ کہ مجھ پر یہ عنایت کیسے ہوگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اللہ اسی طرح کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یعنی اسباب کی ضرورت تو مخلوق کو ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات تو اسباب و علل کی پابند نہیں۔ اس نے بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تو جس طریقے سے چاہے گا عطا کر دیگا۔

استقرار حمل کی نشانی

حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر عرض کیا۔ کہ مولا کریم! یہ تو مجھے علم ہے۔ کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ مجھے بیٹا بھی عطا کر دیگا۔ مجھے میرے اطمینان قلب کے لیے یہ تو بتا دے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً میرے لیے کوئی نشانی بنا دے جس سے پتہ چل جائے کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

تاکہ اس میں تمہارا شریک ٹھہرا کر دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موت و حیات کو مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ تو عرض کیا تھا مولا کریم مجھے مشاہدہ کرنا ہے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تجھے اس بات کا یقین نہیں ہے۔ عرض کیا۔ یقین تو بیشک ہے وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ مگر میں اطمینان قلب کے لیے نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔ کم و بیش یہی کیفیت حضرت زکریا علیہ السلام کی بھی تھی۔ انہیں بیٹا ہونے کی بشارت تو مل گئی تھی مگر روحانی معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ان کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تین دن اور تین رات تم کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔ میں تمہاری زبان روک دوں گا۔ البتہ اللہ کا ذکر کرنے اور عبادت کرنے کے لیے زبان جاری رہے گی۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ تم خود روزہ رکھ لینا اور چپ کر جانا۔ یعنی چپ کا روزہ رکھ لینا۔ یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری زبان کو کلام کرنے سے روک دے گا۔ انجیل میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ کہ تم تین دن تک کلام نہیں کر سکو گے فرمایا ان تین ایام کے دوران وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرو۔ وَسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کرو۔ یہ اس بات کی نشانی ہوگی تمہاری بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے۔ اور پھر قریبی زمانہ میں اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔

درس چہاردہم ۱۴ — آیت ۴۲ تا ۴۴

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور جب فرشتوں نے مریمؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مریمؑ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے۔ اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے۔ اور تجھ کو برتری عطا فرمائی ہے۔ سب جہان والی عورتوں پر ﴿۴۲﴾ اے مریمؑ اپنے پروردگار کی اطاعت کرو۔ اور سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿۴۳﴾ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو ڈالتے تھے۔ کہ ان میں سے کون مریمؑ کی کفالت کرے۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے۔ جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے ﴿۴۴﴾

ربطِ آیات — گزشتہ سے پیوستہ درس میں حضرت مریمؑ کی ولادت کے متعلق ذکر تھا کہ کس طرح اُن کی والدہ نے منت مانی۔ کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ اُسے خدمتِ دین کے لیے وقف کر دیں گی مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ کہ لڑکے کی بجائے انہوں نے حضرت مریمؑ کو جنا۔ پھر اُن کی کفالت کا ذکر ہوا۔

کہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے اچھی طرح پرورش شروع کی۔ مگر حضرت مریمؑ کے کمرے میں بے موسم کے پھل دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ اللہ کے ہاں سے آتے ہیں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا۔ کہ جو مالک الملک بے موسم پھل حضرت مریم کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد بھی عطا کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دُعا کی۔ تو اللہ نے انہیں یحییٰ بیٹے کی بشارت دی۔ اور فرشتوں نے ان کے پاکیزہ اوصاف بھی بیان کیے۔ آج کے درس میں روئے سخن پھر حضرت مریمؑ کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے انتخاب اور ان کے مناقب کا بیان ہے۔ اور پھر آئندہ درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت۔ ان کے اوصاف اخلاق حمیدہ اور معجزات کا تذکرہ ہو گا۔

فرشتوں کا غیر نبی سے کلام

ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اور جب فرشتوں نے کہا اے مریمؑ! یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت مریمؑ نبی نہیں ہیں۔ بلکہ غیر نبی ہیں۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا فرشتوں کا غیر انبیاء سے کلام جائز ہے۔ انبیاء کے پاس تو فرشتے ہمیشہ وحی لاتے رہے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں مگر غیر نبی سے فرشتوں کے کلام کی کیا حیثیت ہے اس سلسلے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غیر نبی سے کلام ممنوع نہیں ہے۔ البتہ وحی صرف نبیوں پر ہی نازل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے احکام اور شریعت ہوتی ہے۔ جسے آگے لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے وحی صرف انبیاء تک محدود ہوتی ہے۔ البتہ فرشتوں کا عام لوگوں کے ساتھ کلام روا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ مگر قرآن پاک میں ان

کے ساتھ فرشتوں کا کلام مذکور ہے۔ حضرت مریمؓ بھی بالاتفاق نبی نہیں ہیں۔
کیونکہ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا
رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ آج تک جتنے بھی نبی ہوئے ہیں۔ سب مرد تھے
اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ نبی کے بعد
صدیقیت کا درجہ بعض عورتوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت
مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے متعلق صراحتاً موجود ہے اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ
ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔
سب سے پہلے نبی، پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صالحین نبی کے بعد صدیق کا درجہ
ہے۔ اور حضرت مریمؓ کے لیے یہ اعزاز قرآن پاک سے ثابت ہے اسی
طرح جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے
تو حضرت سارہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ مریمؑ کو بھی فرشتوں نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت عمران ابن حصینؓ حضور
کے اونچے درجے کے صحابی ہیں۔ جن کا ذکر مسلم شریف میں موجود ہے۔ (اور
قرۃ القلوب والے نے لکھا ہے کہ حضرت عمرانؓ تیس ۳۰ سال تک صاحب
فراش رہے۔ آپ کو ناسور اور شدید قسم کا بواسیر لاحق ہو گیا تھا) بیماری کی حالت
میں فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے۔ انہوں نے علاج کے طور پہ زخم پہ
آگ سے داغ لگوایا۔ تو فرشتوں کا سلام موقوف ہو گیا۔ جب انہوں نے یہ
طریقہ علاج ترک کر دیا۔ تو سلام پھر ہونے لگا۔ فرشتوں کا سلام کرنا بھی ان کا
کلام کرنا ہی ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ الغرض! فرشتوں کا
غیر نبی سے کلام کرنا ثابت ہے جو کہ اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

حضرت مریمؑ کے مناقب

یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے ان مناقب کا تذکرہ فرمایا۔ جو فرشتوں نے حضرت
مریمؓ سے بیان کیے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ
کو پسند فرمایا ہے یا منتخب فرمایا ہے یا برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ کی پہلی

برگزیدگی تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ کی دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ آپ کو خدمتِ الٰہی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کیا گیا۔ چنانچہ بیت المقدس میں ہی آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا۔ اور وہیں آپ بچپن میں مصروفِ عبادت رہیں۔ پھر فرمایا وَطَهَّرَكِ اور آپ کو پاکیزہ بنایا، پاک اور صاف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت عطا فرمائی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے دن سے ہی منتخب کر لیا تھا۔ آپ کو نیکی اور ایمان کے ساتھ پاک بنایا۔ کیونکہ انسان کو ایمان اور نیکی کے ساتھ طہارت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اچھے اخلاق و عادات اور اچھے اعمال طہارت کا ذریعہ ہیں۔ بر خلاف اس کے بُرے اعمال، بُرے اخلاق، کفر اور شرک نجاست اور گندگی کا سبب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو ان تمام بُری خصلتوں سے پاک فرمایا۔ اس پر مستزاد عبادت میں مصروفیت مزید باطنی طہارت کی دلیل ہے۔ ہماری شریعت میں بھی ہر مومن مسلمان مرد اور عورت کے لیے طہارت ضروری ہے۔ یہ طہارت عقیدے اور اعمال یعنی ظاہر و باطن ہر طرح سے ہونی چاہیئے۔

فرمایا وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ بھی خوشخبری سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہان بھر کی عورتوں پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔ پہلے اصطفیٰ سے مراد بچپن کی فضیلت تھی۔ اب اس دوسرے اصطفیٰ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلا واسطہ باپ، والدہ بننے کا شرف ہے۔ دوسری عورتوں پر کہ بغیر لمسِ بشر کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور صاحبِ کتاب پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ مردوں میں تو بہت سے کاملین گزرے ہیں۔ ملتے ہیں کہ سارے انبیاء، اس کے بعد صدیق اور دوسرے لوگ۔ مگر عورتوں میں صرف چند عورتیں کاملین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں مریم بنت عمران ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی رو سے خیر النساء حضرت خدیجہؓ بنت خویلد، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحمؓ، بی بی مریم اور کم علیہا السلام ہیں۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ سیدۃ النساء اہل الجنۃ ہیں۔ اور پھر حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے ثرید کھانے کی دوسرے تمام کھانوں پر۔ بعض روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ یہ سب عورتیں کاملین میں شامل ہیں۔

حضرت مریمؑ کو نصیحت

بشارت سنانے کے بعد فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بعض نصیحتیں بھی کیں جس سے مراد اس رب العلمین کا شکر ادا کرنا ہے جس نے انہیں اس قدر بڑی عطا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ اے مریم! اپنے رب کی عبادت کرو۔ قرآن پاک میں قنوت کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے، اس سے مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ دوسری جگہ فرمایا وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ اللہ کے سامنے اطاعت کے جذبے کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اسی سورۃ میں پیچھے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی فہرست میں جن لوگوں کو شامل کیا ہے، ان میں صابرین، صادقین کے بعد قٰنِتِیْنَ یعنی اطاعت گزار بھی شامل ہیں۔ الغرض! فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کی۔

اس کے بعد فرمایا وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ اور سجدہ کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہاں پر سجدہ کا ذکر پہلے ہے اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اس کی توجیہ مفسرین کرام خصوصاً امام بیضاوی یوں فرماتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو حرف واو کے ساتھ اکٹھا بیان کر دیا جاتا ہے، ان میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ اس لیے پہلے اور بعد کے آگے پیچھے آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم نماز پڑھتے وقت پہلے رکوع

ہی کیا جائے گا اور اسی طریقہ پر عمل کیا جاتا تھا جو حضور علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ امام بیضاوی بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ واسجدی سے مراد مکمل نماز پڑھنا ہے۔ چونکہ سجدہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ اس لیے صرف اس کا ذکر کر کے مراد نماز لیا گیا ہے۔ بعض اوقات صرف تسبیح کہہ کر مراد پوری نماز لی جاتی ہے۔ بہرحال صاحب تفاسیر فرماتے ہیں۔ کہ سجدہ سے مراد یہاں پر نماز ہے۔ اور رکوع سے مراد خشوع و خضوع ہے۔ گویا عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ آپ کے مطابق پورے جملے کا مفہوم یہ ہوگا۔ کہ نماز نہایت خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ سجدہ پہلے کرتے تھے اور رکوع بعد میں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بھی ترتیب ملحوظ رکھی بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہودی سجدہ تو اہتمام کے ساتھ کرتے تھے۔ مگر رکوع کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ہدایت کی کہ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس میں کوتاہی نہ کرو۔ آج کے دور میں بعض لوگ رکوع کا خیال نہیں کرتے۔ سجدہ کے لیے پیشانی تو زمین پر رکھ دیتے ہیں مگر رکوع پوری طرح ادا نہیں کرتے، نہ قومہ کو پوری طرح پورا کرتے ہیں۔ اور نہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہوتے ہیں۔ بلکہ جلدی ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے رکوع کی خاص طور پر تلقین کی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز با جماعت ادا کرو۔ نماز میں سجدہ اعلیٰ درجے کی تعظیم ہے اور رکوع ادنیٰ درجے کی ہے۔ سجدہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے[1]۔

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد

بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس لیے سجدہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۱، ابو داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۸، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ (فیاض)

حضرت مریمؑ کے تذکرہ کے بعد اب حضور خاتم المرسلین کی نبوت کی صداقت کا بیان ہے۔ اس کے بعد اگلے درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کا بیان ہوگا۔ تاہم درمیان میں حضور علیہ السلام کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی نبوت سے متعلق بعض شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ یعنی آپ کو اس واقعہ کا نہ علم تھا۔ اور نہ آپ جانتے تھے۔ اور آپ غیب دان بھی نہیں تھا۔ کیونکہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور جب حضرت مریمؑ کا یہ واقعہ پیش آیا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ آپ اُن کے پاس بھی نہیں تھے۔ جو اس واقعہ کو ذاتی طور پر جانتے ہوں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے۔ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ جب کہ وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے۔ یعنی اس بات میں قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے۔ یہ اس وقت ہوا جب اُن کی والدہ نے بتایا کہ انہوں نے نذر مانی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت اور اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ چونکہ عمران فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے بیت المقدس کے سارے زعماء نے حضرت مریمؑ کی کفالت اپنے ذمے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ بڑی بابرکت بچی ہے۔ جسے اس کی ماں نے خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ جب اُن لوگوں کے درمیان کفالت کے مسئلہ پہ جھگڑا پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اس کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کرنے پہ اتفاق کر لیا۔ قرعہ اندازی کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ ہر خواہش مند نے اپنی اپنی وہ قلمیں نہر میں ڈال دیں جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی قرعہ ڈالنے

والوں میں شامل تھے۔ چنانچہ جب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں تو سب کے قلم بہاؤ کی طرف بہ نکلے سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلم کے، جو بہاؤ کی الٹی طرف چل پڑا۔ چنانچہ قرعہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔ اور اس طرح حضرت مریمؑ ان کی کفالت میں چلی گئیں۔

قرعہ کی شرعی حیثیت۔

ہماری شریعت میں بھی قرعہ اندازی ایسے حقوق کے سلسلے میں جائز ہے جو دو فریقوں کی اپنی رائے کے سپرد ہوں۔ اگر شریعت نے خود حقوق متعین کر دیئے ہیں۔ تو پھر قرعہ اندازی درست نہ ہو گی۔ مثلاً کوئی جائداد بعض آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ وہ اس بات پر قرعہ اندازی نہیں کر سکتے۔ کہ جس کے نام کا قرعہ ہو گا۔ وہ ساری جائداد لے لیگا۔ یہ تو قمار یا سٹہ کی قسم ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ہاں ایسے معاملات میں قرعہ اندازی اس طور پر جائز ہے کہ کوئی جائداد برابر برابر تقسیم کے بعد شمالی جنوبی یا شرقی غربی حصے کا معاملہ ہو۔ کہ دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ ایک حصہ دار لیگا۔ اور کونسا دوسرا حصہ دار وصول کریگا۔ اسمیں راہنما اصول یہ ہے کہ قرعہ اندازی ان امور میں جائز ہے جن میں بغیر قرعہ اندازی کے بھی معاملہ کا فیصلہ ہو سکے۔ جیسے کوئی معتبر آدمی یا حاکم وقت متنازعہ حصص کو تقسیم کر دے۔

قرعہ اندازی کی بعض مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی ملتی ہیں۔ فتح خیبر کے بعد یہودی اناج جمع کرتے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس کو دو برابر ڈھیروں میں تقسیم کر کے ان کو اختیار دیتے تھے۔ کہ جونسا چاہو اٹھا لو۔ خود حضور علیہ السلام سفر پر جاتے وقت اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈال لیتے تھے۔ کہ کسے ساتھ لے جائیں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کو عام اجازت تھی کہ جس زوجہ مطہرہ کو چاہیں اپنی رفاقت میں ساتھ لے جائیں۔ مگر آپ انکی تالیف قلوب کے لیے قرعہ ڈال لیتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ حفصہؓ رفیقہ سفر ہوتیں اور بعض اوقات

کوئی دوسری بیوی۔ تو بہر حال ایسے جائز امور میں قرعہ اندازی روا ہے جن میں اس کے بغیر بھی فیصلہ ہو سکے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر نسب میں کوئی تنازعہ پیش آجائے تو قرعہ اندازی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً نومولود کے متعلق فیصلہ مطلوب ہو کہ یہ کس کا بچہ ہے تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے نہیں ہو سکتا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی جب کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ تو وہاں بھی قرعہ ڈالا گیا۔ اگرچہ انہوں نے خود ہی اقرار کیا۔ کہ غلطی واقعی مجھ ہی سے ہوئی ہے۔ اس کے باوجود قرعہ ڈالا گیا۔ تو چلنے والوں میں وہی ثابت ہوئے۔

پیغمبر اور علم غیب

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اور آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ إِذْ يَخْتَصِمُونَ جب وہ جھگڑا کر رہے تھے۔ ہر ایک شخص مریمؑ کی کفالت اپنے ذمے لینا چاہتا تھا۔ جب جھگڑا اٹھنے لگا تو فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے ہوا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آپ کو یہ باتیں وحی کے ذریعے بتائی جا رہی ہیں۔ آپ بنفسہٖ وہاں موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ عالم الغیب ہیں علم غیب تو خاصۂ خداوندی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ اے نبی کریم! آپ اس وقت کوہ طور کے کنارے پر نہیں کھڑے تھے۔ جب وہ واقعہ پیش آیا۔ بلکہ یہ باتیں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائی ہیں۔ آپ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ نہ آپ نے کتابیں پڑھیں، نہ آپ خود وہاں موجود تھے، نہ عالم الغیب ہیں۔ اس کے باوجود بے شمار جزئیات کا علم آپ کو وحی کے ذریعے دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے علم عطا کرتا ہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو زیادہ علم عطا کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے امت تک پہنچانا ہوتا ہے۔ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے زیادہ علم عطا کیا۔ مگر یہ علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی معلوم ہوئیں۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اُس واقعہ کو سامنے لاؤ، جب فرشتوں نے مریم سے کہا، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمے کی اس کی طرف سے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وہ وجاہت والا ہوگا دنیا میں اور آخرت میں اور مقربین میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ کلام کریگا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور نیکوکاروں میں سے ہوگا ﴿۴۶﴾ مریم نے عرض کیا، اے پروردگار کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے اُس نے فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر وہ اُسے کہتا ہے ہو جا، پس وہ بات ہو جاتی ہے ﴿۴۷﴾ اور سکھائے گا اُس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل ﴿۴۸﴾

ربطِ آیات: گذشتہ درس میں حضرت مریمؑ کے کچھ مناقب بیان ہوئے تھے۔ کہ

اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم پیغمبر کی پیدائش کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس ضمن میں انہیں تمام جہان والی عورتوں پہ فضیلت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ بنایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کی نصیحت کی گئی۔ اور پھر یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ جو واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔ وہ غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ حضرت مریمؑ کی کفالت کے متعلق جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو نبی پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ نہ آپ غیب دان ہیں۔ بلکہ آپ تک یہ خبریں پہنچانے کا ہمارا اپنا انتظام ہے۔ اب آج کے درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق خوشخبری اور آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ مریمؑ کے اس استعجاب کا بیان ہے۔ جو انہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری پہ ہوا۔

حضرت مریمؑ کو بشارت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت مریمؑ کی پرورش اللہ تعالیٰ نے خاص طریقے سے فرمائی اور وہ جلدی جلدی بڑی ہونے لگیں۔ پھر جب وہ سن بلوغت کو پہنچ گئیں تو فرشتوں نے آکر آپ کو بشارت دی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ۔ جب فرشتوں نے آکر مریمؑ سے کہا یٰمَرْيَمُ اے مریمؑ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے۔ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اپنی طرف سے ایک کلمہ کی۔ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ خبر سن کر سرور حاصل ہو۔ جیسے سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے ان کو جنت کی بشارت دے دیجئے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ نہایت ہی خوشی کی بات ہے کہ کسی کے لیے جنت مقدر کر

دی جائے تاہم بعض اوقات بشارت سے مراد محض خبر بھی ہوتا ہے۔ جیسے
کفار کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ انہیں دردناک
عذاب کی خبر دے دو۔ تاہم یہاں پہ بشارت سے مراد اچھی اور خوشی کن خبر ہے
کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے
اس مقام پہ کلمہ کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پہ بولا گیا ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ
اس خصوصیت کی بنا پہ کہا گیا ہے۔ جو آپ کی ذات میں بن باپ کے پیدائش
کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں بعض دوسری چیزوں کی نسبت بھی خصوصی طور پہ
اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ شمس میں نَاقَةَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی
اونٹنی کا ذکر آیا ہے۔ اونٹنیاں اور تمام چیزیں تو سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔
مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خاص طور پہ اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش خاص طریقہ سے کی تھی۔ یہ اونٹنی کسی ماں
کے پیٹ کی بجائے چٹان سے نکالی گئی تھی۔ اس لیے اس کو اللہ کی اونٹنی کہا گیا
اسی طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ شریف یعنی اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔ حالانکہ
تمام مساجد اللہ ہی کے گھر ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اسی کی پیدا کردہ
ہے لہذا اسی کی ہے۔ مگر بیت اللہ کو بیت اللہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ
وہاں پہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ عام مساجد میں
بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔
تو بہر حال فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو اللہ کے کلمے کی بشارت یعنی خوشخبری دی۔

کلمۃ اللہ کی توضیح

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے
کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے توسط کے
پیدا کیا۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اس
لقب کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی کتابوں میں مسیح علیہ السلام کے متعلق

پیشن گوئی موجود تھی۔ کہ آپ اپنے مقررہ دور میں آکر ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ تو یہ وہی کلمۃ اللہ

ہیں۔ جن کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ کلمۃ اللہ کی تیسری توضیح یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کلمات ربّک یعنی اللہ کے کلمے کہا ہے۔ اور یہ لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا، لہذا ان کا نام بھی کلمۃ اللہ رکھ دیا۔

مسیح ابن مریمؑ

فرمایا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اِسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ مسیح عبرانی اور سریانی زبان کے اشتقاق سے آیا ہے اور اس کا معنی مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے بعد پہلے ہی دن آپکی زبان سے کہلوا دیا تھا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (سورۃ مریم) میں جہاں کہیں ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے۔ لہذا آپ کا لقب مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا لقب یسوع بھی ہے جو یشوع سے آیا ہے اور اس کا معنی سردار یا سید ہے۔

عربی زبان میں مسیح کا معنی سیاح ہے۔ دجال کے ساتھ مسیح کا لفظ بھی انہی معانی میں آیا ہے۔ مسیح دجال یعنی سیاحت کرنے والا دجال۔ کہتے ہیں کہ دجال چالیس دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اس لیے کہتے ہیں۔ کہ آپ بھی سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر رہنے کے لیے اپنا گھر نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مسیح کا اطلاق مسح پر بھی ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہاتھ پھیرنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں

کو ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دیتا۔ یہ ذکر آگے معجزات میں آئے گا۔

دجال کے ساتھ لفظ مسیح، ممسوح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جو کہ مفعول کا صیغہ ہے۔ مَمْسُوْحُ الْعَیْنِ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک ہی آنکھ ہو یعنی مٹائی ہوئی آنکھ والا۔ دجال کی دائیں آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی اور انگور کے پھٹے ہوئے دانے کی مانند ہوگی۔ اس کی بائیں آنکھ میں بھی عیب ہوگا۔ اس لیے اس کو ممسوح کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ممسوح بگڑی ہوئی فطرت والے کو بھی کہتے ہیں۔ دجال ممسوح الفطرت یعنی بگڑی ہوئی فطرت والا ہوگا۔

عیسائیوں کا باطل عقیدہ

عیسیٰ ابن مریمؑ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔ جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ واضح کر دیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریم ہے جس کو اللہ نے ایک عورت کے بطن سے پیدا فرمایا۔ جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہو۔ وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے نبی اور برگزیدہ انسان ہیں۔ "لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ" تو شانِ خداوندی ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق میں کیسے ثابت کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا کلمہ ہے کہ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس بات پر کہ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وہ خدا تعالیٰ کے لیے بیٹے کو پکار رہے ہیں۔ یہ اس قدر باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ثابت کرنا۔ یہ تو اس کی تنزیہہ کے ہی خلاف ہے۔

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب عیسیٰ ابن مریم کئی مقامات پہ آیا ہے۔ آخرت میں بھی آپ کو اسی لقب سے پکارا جائے گا۔ جب

محاسبے کی منزل آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نام سے مخاطب کریں گے۔
سورۃ مائدہ میں آتا ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاُمِّىَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کیا تم نے
لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ تفسیر
روح المعانی میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عیسٰی علیہ السلام کو اس طرح خطاب
فرمائیں گے، تو آپ پر دہشت طاری ہو جائیگی اور آپ پانچ سو سال تک
کپکپاتے رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کو حوصلہ دیگا۔ تو عرض کرینگے
"قَالَ سُبْحٰنَكَ" اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں ایسی بات
کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کا مجھے حق ہی نہیں پہنچتا۔ تُو تو دلوں کی باتوں کو بھی
جانتا ہے، مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کی
ہے تو تجھ سے تو پوشیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ ایسا دن
ہوگا، کہ اُس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ سب سورۃ مائدہ میں
آرہا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن ہر شخص کو باپ کی
نسبت سے پکارا جائیگا مگر عیسٰی علیہ السلام کو ماں کے نام سے پکارا
جائے گا۔ یعنی عیسٰی ابن مریم۔ کیونکہ آپ کے لیے باپ کا توسط نہیں ہے
اسی طرح سورۃ مریم میں جہاں یحیٰی علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں "وَبَرًّا
بِوَالِدَيْهِ" کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے والدین یعنی
ماں اور باپ دونوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا۔ مگر جہاں
عیسٰی علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ وہاں فرمایا "وَبَرًّا بِوَالِدَتِىْ" اللہ نے
مجھ کو میری ماں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح
گویا اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس عقیدے کا رد فرمایا ہے جس کے
مطابق وہ عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداوں میں سے تیسرا خدا مانتے ہیں

یہودیوں کی مسیح دشمنی

یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی حد درجہ تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے

آپ کی والدہ پر حرام کاری کا الزام لگا کر اُن کو بدکار عورت تک کہا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو حرامی بچہ کہہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو سزائے موت دلانے کے لیے عدالت تک لے گئے اور راستے میں جاتے ہوئے العیاذ باللہ آپ کے چہرے پر تھوکا۔ یہ بدبخت لوگ بگڑی ہوئی ذہنیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے مسیح علیہ السلام کی بڑی توہین کی۔ حتیٰ کہ انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے تو ایسا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آپ کو اپنی طرف اٹھا کر یہودیوں کے مذموم ارادے سے آپ کو بچا لیا۔ انجیل میں موجود ہے کہ یہودیوں کے عالم بڑے بدبخت تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سانپ کے بچوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا تم کیسے بدبخت لوگ ہو۔ جو لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہو۔ اور ہدایت کی بات کو سنتے ہی نہیں۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو دجال بھی کہتے تھے۔ کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اُن کے عقیدے بگاڑتا ہے۔ مروجہ رسموں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ کے دشمن بن گئے۔ اور پھر آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے قریب جب دجال ظاہر ہو گا۔ تو اُس کو مسیح سمجھتے ہوئے اُس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) چغے پہنے ہوئے یہودی دجال کے پیچھے پیچھے جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ کے منصب

آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس دشمنی کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جس مسیح عیسیٰ ابن مریم کی بشارت حضرت مریم کو دی وہ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دنیا اور آخرت میں وجاہت والا ہو گا۔ یعنی عزت اور مرتبے والا ہو گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تمام تر دشمنی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا۔ اور ان ناپاک لوگوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اُسے کون ذلیل کر سکتا ہے۔ آپ تو دونوں جہانوں میں صاحبِ عزت ہیں۔ ان کی عزت کرنے والے کروڑوں اربوں لوگ موجود ہیں۔ عیسائیوں کا اگرچہ عقیدہ مشرکانہ ہے مگر وہ آپ کی عزت تو کرتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کو سچا نبی تسلیم کرتے ہیں جس کی دس آدمی عزت کرنے والے ہوں اس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے مگر یہاں تو اربوں کی تعداد میں مسیح علیہ السلام کو سچا رسول ماننے والے موجود ہیں۔ لہٰذا آپ عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط الزامات سے بری قرار دیا فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا نیز یہ بھی فرمایا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی وَجِيهًا کا لفظ استعمال کیا کہ آپ بڑے عزت والے اور بڑے وقار والے تھے۔ یہودیوں کی الزام تراشیاں کچھ نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور آخرت میں آپ اپنے صحیح ماننے والوں کی شفاعت کریں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت اور وجاہت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں وجاہت والے ہوں گے۔

مقرب نبی

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ جو بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہر صاحبِ ایمان اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے عبادت ریاضت، قربانی، صدقہ خیرات سب اسی واسطے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

راضی ہو کہ اپنا تقرب عطا کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عیسٰے علیہ السلام کو مقربین میں سے بنایا۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ مقرب وہ ہے جو نہایت اونچے درجے کے کام کرتا ہو، اور اس میں غایت درجے کا خلوص پایا جائے۔ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا میں یہی بات ہے۔ دو بھائیوں نے قربانی کی۔ جس قربانی میں زیادہ خلوص اور صلاحیت تھی۔ اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ اور جو بڑا تھا، اس کی قربانی قبول نہ کی۔ شیخ ابو طالب مکیؒ اپنی تصوف کی مشہور و معروف کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں۔ کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہوگا۔ بزرگانِ دین کی نگاہ ازل کے اس فیصلے پر ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو دو مٹھیوں میں بند کر کے فرمایا تھا ھٰؤلاء للجنۃ ولا ابالی وھٰؤلاء للنار ولا ابالی یعنی اس مٹھی والے لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخی ہیں، مجھے کچھ پروا نہیں۔ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے جب کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے موت کا فرشتہ اس کے قریب آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے۔ کہ اے مولا کریم! یہ شخص اہل ایمان میں سے ہے یا اہل نار میں سے مجھے حکم دے کہ میں اس کی روح کو ایمان کے ساتھ قبض کروں یا کفر کے ساتھ، تو اللہ کے بندے اپنے آخری وقت کو یاد کر کے فکرمند رہتے ہیں کہ الٰہ العالمین ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ کیسے ہوگا۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی موت عطا کرنا۔ غرضیکہ مقربین الٰہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا۔ کہ آپ مقربین میں سے ہوں گے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ

نے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا آپ لوگوں سے کلام کریں گے گہوارے میں (یا گود میں) اور ادھیڑ عمر میں۔ یہ بشارت تھی جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو دی۔ اور پھر جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تو یہ بشارت حرف بحرف پوری ہوئی۔ سورۃ مریمؑ میں موجود ہے۔ کہ پیدائش کے پہلے ہی دن حضرت عیسٰی علیہ السلام نے باتیں کیں۔ جب حضرت مریمؑ نومولود بچے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اٹھا کر قوم کے پاس آئیں تو قوم نے سخت غصے کا اظہار کیا۔ اور کہا اے ہارون کی بہن! تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے، تو یہ بچہ کہاں سے لے آئی۔ تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا گہوارے یا گود میں پڑا بچہ ہمارے ساتھ کیسے بات کرے گا۔ اس وقت عیسٰی علیہ السلام نے بول کر کہا اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی بنایا گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے علاوہ بعض دیگر بچوں نے بھی کم سنی میں کلام کیا ہے۔ حضرت جریجؒ ایک نیک آدمی تھے ان پہ تہمت لگائی گئی۔ کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک فاحشہ عورت نے اپنے نومولود بچے کی نسبت ان کی طرف کی۔ لوگ آپ کو گھسیٹ کر عبادت خانے سے باہر لے آئے۔ آپ کو مارا پیٹا اور عبادت خانہ تباہ کر دیا ——————— اس اللہ کے بندے نے زندگی کی آخری نماز پڑھی۔ اور پھر اس بچے کے پیٹ پہ انگلی رکھ کر کہا کہ خدا کے حکم سے بتاؤ، تمہارا باپ کون ہے۔ اللہ نے اس بچے کو قوت گویائی دی اور اس نے بول کر کہا۔ کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت پشیمان ہوئے کہ انہوں نے ایک نیک آدمی کو ناحق تکلیف دی ہے۔ کہنے لگے اگر چاہو تو تمہارا عبادت خانہ سونے اور چاندی سے تعمیر کر دیں۔ حضرت جریجؒ نے

فرمایا۔ مجھے سونے چاندی کے محل کی ضرورت نہیں۔ میرا جھونپڑا ویسا ہی مٹی سے بنادو جیسے پہلے تھا۔ (بخاری مسلم)

قرآن پاک میں موجود ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا
جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پہ تہمت لگائی تو ایک چھوٹے بچے نے ہی آپ کی برءیت کی گواہی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت مومنہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان تھا۔ جب کنگھی اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تو اس نے بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر دوبارہ اٹھائی۔ اس پہ فرعون کی بیٹی بگڑ گئی۔ فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے علاوہ کسی اور خدا کو بھی مانتے ہیں۔ تو اس نے تانبے کا ایک بت تیار کرایا۔ اور پھر اس کو گرم کر کے خاندان کے سب افراد کو اس کے پیٹ میں ڈال دیا۔ چھوٹے بچے کی ماں اپنے بچے کو جلتا ہوا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ مگر اس بچے کو اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی۔ اس نے بول کر کہا، ماں! گھبراؤ نہیں۔ جس چیز کو تم آگ سمجھ رہی ہو، وہ تو باغ و بہار ہے۔ آؤ تم بھی اس آگ میں کود جاؤ تم حق پہ ہو۔

قرآن پاک میں اصحاب الاخدود کا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے جو حضور علیہ السلام کی بعثت سے ستر سال قبل پیش آیا ہے۔ یمن کے بادشاہ ذونواس نے اہل ایمان کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے ان میں خوب آگ جلائی اور پھر ہزاروں ایمان والوں کو اس آگ میں زندہ جلا دیا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایماندار عورت لائی گئی جس کی گود میں بچہ بھی تھا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر عورت کو تردد پیدا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بچے کو قوت گویائی دی اور وہ کہنے لگا یَا أُمَّہِ اصْبِرِیْ إِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ یعنی اے ماں! صبر کرنا، بلاشبہ تم حق پہ ہو۔

بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آ

ہے۔ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس سے کچھ لوگ گزرے جو ایک عورت پہ چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اُسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی۔ حَسْبِیَ اللّٰہ۔ دودھ پلانے والی عورت نے اس معتوب عورت کی حالت زار دیکھ کر اپنے بچے کے متعلق کہا، خدا تجھے ایسا نہ بنائے۔ بچہ فوراً دودھ چھوڑ کر بولا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِثْلَھَا اے اللہ! مجھے ایسا ہی بنا دے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑا مغرور اور سرکش آدمی گھوڑے پہ سوار گزرا۔ ماں اُس سوار کی شان و شوکت دیکھ کر کہنے لگی۔ اے اللہ! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنا دے۔ بچہ دودھ چھوڑ کر پھر بولا، یا اللہ! مجھے ایسا نہ بنانا۔ بہرحال تاریخ میں بعض دیگر بچوں کے حالات بھی ملتے ہیں جنہوں نے کم سنی میں اسی طرح کلام کیا جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدائش کے پہلے ہی دن کلام کر کے اپنی ماں کی برأت کی۔

حکیمانہ کلام

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کے بچپن اور کہولت میں کلام کرنے سے مراد حکیمانہ کلام ہے۔ عمر کے دونوں حصوں میں آپ کا کلام حکمت سے لبریز ہو گا۔ چنانچہ بعض آثار میں آتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں تبلیغ کرتے تھے۔ اور ایسی حکیمانہ باتیں کرتے تھے کہ بڑے بڑے فلاسفر اور دانا حیران رہ جاتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر روح المعانی میں حضرت سعید ابن مسیبؒ اور حضرت زید بن اسلمؒ جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پہ اٹھا لیا گیا۔ آپ دوسرے آسمان پہ ہیں۔ معراج والی حدیث میں موجود ہے۔ کہ دوسرے آسمان پہ حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یحیٰی علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سن کہولت چالیس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں ٹھہرے ہی نہیں۔ پھر کہولت میں کلام کرنے سے کیا

مراد ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کہولت یعنی ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے۔ اسکی تکمیل اُس وقت ہو گی جب قرب قیامت میں آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے، تو اس عمر میں بھی حکیمانہ کلام کریں گے۔ ایک سّو سے زیادہ احادیث موجود ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ بخاری، مسلم اور دیگر کتب میں یہ بھی ہے۔ کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو حکومت کریں گے۔ دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ چالیس ۴۰ سال یا کم و بیش کا عرصہ دنیا میں ٹھہریں گے۔ بعض روایات میں سات سال کا ذکر بھی ہے۔ اس عرصے میں آپ نکاح کریں گے اولاد ہوگی۔ اور پھر طبعی وفات بھی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے جو درجہ حسن کی ہے۔

صالح عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ یعنی عیسیٰ علیہ السلام صالحین میں سے ہوں گے۔ صالح کا معنی نیکوکار ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا۔ کہ صالح اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو نیکی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔ اور کسی کا حق ضائع نہ کرتا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ اللہ کے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہیں۔ لہٰذا فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی کہا۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ نیکوکاروں میں سے ہوگا گذشتہ آیت کے آخر میں ذکر تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام مقربین میں سے ہوں گے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

حضرت مریمؑ کی پریشانی

جب حضرت مریمؑ نے فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی پیدائش کی بشارت سنی تو بہ مقتضائے بشریت گھبرا گئیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ وہ ایک

عابدہ و زاہدہ دوشیزہ لڑکی ہے۔ نکاح ہوا نہیں، تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ کیا نکاح ہوگا۔ اگر نہیں ہوگا۔ تو بچہ کیسے۔ حضرت مریمؑ کو طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ آخر پریشان ہوکر کہنے لگیں قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ اے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ عادت اللہ تو یہ ہے۔ کہ مرد و زن کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے مگر نہ تو میرا نکاح ہوا ہے۔ نہ کسی ناجائز طریقے سے مرد کی قربت حاصل ہوئی ہے۔ تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ فرشتوں نے جواب دیا قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، جو چاہے۔ اس سے پہلے جب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر آیا تھا۔ تو وہ وہاں فرمایا تھا۔ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا جس طرح چاہے۔ مگر یہاں پہ يَفْعَلُ کی بجائے يَخْلُقُ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ وہاں پہ بوڑھے میاں بیوی سے بچہ پیدا کرنا مقصود تھا۔ جو کہ عام عادت کے خلاف ہے۔ مگر ممکن ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات میں آیا کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں سو سال کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اگرچہ یہ عام طور پہ دشوار ہے مگر ناممکن نہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں موجود ہیں اگرچہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں يَخْلُقُ کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ یہاں پہ باپ بھی موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ پیدا ہوا۔ آگے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی آرہا ہے۔ وہاں نہ ماں ہے اور نہ باپ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما دی۔ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کام کے کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا حکم ہی کافی ہوتا ہے۔

مسیح علیہ السلام کو تعلیم

فرمایا جس مسیح علیہ السلام کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس کی ایک صفت یہ بھی ہوگی۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور اللہ تعالیٰ اُسے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت سکھائیگا۔ عام مفسرین کرام کتاب سے مراد لکھنا لیتے ہیں اور حکمت سے دانائی مگر بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ تفسیر شریف میں امام ابن ابی حاتم کی روایت ہیں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل ہونگے۔ تو وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کا علم بھی بلا واسطہ دیں گے۔ آپ کسی استاد سے نہ تفسیر پڑھیں گے اور نہ سنت سیکھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں خود سکھائیگا۔

وَالتَّوْرٰىةَ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات کا علم بھی دیا۔ تورات کا معنی قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد آپ کی امت نے درخواست کی کہ ہم غلامی کے قانون سے آزاد ہوچکے ہیں۔ اس لیئے اب ہمارا اپنا قانون ہونا چاہیئے۔ تو اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی۔

وَالْاِنْجِيْلَ اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کا علم بھی دیا گیا۔ انجیل کا لفظی معنی بشارت ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اور آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سناؤ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (سورۃ صف) یعنی میں تم کو خوشخبری سنانے والا ہوں کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں یہ نام فارقلیط ہے جو کہ اب عیسائیوں نے انجیل سے حذف کردیا ہے۔ ان دونوں

الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یعنی ستودہ جہاں تعریف والا نبی۔ وہ آخری لانے والا ہے اور اس کی شریعت ابد تک رائج رہیگی۔ اس کے بعد کوئی نیا قانون اور شریعت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس کا نام ہی انجیل رکھا۔ اس میں اخلاق حکمت اور نصیحت کی باتیں ہیں۔

درس شانزدہم ۱۶

آیت ۴۹ تا ۵۰

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ
كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا
بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي
الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ
وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ
وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ ان سے کہے گا) بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے کی شکل کی طرح۔ پس میں پھونک مارتا ہوں اس میں، پس وہ ہو جاتا ہے اڑنے والا، اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو۔ اور میں زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ

کے حکم سے، اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو۔ اپنے گھروں میں بیشک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لیے، اگر تم ایماندار ہو (۴۹)
اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات۔ اور میں اس واسطے آیا ہوں کہ میں حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ اور میری بات مانو (۵۰)

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ جو کلمہ تجھ کو عطا کرے گا، اس کا نام مسیح ابن مریمؑ ہوگا۔ بڑی عزت والا اور دنیا و آخرت میں مقربین میں سے ہوگا، نیز یہ کہ وہ گود میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔ اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔ حضرت مریمؑ نے تعجب کا اظہار کیا۔ کہ اس کے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ نہ اس نے نکاح کیا ہے اور نہ وہ کسی لغزش کا شکار ہوئی ہے۔ بلکہ کسی مرد نے اس کو چھوا تک نہیں تو اللہ کی جانب سے ارشاد ہوا۔ کہ اس کے لیے بغیر باپ کے بچہ عطا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ صرف اس کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے کام ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے اسباب و علل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ اس پیدا ہونے والے بچے کو اللہ تعالیٰ براہ راست کتاب و حکمت کی تعلیم دیگا۔ اور اسے تورات اور انجیل بھی سکھائیگا۔

رسول بنی اسرائیل

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہوگی وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اللہ تعالیٰ اسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ ترین مناصب ہیں جسے عطا ہو جائیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حصے میں بھی رکھ دیا کہ وہ رسول ہونگے۔ مگر

بنی اسرائیل کی طرف۔ آپ کی نبوت ورسالت تمام اقوامِ عالم کے لیے نہیں بلکہ
صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ یہ تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ کہ ایک
عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور عرض کیا حضرت! میں آپ
سے فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا: تو کس قبیلہ سے
تعلق رکھتی ہے؟ عرض کیا کنعان قبیلہ سے متعلق ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام
نے اس عورت کی راہنمائی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں تو بنی اسرائیل
کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس عورت نے بڑا اصرار کیا مگر
آپ نے اس کی بات نہ مانی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ کے شاگردوں
نے عرض کیا۔ کہ آپ نے اس عورت کو کیسے محروم رکھا؟ فرمایا، میں تو بنی اسرائیل
کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی آتا ہے
کہ آپ نے فرمایا۔ کیا میں انسانوں کی غذا کتوں کے آگے ڈال دوں۔ انجیل
میں موجود ہے۔ کہ اس عورت نے پھر عرض کیا۔ کہ کتے بھی اللہ کی مخلوق
ہیں۔ اور انہیں بھی فیاض لوگوں کی میز سے گرے ہوئے ٹکڑے مل جاتے
ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عورت! تیرا ایمان بڑا مضبوط ہے۔ الغرض
عیسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کیلیے
مبعوث ہوا ہوں۔ اسی لیے آجکل کے عیسائیوں کی دعوتِ عامہ غلط ہے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔

البتہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت تمام اقوامِ
عالم کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً
لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو تمام ہی نوع انسان کیلیے
بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا آپ کہہ دیں کہ اے دنیا جہان کے

کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے خود بھی فرمایا
بُعِثْتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ اللہ نے مجھے ہر سیاہ و سرخ کی طرف
رسول بنا کر بھیجا ہے۔ غرضیکہ آپ علیہ السلام کی نبوت عامہ ہے اور تمام
بنی نوع انسان کے علاوہ جن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ حضور علیہ السلام سے
قبل آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تمام اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کی
تصریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اللہ تعالیٰ نے
فرمایا میں تمہیں ساری دنیا کا امام بنانے والا ہوں۔

معجزات انبیاء

فرمایا جس عظیم المرتبت رسول کی پیش گوئی کی جا رہی ہے۔ وہ آکر کہے گا۔
اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ میں تمہارے پاس
تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ نشانی سے مراد وہ معجزات
ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عطا کئے۔ حدیث
شریف میں آتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی
نشانی نہ عطا کی ہو۔ معجزے عام بھی ہوتے ہیں اور خاص بھی۔ مادی بھی اور روحانی
بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ نے جو خاص معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے
وہ قرآن کریم ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے۔ کہ قیامت کے دن میرے
ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ میرا یہ معجزہ دائمی ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں
کے درمیان موجود رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھیں گے۔ اس پر ایمان لائیں گے۔
ہدایت اختیار کریں گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار زیادہ شمار ہوں
گے یہ آپ کا زندہ معجزہ ہے۔ باقی معجزات وقتی نوعیت کے تھے جو اپنے
اپنے وقت تک ہی قائم رہے۔

حضرت عیسیٰ کا پہلا معجزہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات لوگوں کے سامنے
پیش کیے۔ سب سے پہلے معجزے کے متعلق فرمایا اَنِّیْ اَخْلُقُ
لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ

میں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ پس وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ خاص معجزہ تھا۔ آپ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں پھونک مارتے تو وہ پھر سے اڑ جاتا۔ اب ہماری شریعت میں کسی جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْمُصَوِّرِيْنَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وہ اس کی رحمت سے دور ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس گھر میں تصویر اور کتا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے تصویر سازی معجزہ کے طور پر کی۔

شفائے بیماراں

فرمایا میرا دوسرا معجزہ یہ ہے وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ میں مادر زاد اندھوں اور برص یا کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کرتا ہوں۔ برص پھلبہری یا جذام پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک حکماء نے ان بیماریوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ جذام ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل جاتے ہیں اور پھلبہری کے داغ بھی جب پیدا ہو جائیں تو رفع نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور معجزہ ان مہلک بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ اس زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ بقراط اور جالینوس جیسے بڑے بڑے حکیم اسی زمانہ کے قریب گزرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا طبیب تھا مگر مذکورہ بیماریاں لاعلاج تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علاج کا دعویٰ کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیکل سائنس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ خاص طور پر سرجری میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی لاتعداد کیس ایسے ہیں کہ بیماری کی سمجھ ہی نہیں آتی، علاج تو بعد کی بات ہے۔ بہر حال

یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لا علاج بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔
دراصل معجزہ کا مطلب ہی عاجز کر دینے والی نشانی ہے۔ یعنی ایسی چیز جس کا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجز آ جائیں۔ خود قرآن پاک نے اپنے آپ کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تمہیں قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ مگر فصاحت و بلاغت کا کوئی ماہر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بلکہ سب عاجز آ گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ مگر مذکورہ بیماریوں کے سامنے سب عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے مایوس مریضوں کو شفا ملنے لگی۔

احیائے موتیٰ

اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تیسرے معجزے کا اعلان کیا وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔ مفسرین کرام نے چار ایسے مُردوں کا ذکر کیا ہے جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے زندہ کیا۔ پہلا واقعہ آپ کے عازر نامی دوست کا تھا۔ جس کا گھر آپ سے کئی دن کی مسافت پر تھا، وہ سخت بیمار ہوا، تو اس کی بہن نے آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی حالت زار بیان کی۔ آپ دو تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گاؤں پہنچے، تو دوست فوت ہو چکا تھا اور اسے دفن کیا جا چکا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ مُردہ زندہ ہو گیا۔ احیائے موتیٰ کا دوسرا واقعہ ایک عورت کا بیٹا تھا۔ اس عورت نے آپ کی بڑی منت سماجت کی۔ تو آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح ایک چنگی والے کی مردہ بیٹی کو زندہ کیا۔ چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا ہے۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہا تو وہ گھبرائے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے

ان کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا۔ کہنے لگے کیا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اُس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سفید ہونا شروع ہوئے۔ گویا دنیا بحیثیت مجموعی اُس وقت تک جوان تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بڑھاپا آنا شروع ہوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے سفید ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا۔ برزخ میں دہشت کی وجہ سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا دوبارہ اُسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں، بشرطیکہ مجھ پر سکرات موت کی تلخی دوبارہ وارد نہ ہو۔ چنانچہ وہ دوبارہ اُسی حالت پر چلے گئے۔ باقی تین مردوں کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزاری، بلکہ بعض کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ وہ پھر اپنے وقت میں ختم ہو گئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے احیائے موتیٰ کا معجزہ بھی مسیح علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس معجزے کا بھی تذکرہ کیا وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ میں تم کو بتلاتا ہوں جو کچھ تم گھر سے کھا کر آتے ہو وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اور جو کچھ تم گھر میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ کسی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام بتا دیتے کہ فلاں شخص اپنے گھر سے یہ چیز کھا کر آیا ہے اور فلاں چیز اس کے گھر میں باقی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ باقی چیزوں کی آپ خبر نہیں دیتے تھے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم یقین رکھتے ہو۔ یقین دہانی کے لیے اس قسم کے الفاظ قرآن پاک میں متعدد بار آئے ہیں کسی نبی کے ہاتھ پر کوئی خارق عادت فعل سرزد ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ تاہم یہ سب کچھ باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کسی انسان، نبی، ولی کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔

غور کی

معجزے کا انکار

موجودہ زمانے کے بعض منکرین معجزات نے ایسی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کی ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں مذکورہ پرندوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لیے ہیں جنہیں آپ نے تیزی سے جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مادرزاد اندھوں سے جاہل لوگ مراد لیے ہیں اسی طرح وہ کوڑھی سے گندے اور غلیظ لوگ مراد لیتے ہیں۔ پرویز جیسے منکرین نے کمال الٹے معنی لئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں معجزات کا صریح تذکرہ موجود ہے مثلاً پتھروں سے پانی نکالنا اور اونٹنی کا چٹان سے پیدا ہونا، عصا، ید بیضا وغیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے کئی ایک معجزات کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی جانے والی آگ کا معجزہ بڑا واضح ہے۔ یہ تمام معجزات اہل ایمان کے ایمان کا حصہ ہیں اور ان سے انکار کی مجال نہیں۔ مگر کتنے ہی رہبر ہیں، چکڑالوی، قادیانی لاہوری، سرسید احمد خان اور پرویز وغیرہ گمراہ لوگ ہیں۔ جو صریح معجزات کی بیہودہ تاویلیں کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی یقین نہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان منکرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ کفر کی باتیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے۔ آمنا و صدقنا کہ اگر کوئی چیز انسانی شعور میں نہ بھی آئے، تو اس پر ایمان لانا چاہیئے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو عقل سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اعلیٰ دماغ والے لوگ معجزات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں مگر عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزوں کا اظہار مناسب نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ ہر نبی اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیں کسی پہلے نازل شدہ حکم کو منسوخ کرا دیں۔ اللہ تعالےٰ

نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہلوایا کہ میں تورات کا مصدق ہوں، اُس کا منحرف نہیں ہوں۔

فرمایا مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا ہے۔ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ تاکہ میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں۔ مثال کے طور پر بنی اسرائیل پر مچھلی، چربی اور بعض دوسری چیزیں حرام تھیں۔ ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حلال قرار دیا۔ یہ بات قابلِ وضاحت ہے کہ حلت و حرمت کی نسبت جب نبی کی طرف ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے، کہ نبی حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ ورنہ کسی چیز کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ نبی اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے پاس اس بات کا قطعی علم آگیا ہے۔ کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے۔ عیسائیوں نے اسی مقام پر غلطی کی۔ جب یہ منصب انھوں نے اپنے پادریوں کو سونپ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے شرک قرار دیا اَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ یہی تو ہے۔ کہ حلال و حرام کے اختیارات اپنے پیر، پادری یا مولویوں کے سپرد کر دیئے جائیں۔ تو نبی کا حلال و حرام ٹھہرانا دراصل اللہ کے احکام کا اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں فَاتَّقُوا اللَّهَ اللہ سے ڈر جاؤ وَأَطِيعُونِ اور میری بات مانو، کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور اسی کا حکم تم کو سناتا ہوں۔

اگلی آیت میں تمام اقوام اور ادیان کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِیْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا، تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے، اللہ کی راہ میں حواریوں نے کہا ہم ہیں، اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تو بھی گواہ بن جا کہ بیشک ہم فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۵۲﴾ حواریوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے رسُول کی تابعداری کی ہے، پس لکھ دے ہم کو گواہی دینے والوں میں ﴿۵۳﴾ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی ________ اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾

بنیادی عقیدہ

گزشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ تھا جن کے متعلق آپ نے اپنے مخالفین سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے

رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں اس لیے میرا تم سے مطالبہ ہے کہ
اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ قرآن پاک شاہد ہے کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن
میں موجود ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو
اور میری اطاعت کرو۔ حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب اور حضرت
لوط علیہم السلام کے واقعات سے یہی پتہ چلتا ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ تخلیق آدم
سے لے کر ہر دور میں ہر امت میں پایا گیا ہے۔ اور انبیاء اسی عقیدے کی
تعلیم دیتے آئے ہیں۔ یہاں پہ بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبان سے اسی عقیدے
کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ بیشک میرا اور تمہارا رب
اللہ ہی ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اس لیے فَاعْبُدُوهُ
عبادت بھی اُسی کی کرو۔ یہ عقیدہ دین کی اساس ہے اور تمام انبیاء کی بنیادی
تعلیم یہی ہے۔ اسی سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہوتا ہے۔
جو عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خود خدا مانتے ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا رب
تو ایک وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ خواہ مخواہ مجھ میں ربوبیت کی صفت مانتے ہو۔

اعتقاد اور عمل

یہاں پہ دو باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات ہے۔ إِنَّ اللَّهَ
رَبِّي وَرَبُّكُمْ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام اس بیان کے ذریعے
سمجھانا یہ چاہتے ہیں۔ کہ دیکھو بھائی! ہم سب مخلوق ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا
رب ایک ہی ہے ہماری سب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی
ربوبیت اور الوہیت پہ ایمان لانا۔ اور یاد رکھو! جب تک کسی شخص کا اعتقاد
برحق نہ ہو، اس کی قوت عقلی اور علمی کامل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس قوت کو کامل
بنانے کے لیے اعتقاد کی سچائی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ اور پھر اعتقاد
برحق کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی الوہیت پہ کامل ایمان لانا ہے اگر عقیدے
میں شرک شامل ہو گیا، تو عقیدہ فاسد ہو جائیگا اور قوت علمیہ ضائع ہو جائے گی۔
اور انسان کو مطلوبہ کمال کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دوسری بات فَاعْبُدُوْهُ ہے۔ اور یہ چیز قوت عملیہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرے۔ اس طرح اس کی قوت عملی بھی کمال کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب قوت علمی اور قوت عملی دونوں اپنے معیار کو پہنچ جائیں گی تو فرمایا هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے اور کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یہی وہ راستہ ہے جس کی تعلیم تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ۔ یہ اساسی اعتقاد ہے۔ جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے اللہ کے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی صراط مستقیم سے بھٹک گئے۔ اور ناکام ہوئے۔ جب تک یہ اساسی عقیدہ درست نہیں ہوگا، کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عیسیٰ کے حواری

فرمایا فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اُن لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا۔ یہ لوگ آپ کے سخت مخالف تھے۔ آپ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے تھے۔ جب اُن کی عداوت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کون ہے جو میری مدد کرے اللہ کی راہ میں بعض فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ یہودیوں نے عیسیٰ کی بات نہ مانی، اس لیے آپ نے غیر بنی اسرائیل کے لوگوں سے خطاب کیا۔ کہ مطلقاً میری مدد کرنے والا کون ہے۔ اس موقع پہ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری وہ مخلص لوگ ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حور سفیدی کو کہتے ہیں یعنی وہ چیز جو خالص ہو۔ یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے

ساتھ مخلص تھے، اس لیے ان کو حواری کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے اور کپڑے دھویا کرتے تھے۔ ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا، تو پوچھا کیا کرتے ہو، عرض کیا ہم کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کپڑوں کو صاف کرتے ہو آؤ! میں تمہیں دلوں کی صفائی کا راز بتاؤں۔ وہ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ یہ بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے یا غیر بنی اسرائیل سے۔ تاہم زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور تعداد میں بارہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پہ تبلیغ کے لیے بھیجتے اور یہ اللہ کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منشا کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے۔ بہر حال حواری مخلص دوست پر بولا جاتا ہے۔ اور حور یعنی سفید اس لیے کہ ان کے دل پاک اور سفید تھے۔ توحید سے لبریز تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ ہر نبی کا کوئی مخلص دوست اور ساتھی ہوا کرتا ہے۔ اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ جو آپ کے پھوپھی زاد اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ بڑے بہادر مجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حوصلہ اور قوت ایمان دی تھی کہ جنگ یرموک میں لاکھوں دشمنوں کی صفوں میں تن تنہا گھس گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عروہ سے کہا میرے جسم میں ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تیر یا تلوار کا زخم نہ آیا ہو۔ ایک دفعہ نیزہ آپ کے کندھے سے پار ہو گیا تھا۔ زخم پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ بلکہ کندھے میں سوراخ بن گیا تھا۔ عروہ اس میں ہاتھ ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حواری بنایا۔

الغرض حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ

جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کو اپنی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو غنی ہے اور وہ خود ہر ایک کا مددگار ہے، اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین، اس کی کتاب، اس کے نبی، اس کی شریعت اور عقیدۂ حق کی مدد ہے، اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینا ہی اللہ کی مدد ہے۔

حواریوں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یہ بھی کہا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ آپ بھی گواہ بن جائیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ اس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان کا گواہ بنا لیا۔

حواریوں کی دعا

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اللہ رب العزت کے حضور دعا بھی کی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں۔ اس چیز کے ساتھ جو آپ نے نازل کی ہے یعنی کتاب وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی ہے فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ لہٰذا ہمیں بھی گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔ گویا کتاب و ملت کے ساتھ اپنا تعلق مستحکم کرنے کے بعد اللہ کے ہاں اپنے ایمان کی رجسٹری کراتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے ایمان کا پورا پورا بدلہ پا سکیں۔ یہ ہے وہ نقشہ جو قرآن پاک نے حواریوں کا کھینچا ہے۔ البتہ انجیل میں ان حواریوں کا بالکل معکوس نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے تو حواریوں کا ایمان بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حواریوں کا قصور نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے، جن کے ہاتھ میں تورات اور انجیل رہی۔ یہ دونوں کتابیں تحریفات سے پُر ہیں۔ خود عیسائی پادریوں کا بیان ہے کہ انجیل میں تین ہزار غلطیاں موجود ہیں۔ تحریف شدہ تورات میں انبیاء سے بڑی غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں جن کو کفر و شرک اور بے حیائی

تک ان سے منسوب ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ
یہ لوگ بائیبل کے ہر ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح انہوں
نے خدا کی کتابوں میں ردّ و بدل کر دیا ہے۔ خود ان کی اپنی ذہنیت بگڑ چکی ہے
مفسد اور سازشی ذہن رکھتے ہیں اور ہمیشہ بنی نوع انسان کی برائی کی تدبیریں سوچنے
والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام لوگ ان کے دام فریب میں پھنس جائیں۔
اور پھر وہ انہیں جس طرح چاہیں گمراہ کرتے رہیں۔ یہ کم بخت ایسی ایسی سکیمیں
تیار کرتے ہیں۔ جن کے نتائج سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بعد سامنے آئیں۔

یہودیوں کی سازش

شام و فلسطین کے یہودی شاہِ روم کی عملداری میں تھے تاہم انہیں مقامی طور
پر کچھ آزادی بھی حاصل تھی بالکل ایسے ہی جیسے کسی وفاق میں صوبوں کو صوبائی معاملات
میں قدرے خود مختاری ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان بدبختوں کی برائیوں کی نشاندہی
کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہ ان کے مخالف تھے۔ آپ کو گالیاں دیتے، پتھر
مارتے، آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے، آپ کے خلاف سازشیں کرتے غرضیکہ
آپ کی ایذار رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ کہتے کہ یہ شخص تورات
کا انکار کر کے دین کو بگاڑ رہا ہے۔ آپ پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ کے
لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا۔ بہرحال انہوں نے ایک مخفی تدبیر کی کہ عیسیٰ
کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو سزائے موت دلائیں۔ اس ضمن میں آپ
کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا تاکہ آپ ان کی گرفت سے نکل نہ سکیں۔ آپ کے
خلاف اسی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَکَرُوْا
اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی۔ بعض اوقات لفظ مکر سے غلط فہمی ہوتی ہے۔
اردو اور پنجابی میں مکر سے مراد فریب اور دھوکا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں
یہ لفظ خفیہ تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہرحال یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی کہ
کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروا دیا جائے۔ اور ادھر اللہ تعالیٰ آپ کی
حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی منشاء کے متعلق فرمایا وَمَکَرَ اللّٰہُ

اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح آسمانوں پر اٹھا لیا اُس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ یہ مشہور مقولہ ہے کہ جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے (چاہ کندہ را چاہ درپیش) وہ خود اُسی میں گرتا ہے جو کسی کے لیے بُری تدبیر کرتا ہے، وہ خود اُس کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اللہ نے انہیں وہاں سے صحیح سلامت نکال لیا۔ اور یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے۔ آگے آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تفصیلات آئیں گی۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ
اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا
كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ
كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَ
أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ! بیشک میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پاک کرنے والا ہوں اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اور میں بنانے والا ہوں تیرے اتباع کرنے والوں کو اوپر اُن لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت کے قریب تک۔ پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہوگا۔ پھر میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے (۵۵) پس بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ پس میں اُن کو سزا دوں گا سخت سزا دنیا اور آخرت میں۔ اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا (۵۶) اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ پس دے گا اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا

اُن کو اُن کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۵۷)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اُن سازشوں کا ذکر تھا جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کیں۔ انہوں نے آپ کو قتل کروانے کے لیے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ یہ شخص تورات کو بدلنا چاہتا ہے یہ لوگوں کو بے دین بنا دیگا لہٰذا اسے سزا ملنی چاہیئے۔ اسپر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی مخفی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں وہ یہودیوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے بلکہ خود اپنی منشا کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہودیوں کی سازش کے تحت فَبَعَثَ فِیْ طَلَبِہٖ اَنْ یَّاْخُذَہٗ وَیَصْلُبَہٗ وَیُنَکِّلَ بِہٖ بادشاہ نے حکم دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ انہیں سولی پہ لٹکایا جائے۔ اور انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰہُ یعنی وہ واقعہ قابلِ ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں۔

عربی لغت میں توفی۔ وفی کا معنی ہوتا ہے اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر وصول کر لینا ہے۔ کسی چیز کو قبض کر لینا مراد ہوتا ہے چنانچہ شیخ الہندؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "جس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا تجھکو اپنی طرف" جو کہ بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ البتہ مجازی طور پر اس کا اطلاق موت اور نیند پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا "اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔" وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا "اور جو نیند کے وقت نہیں مرتی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا توفی

کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہوگیا۔ کہ ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ اللہ تعالیٰ رات کو تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ اور اللہ جانتا ہے جو تم دن میں کام کرتے ہو۔ اس طرح توفی کے کے تین معنے ہوگئے۔ اصل معنیٰ وصول کرنا اور مجازی معنیٰ موت اور نیند ہوگیا۔

تو بعض اس کا مجازی معنیٰ کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بالفرض اگر توفی کا معنیٰ موت بھی لیا جائے۔ تو پھر مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں تقدیم تاخیر ماننی پڑیگی۔ یعنی عمل کے لحاظ سے رَافِعُکَ اِلَیَّ پہلے ہوگا اور مُتَوَفِّیْکَ کا عمل بعد میں۔ اس طرح معنیٰ یہ ہوگا۔ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میں اس وقت تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر (اپنے وقت پر) موت دینے والا ہوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ توفی کا معنیٰ موت کرتے ہیں مگر ان سے یہ روایت بھی صراحتاً منقول ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَمْ یَمُتْ عِیْسٰی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا ہے۔ آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے۔ جیسے وہ اس سے پہلے ظلم اور ناانصافی سے پر ہوگی۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زمین پر حکومت کریں گے بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے۔ بچے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی وفات کا ذکر بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے۔ چنانچہ حجرہ مبارک میں چوتھی قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس وقت وہاں پر تین قبریں ہیں یعنی حضور علیہ السلام حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔ ان احادیث کے علاوہ اگلی سورۃ نساء میں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے

صریح الفاظ موجود ہیں ۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھا لیا ۔ اور وہ دوبارہ نازل ہوں گے ۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ۔ کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں ۔ کہ وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں ۔ تواتر چار قسم کا ہوتا ہے یعنی لفظی ، معنوی ، طبقہ اور توارد ۔ اور یہ چاروں درجات ان احادیث میں پائے جاتے ہیں ۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے ۔ غرضیکہ تواتر کے راوی اتنی کثرت سے ہوتے ہیں ۔ کہ آدمی کی عقل تصور نہیں کرتی کہ اتنے آدمی جھوٹ بول سکتے ہیں ۔

ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں لم یشک فی کفرہ اثنان یعنی آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہیں ملیں گے جنہیں ایسے شخص کے کفر میں شک ہو ، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کے دوبارہ نزول پہ یقین نہ رکھتا ہو ۔ یعنی پوری امت کے علمائے دین میں سے کوئی بھی اس معاملہ میں متردد نہیں ہے ۔

اس مسئلہ کا ایک دوسرے طریقہ سے تجزیہ بھی ضروری ہے ۔ کہ ایک منٹ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ متوفی کا معنیٰ موت دینا ہے ۔ تو پھر گذشتہ آیت کی تکذیب لازم آئے گی ۔ گذشتہ آیت میں گذر چکا ہے ۔ کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کی ۔ اور ادھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر کی ۔ اگر مخالفین آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کا کیا معنیٰ نکلا ۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا گیا ۔ اور اگر ان کو موت ہی دے دی گئی ، تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخالفوں کی تدبیر ایک ہی ہوئی اور یہ بات قطعاً درست نہیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا اعلان کیا ہے ۔ جو حیات مسیح پہ قطعی دلیل ہے ۔

قادیانیوں کی غلط تاویل

توفی کے لفظ سے قادیانیوں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ اس کا معنیٰ
موت کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعویٰ کی دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بھی پیش
کرتے ہیں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ عیسیٰ
اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے۔ اے مولا کریم، جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔
موت دے دی، تو تو ہی ان پہ نگران تھا۔ مرزائی پھر اس سے یہ دلیل پکڑتے
ہیں کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اس لیے ان کے دوبارہ نازل
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک
کی بہت سی آیات کے علاوہ حضور علیہ السلام کی احادیث بکثرت موجود ہیں،
جن میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے کا ذکر ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ان
احادیث کی رو سے دوبارہ آنے والے مسیح ابن مریم نہیں ہوگا بلکہ مثیل مسیح
یعنی اس کے مشابہ ہوگا۔ اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ جس کے متعلق
روایات میں آتا ہے کہ وہ دنیا میں ہدایت کا سامان پیدا کرے گا۔ لہٰذا مسیح موعود
آچکا ہے۔ اب کسی مسیح کا انتظار نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس
پہ قادیانی گزشتہ تقریباً سو سال سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ ان کا یہ دعویٰ صریحاً کفر ہے۔

مسئلہ ختم نبوت

علمائے امت نے اس مسئلہ پر قادیانیوں کا ہر طرح سے رد کیا ہے
بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ
جو بیس سال تک مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے ہیں انہوں
نے ختم نبوت پہ فارسی زبان میں بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ آپ کا علم
چونکہ زیادہ عمیق تھا اس لیے کتاب ذرا مشکل ہے، مگر قادیانیوں کو بڑے
اچھے طریقے سے رد کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ذرا محنت
کر کے پڑھنے والے اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ نے
حیات مسیح پہ بھی عربی میں دو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں مسئلہ کی پوری تحقیق

سے ساتھ وضاحت کی ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اپنی کتاب میں مسیح علیہ السلام
کے دوبارہ نزول کے متعلق ایک سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے جو تواتر کے درجہ
کو پہنچی ہیں۔ عربی زبان میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے جو دمشق میں طبع ہوئی۔
موجودہ زمانے کے علمائے کرام میں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عربی زبان
میں القادیانیہ لکھی ہے جس سے شرق وسطیٰ میں اس مسئلہ کو سمجھنے میں
بڑی مدد ملی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں علمائے امت نے چھوٹی
بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں قادیانیت کو رد کیا گیا ہے۔

حق و باطل

اس وقت مسیح علیہ السلام کے متعلق دنیا میں تین مذاہب پائے جاتے ہیں
یہود، نصاریٰ اور اہل حق۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
قتل کر دیا گیا۔ آگے سورۃ نساء میں اس کا مفصل ذکر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تردید کی
کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی۔ لہٰذا یہودیوں کا عقیدہ باطل ٹھہرا
نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور دو ساعت تک
مردہ رہے۔ اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ بھی باطل عقیدہ
ہے۔ تیسرا عقیدہ اہل حق کا ہے۔ "وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ" وہ
عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ سولی دینے میں کامیاب
ہوئے۔ اور نہ ہی ان کی طبعی موت واقع ہوئی "بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ"
بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سلامت باعزت اپنی طرف اٹھا لیا۔ تو اس آیت
میں بھی یہی بات ہے۔ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ میں تجھے اپنے وقت پر فوت
کروں گا۔ سر دست میں تجھ کو رَافِعُكَ إِلَيَّ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں
یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں ہی سنا دی جس کا
تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا جا رہا ہے۔

مطہرا

اس کے بعد فرمایا وَمُطَهِّرُكَ اے عیسیٰ علیہ السلام! میں تجھ کو
پاک کرنے والا ہوں مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں سے جنہوں نے

کفر کیا۔ یعنی کافروں کے ناپاک ہاتھ تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے۔ آپ کے ساتھی ادھر اُدھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ جس مکان میں محصور تھے۔ دشمنوں نے ایک شخص کو اُس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر سکے مگر اللہ تعالٰے نے فرشتوں کے ذریعے عیسٰی علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان کے راستے اٹھوا لیا۔ اور جو آدمی پکڑنے گیا تھا اُس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی وہ شخص کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد جب خود باہر نکلا تو لوگوں نے اُسے ہی مسیح سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ اُس نے بڑا شور مچایا کہ وہ مسیح نہیں ہے مگر اس کی بات کون سنتا تھا۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کا یہی مطلب ہے کہ اُن پر شبیہ ڈال دیا گیا اور وہ اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ بیٹھے اور اسے سولی پر چڑھا دیا۔

عیسٰی علیہ السلام کی ذاتی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالٰی نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور میں تیرے متبعین کو قیامت تک کے لیے کفار کے اوپر بلند کرنے والا ہوں۔ یعنی غالب کرنے والا ہوں۔ گویا اللہ تعالٰے نے عیسٰی علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ تیرا اتباع کرنے والوں کو قرب قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اب غور فرمایئے کہ اتباع کرنے والے کون ہیں اور کفر کرنے والے کون۔ عیسٰی علیہ السلام کے متبعین میں دو گروہ واضح ہیں۔ پہلا درجہ آپ کے ابتدائی دور کے حواریوں کا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کیا۔ موجودہ مسلمان بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کامل متبعین ہیں۔ البتہ متبعین کا دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین نہیں ہیں مگر وہ عزت تو کرتے ہیں۔ تو بہرحال اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ

ان دو گروہوں کو قیامت کے قریب تک غالب رکھوں گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں آج تک مسلمان یا عیسائی ہی غالب رہے ہیں اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ اور آپ کا کفر کرنے والے یہودی ہیں جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ناپاک ہاتھوں سے بچا لیا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہودی مغلوب ہی رہے ہیں۔ پوری دُنیا میں ان کا کوئی وطن ہی نہیں تھا اور کوئی حکومت نہیں تھی۔

اب قریبی زمانہ میں یہودیوں کی حکومت بھی قائم ہو گئی ہے۔ اور انہوں نے اسرائیل کے نام پر اپنا علیحدہ وطن حاصل کر لیا ہے کیا اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ قائم ہے۔ یہودیوں کی موجودہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ملک دُنیا کی سپر پاورز امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ چھاؤنی ہے۔ روس کے علاوہ باقی تینوں طاقتیں عیسائی ہیں۔ جب کہ روس بگڑا ہوا یہودی اور عیسائی ہے، دہریہ اور ملحد ہے اگر اسرائیل کو ان عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کو امن اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ یا تو خدا پر ایمان لے آئیں یا دوسری قوموں کے ماتحت ہو کر رہیں۔ اس زمانے میں یہ لوگ غیر اقوام کی ماتحتی میں ہیں اور اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے مطابق غیروں کی سرپرستی میں گزارہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اِن کی اپنی ذاتی حیثیت صفر کے برابر ہے جب بھی اغیار کی حمایت سے محروم ہوں گے، مسیح علیہ السلام کے متبعین کے مغلوب ہی ہوں گے۔

الغرض! فرمایا، میں تیرا اتباع کرنے والے لوگوں کو تیرے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں پر غالب بنانے والا ہوں۔ اور یہ سلسلہ قیامت کے قریب تک اسی طرح رہے گا۔ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر قیامت کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہو گا۔ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر میں تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

عذاب و ثواب

فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ پس ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت کا عذاب تو قطعی ہے وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور ان کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔ جو مشکل وقت میں ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام دیے فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ان کو ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسی قوم اور ایسا شخص سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ضرور آئے گا۔ دیکھیے وَفّٰی کا لفظ یہاں بھی آیا ہے۔ اور معنی وہی ہے اخذ الشئی وافیا۔ کسی چیز کو مکمل طور پر لے لینا۔ اس لفظ کا لغوی معنی موت نہیں ہے۔ بلکہ موت پر یہ مجازاً بولا جاتا ہے۔

درس نوزدہم ۱۹ — آیت ۵۸ تا ۶۰

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: یہ بات ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اور محکم بیان ہے ﴿۵۸﴾ بیشک عیسٰی علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم علیہ السلام کی مثال۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گیا ﴿۵۹﴾ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں ﴿۶۰﴾

رفع عیسٰی علیہ السلام پر دلائل

گذشتہ درس میں عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس درس میں اس موضوع پر بعض دلائل ہوں گے اور واقعہ رفع کی مزید تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا واقعہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جو معجزات ظاہر فرمائے وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ غیر معمولی سلوک کر رہا ہے۔ پہلے گذر چکا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام مٹی سے پرندے کی شکل بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن کر اڑ جاتا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ تھا۔ کہ آپ لاعلاج بیماریوں کا علاج کرتے۔ جن امراض سے دنیا بھر کے اطباء عاجز آ چکے تھے، عیسٰی علیہ السلام ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا۔ اسی طرح آپ کا آسمان کی طرف اٹھائے جانا بھی عین

ممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں نفخۂ جبرائیلیہ کا اثر تھا۔ اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تھا۔ تو اس کے اثر سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی گویا آپ کو فرشتوں کے ساتھ کامل مناسبت ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جن کا لقب روح القدس ہے وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید فرمائی آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کی بنا پر آپ کے ارتفاع پر حیرت کا اظہار کسی طور مناسب نہیں۔ اس معاملہ میں شک کرنے والے لوگ نہ تو معجزات کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر یقین ہے۔ ایسے لوگ دہریئے، پرویزی یا نیچری تو ہو سکتے ہیں۔ کوئی مومن اس شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور دوبارہ نزول کا سلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت قتادہؓ جو تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں فَطَارَ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ وَهُوَ مَعَهُمْ عیسیٰ علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے گئے اور فرشتوں کے ساتھ اڑنے میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ فرشتے آسمانوں میں اڑتے ہیں، عرشِ الٰہی کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام میں چاروں صفات پائی جاتی ہیں یعنی انسیاً، ملکیاً، سماویاً اور ارضیاً۔ آپ انسان ہیں۔ آپ میں ملکی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ سماوی بھی ہیں اور ارضی بھی ہیں۔ فرشتے کے روح پھونکنے کی بنا پر آپ سماوی ہیں اور والدہ کی نسبت سے ارضی ہیں۔ لہذا آپ کے آسمان پر چلے جانے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیئے

حضرت قتادہؓ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت ضحاکؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ، سعید ابن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ یہ سب تابعین میں سے ہیں اور بڑے پائے کے لوگ ہیں۔ یہ سب رفع مسیح

کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ بھی اسی مسلک کو مانتے ہیں۔ آپ نے آٹھ صحابہؓ کی
زیارت کی ہے اور چار سے روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ چار مسلمہ فقہا میں سے
یہ شرف صرف امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہوا ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے ہیں کہ
عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے میں کسی قسم کا استعجاب نہیں ہونا چاہیئے۔

تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے متعلق فرمایا
ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ یہ باتیں جو ہم عیسیٰ علیہ السلام کے
متعلق پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ آیات الٰہی میں سے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت
مریمؑ اور زکریا علیہ السلام کے واقعات کے متعلق بھی آ چکا ہے ذٰلِكَ مِنْ
أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم
آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ
قرعہ ڈال رہے تھے۔ کہ مریم کی کفالت کون کرے اور نہ اس وقت آپ
ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ دونوں جگہ بھی یہ باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر بیان کی گئی تھیں اور یہاں پر بھی
نَتْلُوهُ عَلَيْكَ میں آپ کی رسالت کی صداقت کا تذکرہ ہے۔

قرآن پاک میں آیت کا لفظ کئی معنوں میں آیا ہے۔ آیت کا معنی نشانی
ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر آیت سے مراد یہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کے
متعلق جو بعض بعض واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ آپ کی صداقت کی نشانی
ہے۔ اور آیت کا معنی دلیل بھی ہوتا ہے۔ لَآيَاتٍ لِأُولِي
الْأَلْبَابِ اس میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں۔ اسی طرح آیت کا معنی
معجزہ بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے۔ آیات
سے مراد احکام اور مسائل بھی ہوتے ہیں اور قرآن پاک میں کئی مقامات پر یہ
لفظ ان معانی میں استعمال ہوا ہے۔

فرمایا وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ یہ جو کچھ ہم پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ

محکم بیان بھی ہے۔ بیان کا معنیٰ STATEMENT یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے۔ اور حکیم سے مراد مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس سے مراد حکمت والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے۔ وہ یقیناً یہی اعتقاد رکھے گا کہ مریمؑ اور مسیح علیہ السلام الٰہ نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یاد رہے کہ حواس ظاہرہ سے مراد آنکھ، کان، ناک اور لمس وغیرہ ہیں۔ اور حواس باطنہ میں وہم، خیال، فکر اور حس مشترک وغیرہ آتے ہیں۔

صانع اور مصنوع

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ کی خاص مخلوق ہے۔ باقی ہر چیز عام مخلوق ہے۔ مخلوق خاص ہو یا عام یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور مصنوع کہلاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بنانے والا یعنی صانع ہے۔ قرآن پاک میں اس کے لیے بدیع کا لفظ آیا ہے۔ فاطر اور خالق کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صانع کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَالِقُ کُلِّ صَانِعٍ وَصَنْعَتَہٗ اللہ تعالیٰ نے ہر صانع یعنی کاریگر اور اس کی صنعت کو پیدا کیا ہے۔ اب دیکھئے جس طرح باقی اشیاء مصنوع ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مصنوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا صانع ہے۔ اور ہر صاحبِ عقلِ سلیم جانتا ہے۔ کہ ہر مصنوع چیز خواہ وہ مشینری ہو، برتن ہو، کپڑا وغیرہ ہو اپنے صانع کی دلیل، علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مصنوع کو ہی صانع بنا دیا جائے تو اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں پر لفظ آیت سے سمجھائی ہے کہ ذرا غور کرو مسیح علیہ السلام مصنوع ہیں، صانع نہیں ہیں اُن کو اللہ یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنانا باطل عقیدہ ہے۔ اس طرح تو ساری حکمت ہی باطل ہو جائے گی۔ یہ عقل انسانی اور فطرت سلیمہ کے خلاف ہے کائنات میں پائی جانیوالی تمام اشیاء، اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کی نشانیاں ہیں

؎ فِی کُلِّ شَیْءٍ لَهُ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

جو یقیناً بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا اکیلا ہے واحد ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمین روید — وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

جو بھی گھاس زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ زبانِ حال سے وحدہٗ لاشریک کہتی ہے ہر ہر پتہ اور ہر ہر ذرہ اپنے صانع یعنی خالق کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے۔ ہر چیز خود بخود معرضِ وجود میں نہیں آگئی۔ بلکہ اس کو ظاہر کرنے والی کوئی ہستی موجود ہے۔ مولانا رومیؒ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بن جاتی جس طرح کوئی لوہا خود بخود تلوار کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا کوئی صانع ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہر مصنوع کا کوئی صانع ہوتا ہے۔ اور ہر مصنوع اپنے صانع کی نشانی ہوتی ہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی نشانی ہیں، وہ خود الٰہ نہیں ہیں۔

رفع کی مزید تفصیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے متعلق مفسرین روایت بیان کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بادل کو مقرر کیا، وہ بادل قریب آیا تو آپ اس میں داخل ہو گئے۔ جب بادل آپ کو لیکر اوپر اٹھا، تو آپ کی والدہ قریب ہی تھیں، انہوں نے آپ کو پکڑ لیا اور چلانے لگیں مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے اکٹھا رہنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اِنَّ الْقِیَامَۃَ تَجْمَعُنَا اب قیامت ہی کو ہم اکٹھے ہوں گے۔ تفسیر جلالین میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ القدر کی رات پیش آیا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ صدیقہ مریمؑ آپ کے اٹھائے جانے کے بعد چھ سال زندہ رہیں،

پھر وفات پاگئیں۔

نزول مسیح

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے ینزل بقرب القیامۃ
مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔ یحکم
بشریعۃ نبینا ہمارے نبی کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے
کیونکہ اُن کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وسلم کے نائب، امتی اور قابل جبرئیل کی حیثیت سے زمین پر آئیں گے۔ قرآن و سنت
کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے
دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیے کو موقوف
کریں گے۔ مسلم شریعت کی ایک اور روایت کے مطابق آپ سات سال تک
زمین پر ٹھہریں گے۔ ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی
زمین پر ٹھہرنے کی کل مدت چالیس سال ہے۔ آپ ۳۳ سال عمر گزار چکے ہیں۔ اور باقی
سات سال دوبارہ نزول پر گزاریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے
کہ نزول ثانی پر یتزوج ویولد لہ آپ نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی۔ ابن
ابی شیبہ اور مسلم کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر
دوبارہ نازل نہیں ہوں گے لا تقوم الساعۃ قیامت برپا نہیں ہوگی
آپ اتریں گے اس حالت میں کہ حکماً فیصلہ کرنے والے ہوں گے مقسطاً
انصاف قائم کرنے والے ہوں گے اور اماماً عادلاً عادل امام بن کر آئیں گے۔
خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے۔ فیکسر
الصلیب آپ صلیب کو توڑیں گے اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی نشانی ہے۔
اُن کا ایمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پہ لٹک کر لوگوں کا کفارہ بن
گئے۔ اسی سبب وہ اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
کہ صلیب بت ہے اور شرک کی نشانی ہے۔ گلے میں لٹکا کر اور گرجے میں رکھ
کر اس کی تعظیم کی جاتی ہے جو اس کی پرستش کے مترادف ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

مسلم شریف [illegible]

کرنہ سولی پہ چڑھایا گیا، اور نہ وہ ہلاک ہوئے

خنزیر کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ عیسائیوں کو ذلیل کریں گے
کیونکہ جب رومی بادشاہ نے عیسائیت قبول کی تو اس زمانے میں انہوں نے
خنزیر کو حلال قرار دیا۔ ورنہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام
کے بعد تمام شریعتوں میں خنزیر حرام رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کفار
سے جزیہ وصول کرنے کی مدت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ہے۔ چنانچہ
آپ کے دوبارہ نزول پر یہ مدت ختم ہو جائے گی اور آپ جزیے کو موقوف
کر دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کریں گے، لہذا
یا تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا تہ تیغ ہو جائیں گے۔ صحیحین میں آتا ہے
کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمن یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جس پتھر
یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے، وہ پتھر یا درخت خود بول کر کہے گا کہ
اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ
نزول کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص صدقہ
خیرات قبول نہیں کرے گا۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ
مَرْیَمَ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ آپ دمشق سے مشرقی جانب
سفید مینار پر اتریں گے۔ وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے۔ جو دمشق
سے بجانب مشرق ہے۔

علامات قیامت

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا قیامت سے پہلے دس بڑی نشانیاں
ظاہر ہوں گی، ان میں سے ایک مسیح علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ اس کے
علاوہ دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا ظہور، سورج کا مغرب کی جانب سے
طلوع، لوگوں کا زمین میں دھنسایا جانا، آگ کا نکلنا اور دابۃ الارض وغیرہ
بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ یعنی عیسیٰ علیہ السلام

نے وفات نہیں پائی فَاِنَّہٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ
کیونکہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف دوبارہ لوٹ کر آئیں گے۔ ابن ماجہ
کی روایت میں معراج کے واقعہ کے متعلق آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ جب
قیامت کا تذکرہ ہوا، تو سب انبیاء نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کب
آئیگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا اَمَّا وَجْبَتُھَا فَلَا یَعْلَمُھَا
اِلَّا اللّٰہُ قیامت کے وقوع کے وقت کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں۔
مجھے تو اتنی بات بتائی گئی ہے۔ کہ میں زمین پہ اُتروں گا اور دجال کو قتل کرونگا
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں یہ آیت آئی ہے وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَۃِ اُس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اسی طرح
آگے آیت آرہی ہے وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ
قَبْلَ مَوْتِہٖ اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں۔ مگر وہ مسیح علیہ السلام
کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔ اہل کتاب ابھی تک تو ایمان سے محروم ہیں
ظاہر ہے۔ کہ یہ پیشن گوئی اُن کے دوبارہ نزول کے بعد پوری ہوگی۔ اُس
وقت جتنے لوگ ہوں گے یا تو ایمان لے آئیں گے یا پھر ختم ہو جائیں گے۔
مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہ مختصر سی بات میں نے عرض کر دی۔

تخلیق عیسیٰ پہ مثال

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ وفد نجران کے عیسائیوں نے حضور علیہ السلام
پہ اعتراض کیا تھا۔ لِمَ تَشْتُمُ صَاحِبَنَا کہ آپ ہمارے صاحب یعنی
عیسیٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں تَقُوْلُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ آپ انہیں اللہ
کا بندہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور الٰہ ہیں۔ نصاریٰ کی اس
احمقانہ بات پہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ
کَمَثَلِ اٰدَمَ اللہ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے
یعنی جس طرح آدم علیہ السلام کا ماں باپ نہیں تھا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام
کا باپ بھی نہیں ہے۔ یہاں ماں تو موجود ہے، آدم علیہ السلام کی ماں بھی نہیں ہے

یہ تو یہودی اور عیسائی سب تسلیم کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ بائیبل اور قرآن دونوں کتابوں میں یہ آیات موجود ہیں۔ لہذا اگر تم آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہو تو عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ گویا اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب و غریب چیز پہ قیاس کر کے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ تو فرمایا بیشک عیسٰی علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی مثال خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نَفَخَ فِیْهِ الرُّوْحَ اس میں جان ڈالی۔ قرآن پاک میں خشک مٹی اور گارے کا ذکر بھی آتا ہے گارے میں جب خمیر پیدا ہوتا ہے تو وہ گل سڑ جاتا ہے۔ یہ وہ عنصر (ELEMENT) ہے جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسے قرآن پاک میں صَلْصَالٍ اور حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ بھی کہا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے دست قدرت سے اس میں روح ڈالی۔ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ پھر اسے کہا ہو جاؤ، تو وہ کامل انسان ہو گیا۔ آدم علیہ السلام کامل انسان تھے۔ عقلمند ایسے کہ نبی سے زیادہ کوئی شخص عقلمند، ذہین اور دانا نہیں ہو سکتا۔ ڈاروِن کا نظریہ بالکل باطل ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ اولین انسان کی تخلیق بطور بندر ہوئی، پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان بن گیا۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ حضور نے فرمایا نَبِیًّا مُّكَلَّمًا آدم علیہ السلام نبی مکلم تھے۔ نبی ہمیشہ کامل انسان ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان اور نبی تھے۔ اور بالکل مکمل انسان تھے۔ سمجھانا یہ مطلوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر ماں باپ کے مٹی سے انسان کی تخلیق کر لیتا ہے۔ تو عیسٰی کو بغیر باپ کے پیدا فرما دینا کون سی مشکل بات ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لہذا عیسٰی علیہ السلام عبداللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں، وہ خود الٰہ نہیں ہیں۔ فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں
یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہو رہا ہے۔ مگر بات سب کو سمجھائی جا رہی ہے
کہ کسی مومن کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ مسیح علیہ السلام
اللہ کے بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو مریم جیسی کنواری عورت کے
بطن سے پیدا فرمایا، وہ الٰہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے
باوجود اگر یہ لوگ جھگڑا کریں گے، تو پھر آگے مباہلہ کا چیلنج بھی آ رہا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: پس جو شخص اس بات میں آپ سے جھگڑا کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے۔ پس کہہ دیجئے آؤ بلائیں ہم اپنی اولادوں کو اور تمہاری اولادوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو، پھر ہم التجا کریں اور گڑگڑائیں، پھر ہم سب اللہ کی لعنت کریں ان لوگوں پر جو جھوٹے ہیں (۶۱) بیشک یہی بات صحیح اور سچا بیان ہے۔ اور نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ کے۔ اور بیشک البتہ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے (۶۲) پس اگر یہ لوگ قبول نہ کریں، تو بیشک اللہ خوب جانتا ہے فسادیوں کو (۶۳)

گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ نہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور نہ خود خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک واضح مثال کے ذریعے سمجھائی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ آپ کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال جیسی ہے۔ جیسے

اللہ نے بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا۔ اگر آدم علیہ السلام الوہیت کے درجے کو نہیں پہنچے، تو عیسیٰ علیہ السلام الٰہ کیسے بن گئے۔

نجران کے عیسائی وفد کا تذکرہ ابتدائے سورۃ ہی سے ہو رہا ہے جب حضور علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کی بحث نے طول پکڑا، اور جھگڑا بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ پس جو شخص اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے فَقُلْ تَعَالَوْا پس آپ اُن سے کہیں آؤ، نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ ہم اپنی اولادوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی اولادوں کو بلاؤ۔ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ہم خود آتے ہیں تم بھی خود آؤ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ پھر ہم سب گڑگڑائیں اور التجا کریں۔ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ کہ اگر واضح دلائل سننے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ آؤ تم خود بھی آجاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان میں لے آؤ۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کریں۔ کہ مولا کریم! جو فریق جھوٹا ہے۔ اس پر تیری لعنت ہو، ایسا گروہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے نصاریٰ کو یہ دعوت دی۔ تو کہنے لگے ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل امام بیضاویؒ یوں بیان فرماتے ہیں لما دعوا الی المباھلۃ قالوا حتی ننظر جب انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی تو کہنے لگے، ہم باہمی مشورہ کرتے ہیں۔ فلما تخالوا جب وہ علیحدگی میں ملے۔ تو ان میں سے ایک جو

زیادہ سمجھدار اور صاحب رائے تھا وہ کہنے لگا وَاللّٰہِ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَہٗ
خدا کی قسم تم اس شخص کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْفَصْلِ
فِیْ اَمْرِ صَاحِبِکُمْ اور تمہارے صاحب یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے
متعلق اس نے فیصلہ کن بات کی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے
اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ ہرگز نہیں ہیں۔ اور میں کہتا ہوں وَاللّٰہِ مَا بَاهَلَ
قَوْمٌ نَبِیًّا اِلَّا هَلَکُوْا خدا کی قسم جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا، وہ قوم
ہلاک ہو گئی۔ فَاِنْ اَبَیْتُمْ اِلَّا اِلْفَ دِیْنِکُمْ اور اگر تم اس رسول
برحق کا انکار کرتے ہو۔ اور اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہو۔ فَوَادِعُوا الرَّجُلَ
تو اس شخص کے ساتھ موادعت کر لو، مصالحت کر لو۔ اور یہاں سے واپس چلے جاؤ۔

مباہلہ سے فرار

چنانچہ وہ لوگ مشورہ کے لیے باہر چلے گئے۔ حضور علیہ السلام خود بھی گھر
تشریف لے گئے۔ اور پھر اس حالت میں باہر آئے کہ حضرت حسینؓ آپ کی
گود میں تھے۔ وَاَخَذَ بِیَدِ الْحَسَنِ اور آپ نے حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑا
ہوا تھا۔ حضرت فاطمہؓ آپ کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔ اور حضرت علیؓ
ان کے پیچھے تھے۔ آپ ان سے فرماتے تھے اِذَا اَنَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا
جب میں مباہلے کے لیے دعا کروں، تو تم آمین کہنا۔ گویا آپ مباہلہ کے لیے
بالکل تیار ہو کر تشریف لے آئے۔ جب عیسائیوں نے آپ کو اس حالت میں
دیکھا تو ان کا لاٹ پادری اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا یَا مَعْشَرَ النَّصَارٰی
اے نصاریٰ کے گروہ! اِنِّیْ لَاَرٰی وُجُوْهًا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں
لَوْ سَاَلُوا اللّٰہَ اَنْ یُّزِیْلَ جَبَلًا مِنْ مَّکَانِہٖ لَاَزَالَہٗ اگر
یہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، تو وہ ضرور ہٹا
دے گا۔ لہٰذا تمہاری خیریت اسی بات میں ہے فَلَا تُبَاهِلُوْا
کہ تم مباہلہ نہ کرو، ورنہ تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔
چنانچہ عیسائیوں کے وفد نے مباہلے کا چیلنج قبول نہ کیا۔ اور ان شرائط پر

صلح نامہ کر لیا۔ کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ تاہم اپنے مذہب اور اپنی رسومات پر قائم رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت نجران کے عیسائیوں نے سالانہ ٹیکس کے طور پر دو ہزار جوڑے کپڑے یعنی حلّے یا بعض روایات کے مطابق عمدہ قسم کے حلّے پائے۔ ان میں سے ایک ہزار سوٹ صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں واجب الادا قرار پائے۔ اس کے علاوہ تیس ۳۰ زرہیں، تیس ۳۰ گھوڑے، تیس ۳۰ اونٹ اور لڑائی میں استعمال ہونے والے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار منجملہ تلوار، نیزہ وغیرہ بھی بطور جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

صلح نامہ طے پا جانے کے بعد نصاریٰ نے کہا کہ ان کے ہمراہ کوئی دیانتدار عامل بھیج دیا جائے جو ٹیکس کی اشیاء وصول کرے اور ہمارے باہمی درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں وہاں تمہاری طرف ایک نہایت ہی امانتدار آدمی بھیجونگا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو اس کام پر مامور فرمایا اور فرمایا لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ ہر امت میں کوئی خاص امانتدار ہوتا ہے۔ اور میری امت کا سب سے بڑا امانتدار ابو عبیدہؓ ہے۔

بخاری اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے اعلان کیا کہ اگر میں نے محمد کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن روند ڈالوں گا۔

لَأَطَأَنَّ عَلَى عُنُقِهِ۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی، تو فرمایا کہ اگر یہ بدبخت ایسی حرکت کرے گا، تو فرشتے اس کو پکڑ لیں گے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس قبیح حرکت کی طاقت نہیں دے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ زندگی میں بڑے حریص ہیں۔ مگر ان کا پختہ ایمان ہے۔

کہ جنت صرف ان کے لیے ہے اور کوئی دوسرا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا تو پھر یہ لوگ موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے ۔ حضور نے فرمایا۔ اگر یہ موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے ۔ اور اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھ لیتے ۔ قرآن پاک کا دعویٰ اس قدر سچا ہے ۔ کہ یہودیوں نے کبھی موت کی تمنا نہیں کی۔ نیز فرمایا کہ اگر نجران کے عیسائی مباہلہ پر آمادہ ہو جاتے ۔ تو جب واپس لوٹتے تو ان کا مال باقی رہتا نہ اہل ۔ ہر چیز فنا ہو جاتی ۔ ایک دوسری روایت میں جسے امام بیضاوی نے نقل کیا ہے یہ الفاظ آتے ہیں ۔ لَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی شکلیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دیتا ۔ اللہ تعالیٰ وادی نجران پر آگ برساتا اور ساری وادی آگ سے بھڑک اٹھتی ۔ پوری وادی میں پرندوں اور درختوں تک کوئی چیز باقی نہ بچتی ۔ بغیر مباہلہ کیے لوٹ جانے سے وہ لوگ اس وبال سے بچ گئے ۔

مباہلہ اور اہل بیت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مباہلہ کے لیے حضور علیہ السلام اپنے اہل بیت کو ساتھ لے گئے جن میں فاطمہ ؓ حسن ؓ حسین ؓ اور علی ؓ کو ساتھ لے کر گئے ۔ شیعہ حضرات اس ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اہل بیت یہی چار ہیں ۔ ان کے علاوہ اور کوئی اہل بیت میں شامل نہیں ہے ۔ حالانکہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں ۔ مگر سب کو ہمراہ لے جانا ضروری نہیں تھا ۔ یہ تو دعا کا مقام تھا ۔ آپ چند افراد کو لے کر فوراً نکل آئے ۔ تاہم مذکورہ روایت میں واقعہ کی پوری تفصیل موجود نہیں ہے ۔

ابن عساکر بہت بڑے مؤرخ گزرے ہیں جنہوں نے بڑی مستند تاریخ لکھی ہے ۔ وہ امام جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد امام محمد باقر سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مباہلہ کے لیے تشریف لائے تو ان کے ساتھ حضرات ابوبکر صدیق ؓ، عمر فاروق ؓ، عثمان غنی ؓ، علی المرتضیٰ ؓ اور ان سب کی اولاد بھی تھی ۔ یہی روایت امام جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں اسی طرح بیان کی ہے ۔ اور یہی روایت تفسیر روح المعانی میں بھی موجود ہے ۔

ہے۔ تاہم پہلی مذکورہ روایت میں باقی تین حضرات اور اُن کی اولاد کا ذکر نہیں ہے دونوں روایات کو جمع کرنے سے پوری صورت حال سامنے آجاتی ہے۔

شیعہ حضرات تو حقائق کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ حضور علیہ السلام کی کسی دوسری بیٹیؓ کو تسلیم ہی نہیں کرتے حالانکہ آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت رقیہؓ ۲ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ غزوہ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو رقیہؓ مدینہ میں فوت ہو گئیں۔ آپ اُن کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہو سکے۔ بدر سے واپس آکر اُن کی قبر پہ جا کر دُعا کی۔ اس کے بعد ام کلثومؓ کا حضرت عثمان غنیؓ سے نکاح ہوا مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی وفات پا گئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ ۸ھ میں فوت ہوئیں، اس کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں پیش آیا، جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ۸ھ تک فوت ہو چکی تھیں۔ مگر نہایت افسوس کا مقام ہے۔ کہ شیعہ سوائے حضرت فاطمہؓ کے آپ کی کسی اور صاحبزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ان حضرات کا معتبر مصنف ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مباہلے کے لیے نکلے تو مہاجرین اور انصار سب آپ کے ساتھ تھے۔ قرآن پاک نے ازواج مطہرات کو صریحاً اہل بیت فرمایا ہے خود حضور علیہ السلام نے ایک ——— موقع پہ ازواج کو اہل بیت میں شریک کیا تھا۔ لہٰذا شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

مباہلہ کی مشروعیت

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تو مباہلہ فرمایا، کیا یہ آپ کے بعد بھی ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے محققین فرماتے ہیں کہ مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر

بعض فرماتے ہیں۔ کہ مباہلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص مباہلہ کرے گا، تو اس کے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جو حضور علیہ السلام کے اپنے زمانے میں ہوتے، تاہم اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں، کہ جب نصاریٰ حضور علیہ السلام کے مقابلہ پہ آئے تو ان کے سمجھداروں نے کہا، اے گروہ نصاریٰ! تم خوب سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اور انہوں نے مسیح علیہ السلام کے متعلق بڑی واضح اور فیصلہ کن بات کی ہے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل میں آخری نبی بھیجنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی نبی ہوں جن کی بشارت ہم سنتے چلے آئے ہیں۔ یاد رکھو! نبی کے ساتھ مباہلہ کسی قوم کے حق میں اس کے سوا کیا نکل سکتا ہے کہ ایسی قوم کا کوئی چھوٹا بڑا عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کو لوٹ جائیں۔ ہم سارے عرب سے لڑائی مول نہیں لے سکتے آخر آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ حسنؓ، حسینؓ، فاطمہؓ اور علیؓ کو ساتھ لیے باہر تشریف لائے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر عیسائیوں کے لاٹ پادری نے کہا، میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو بھی ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے۔ تم ان سے مباہلہ کر کے اپنی ہلاکت کو دعوت نہ دو۔ ورنہ زمین پہ ایک بھی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ بخر انہوں نے مقابلہ ترک کر دیا۔ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

مولانا عثمانی رح لکھتے ہیں کہ قرآن پاک نے یہ نہیں بتایا کہ مباہلہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ مباہلے کا اثر آپ کے بعد بھی وہی ہونا چاہیے جو آپ کی موجودگی میں ہونے والا تھا۔ البتہ بعض سلف اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلے کی مشروعیت اب بھی باقی ہے۔

مگر یہ صرف انہی معاملات میں ہو سکتا ہے، جن کا قطعی ثبوت موجود ہو۔ اب مباہلے
میں عورتوں اور بچوں کو شریک کرنا بھی ضروری نہیں۔ اور اس قسم کا عذاب آنا بھی
لازمی نہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آتا۔ تاہم اس وقت مباہلہ اتمام حجت
اور بحث و مباحثہ کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔

مولانا عثمانی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں مباہلہ ایک عام کاذب
کے ساتھ نہیں بلکہ کاذب معاند (عنادو کجروالا) کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ امام
ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اَنْ یُّبَاهِلَ مَنْ
عَانَدَ الْحَقَّ فِیْ اَمْرِ عِیْسٰی بَعْدَ ظُهُوْرِ الْبَیَانِ
کہ آپ ایسے شخص کے ساتھ مباہلہ کریں جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حق کے
ساتھ عناد رکھتا ہے۔ جب کہ دلائل و براہین کے ساتھ بات بالکل واضح
ہو چکی ہے۔ اور تمام قرآن سے ثابت ہو گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے
پیدا کیے ہوئے اس کے بندے ہیں، وہ خود الٰہ نہیں ہیں، بہرحال مباہلہ
اب بھی جائز ہے مگر اس قسم کے ٹھوس معاملات میں۔ بعض لوگ معمولی مسائل
مثلاً فاتحہ خلف امام یا آمین وغیرہ میں مباہلہ پہ تیار ہو جاتے ہیں یہ درست نہیں ہے

فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ بے شک البتہ یہ بیان ہے سچا ہے مسیح علیہ السلام
کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ بالکل صحیح ہیں۔ قصص قصہ کی جمع ہے
اور قصہ واقعہ کو کہتے ہیں۔ قَصَّ يَقُصُّ بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔
اس مقام میں قصص مصدر معنی بیان کے ہے قص کا اصل معنی نقش قدم کو تلاش کرنا ہے
قاص واعظ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی واقعات کے پیچھے چلتا ہے الغرض فرمایا کہ مسیح علیہ السلام
کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، بالکل صحیح بیان ہے
وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ یعنی مستحق عبادت نہیں ہے
وہ نافع اور ضار ہے، خالق، قیوم، قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے
وہ ازلی ابدی قائم و دائم ہے۔ وہی بگڑی بنانے والا ہے۔ وہی مشکل کشا اور حاجت روا

ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ اور بعض دوسری سورتوں
میں بھی عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں تفصیل سے موجود ہے کہ وہ خود بھی محتاج
ہیں۔ فرمایا وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ بیشک خدا تعالےٰ
ہی غالب اور کمال قوت رکھنے والا حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت سے چاہے
کسی کو بغیر باپ کے یا ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمائے۔ وہ کمال حکمت
کا مالک ہے۔

مفسدین کو تنبیہ

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ حق واضح ہو جانے کے
بعد بھی خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہ کریں۔ اور اسی طرح عناد کرتے رہیں، تو آپ فرما
دیجئے فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں
کو خوب جانتا ہے۔ اور زمین میں سب سے بڑا فساد شرک ہے۔ کیونکہ امن کا قیام
ایمان، توحید، اطاعت اور نیکی سے ہی ممکن ہے۔ کفر، شرک اور برائیوں سے
بدامنی، فساد، بداعتقادی، ذہنی پستی اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا
خوب اچھی طرح سمجھ لو، کہ فسادی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ فساد کی خاطر کفر و
شرک کا ارتکاب کرنے والے اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ
ان کو ضرور سزا دیگا۔

درس بست یک ۲۱ — آیت ۶۴

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمے کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر (مسلم) ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب اللہ کے سوا۔ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو، تم گواہ رہو بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۴﴾

ربط آیات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ البقرہ میں روئے سخن زیادہ تر یہودیوں کی طرف تھا۔ اور اس سورۃ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تردید ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً ۸۳ آیات نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے مگر جب آپ نے مباہلہ کا چیلنج پیش کیا، تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو کر صلح کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں گروہوں کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے آج کی آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے نبی (علیہ السلام) آپ فرما دیجیے اے اہل کتاب (یعنی اے تورات کے ماننے والے یہودیو! اور انجیل کے ماننے والے عیسائیو!) یہ دونوں گروہ کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے اور انہیں ایذا پہنچا کر کفر کا ارتکاب کیا جب کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کا درجہ دے کر شرک کو اختیار کیا۔ اُس زمانے میں اہل کتاب کے علاوہ ایران کے آتش پرست مجوسی تھے۔ اور وہ بھی مشرک۔ عرب کے لوگ جو اپنے آپ کو ابراہیمی کہلاتے تھے، وہ بھی کفر و شرک میں غرق تھے۔ نزول قرآن کے زمانے میں کوئی اکا دکا آدمی ہی ملت ابراہیمی پہ چلنے والا ہو گا۔ ورنہ سب کے سب کفر و شرک کی ظلمات میں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ عقیدہ توحید

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان علیہ السلام سے اہل کتاب کو کہلوایا تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ایک ایسے کلمے کی طرف آجاؤ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یعنی مسلم ہے۔ اس بارے میں تورات، انجیل اور قرآن کی بات مساوی ہے۔ اور وہ ہے مسئلہ توحید جو سب کا مشترکہ مسئلہ ہے یعنی اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس مسئلہ پہ تورات، انجیل اور قرآن پاک متفق ہیں بلکہ ہر نبی کی یہی تعلیم ہے۔ لہٰذا ہم سب اس پہ کاربند ہو جائیں۔ قرآن پاک نے یہی مسئلہ دوسرے مقام پہ یوں بیان فرمایا "فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ" پس اللہ کی عبادت کرو اپنے دین کو اسی کے لیے خاص کر کے ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا "يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ" اے قوم! صرف اسی ایک خدا کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا اور اس کے ساتھ ہم کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ امام ابن کثیرؒ لفظ شَيْئًا کی تفسیر

میں سکتے ہیں لَا وَثَنًا وَّلَا صَلِیْبًا وَّلَا صَنَمًا وَّلَا طَاغُوْتًا وَّلَا نَارًا وَّلَا شَیْئًا یعنی آؤ ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ نہ بت کو شریک بنائیں گے، نہ صلیب کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ طاغوت کے متعلق قرآن پاک کی تعلیم موجود۔ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ طاغوت سے بچو۔ شاہ عبدالقادرؒ نے طاغوت کا معنی "ہڑدنگا" کیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی کے بنانے سے نہیں بلکہ خود ہی چودھری بن جائے۔ اور یہ شیطان کی خصلت ہے بلکہ ساری باطل طاقتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے کہ آؤ ہم سب مل کر اپنی عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیں۔ چنانچہ ہر مومن ہر نماز کی ہر رکعت میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہم تجھے ہی عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ لَا نَعْبُدُ غَیْرَكَ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ مگر عیسائیوں نے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس تین مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب طغوبہ ہے بالکل مشرکانہ عقیدہ۔ نہ تو تین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں۔ یہ سب بناوٹی عقیدے ہیں۔ یہ باتیں پولس نے عیسائیوں کے عقیدے میں داخل کیں۔ انجیل کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتار ہے اور نہ کوئی اس کا مظہر ہے۔ یہ تو ہنود کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی ان کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص اوتار یا مظہر خدا کہلاتا ہے۔ کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت مریمؑ کی تصویریں کو گرجوں میں رکھ کر ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔ ان کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ مسیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپائیت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے بڑے راہنماؤں کو الوہیت کے درجے پر پہنچا

دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں اولیاء پرستی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ شہداء پرستی اور پیر پرستی مسلمانوں میں عام پائی جاتی ہے۔ اُن کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی خدا کی کرنی چاہیئے۔ اُن کی بات کو خدا اور رسول کی بات سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اُن کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ اور اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز دیتے ہیں۔

قبر پرستی

قبر پرستی کی بیماری یہود و نصاریٰ میں تھی اور اب مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ حکومت خود اس معاملے میں پیش پیش ہے۔ چادریں چڑھائی جا رہی ہیں۔ قبروں کی بے جا تعظیم ہو رہی ہے۔ یہ سب شرکیہ رسوم اور اسراف ہے بھائی! قبروں پر جا کر وہ کام کرو جو شریعت سے ثابت ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں جا کر فاتحہ پڑھو، اور فوت شدگان کے لیے دعا کرو۔ حضور علیہ السلام نے خود اپنے متعلق فرمایا اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اے اللہ! میری قبر کو صنم یا بت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں۔ اس زمانے میں قبر پرستی کی بہت سی صورتیں رائج ہیں۔ یہ عرس کیا ہے۔ شرک و بدعت کے ارتکاب کا ایک طریقہ ہے۔ قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُجَصِّصُوْا قبروں پر چونا نہ لگاؤ۔ مگر اب چپس ہو رہے ہیں۔ گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ نقش و نگار ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! یہ اینٹ، مسالا کسی غریب کو دے دو، اُس کے سر چھپانے کے لیے جھونپڑی بن جائے اور تمہیں ثواب بھی حاصل ہو۔ کسی محتاج کی دعائیں لو، قبروں پر چراغاں کرنے، بلب لگانے اور پنکھے نصب کرنے سے کیا حاصل۔ یہ تو صریحاً قبر پرستی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں۔ آپ کا لقب سلطان الہند ہے۔ تقریباً نوے لاکھ انسانوں کو آپ کی وساطت سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی طرح سید خواجہ علی ہجویریؒ اپنے پیر و مرشد حضرت ختلیؒ کے حکم سے لاہور تشریف لائے اور تبلیغ کا کام کیا۔ جب آپ کو لاہور آنے

کا حکم ہُوا، تو عرض کیا حضرت! وہاں تو سید میراں حسین زنجانیؒ تبلیغ دین میں مصروف ہیں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ فرمایا، جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے آئے۔ جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ نظر پڑا۔ دریافت کیا تو معلوم ہُوا، کہ سید میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ جا رہا ہے۔ غرضیکہ خواجہ اجمیریؒ نے ہندوستان میں دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ اُن کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص اُن کی قبر پر یا سالار مسعود غازیؒ کی قبر پر اس غرض سے جاتا ہے کہ اُن سے کوئی حاجت طلب کرے، وہ قتل اور زنا سے زیادہ سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ اُن کی بلندی درجات کے لیے دُعا کرنا تو جائز ہے مگر قرآن کے مطابق کسی کی مراد پوری کرنا اور حاجت روائی کرنا تو صرف شانِ خداوندی ہے۔ یہ ان بزرگوں کی شان نہیں ہے۔ دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اُن کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کے واسطے سے ہمارا خاتمہ بالخیر ہو۔ جنت میں اُن کی معیت نصیب ہو۔ ایصالِ ثواب کرنا ہے۔ تو اپنے گھر پر ہی مساکین کو کھانا دو، کپڑے پہنا دو۔ دیگر ضروریات مہیا کر دو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر خواجہ معین الدین چشتیؒ کو یا خواجہ مسعود سالار غازیؒ کو یا حضرت علی ہجویریؒ کی روح مبارک کو پہنچا دے۔ ان کے درجات بلند کرے۔ یہ سب کچھ اپنے مقام پر بھی ہو سکتا ہے وہاں چل کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

شرک کی لعنت

حکام پرستی اور ملوک پرستی بھی شخصیت میں شامل ہے اور شرک ہی کی قسم ہے۔ بابل پاکستان میں نمرود کے زمانے میں لوگ ملوک پرستی میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کو الٰہ کا درجہ دیتے تھے۔ بادشاہ کو کلی اختیار تھے، جو چاہتے کرتے انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ نہ کسی کو حاضر و ناظر مانیں، نہ مختارِ کل،

نہ علیم کل، نہ مشکل کشا اور حاجت روا۔ کسی کو پیر دستگیر اور غوث اعظم بھی[1] تسلیم نہ کریں
یہ سب مشرکیہ باتیں ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کے لیے لائق ہیں۔ ما فوق الاسباب حاجت روائی
اور مشکل کشائی صرف خدا کی ذات ہی کر سکتی ہے۔ جگہ جگہ یا علی اور یا غوث لکھا ہوا ہے
یہ سب شرک کی نشانیاں اور غلط عقیدے کا اظہار ہے۔ پیروں کے سامنے رکوع
اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ قبروں پر بھی سجدے ہوتے ہیں۔ یہ تو انجیل نے بھی منع
کیا ہے۔ وہاں یہ آیت موجود ہے۔ خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت
کر مگر عیسائی اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ یا
اللہ مانتے ہیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہی
معاملہ کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

آگے فرمایا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہم میں
سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنالیں۔ کسی کو رب بنانا بھی کفر اور شرک
میں داخل ہے۔ لَا رَبَّ سِوَاهُ خدا کے سوا کوئی رب نہیں۔ ہم بار بار پڑھتے ہیں
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ قُلْ اَعُوْذُ
بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ معنی یہ کہ ربوبیت کا مالک، پرورش
کرنے والا کسی چیز کو درجہ کمال تک پہنچانے والا اور تمام اسباب مہیا کرنے والا

---

[1] بزرگان دین کے کلام میں پیر دستگیر اور غوث اعظم وغیرہ الفاظ بعض مقامات پر استعمال کیے
گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس سے ہرگز وہ معانی مراد نہیں لیے جو اہل شرک مراد لیتے ہیں۔
بلکہ غوث سے مراد یہی مقبول کارآمد مستجاب الدعوات ہستی جن کی دعاؤں اور برکات سے اللہ تعالیٰ
لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے اور یہ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور روحانی فیض پہنچاتے ہیں۔ ان لوگوں
کی طرح طرح کی مشکلات اور ضروریات کی گرہ کشائی ان حضرات کی تعلیم و تربیت، تلقین
و تزکیہ نفس، دعاؤں اور توجہات وغیرہ کی وجہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ۱۲

عبد الحمید سواتی

تصرف اور تصرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ توحید کے دو درجے تو مشرک بھی مانتے ہیں یعنی واجب الوجود اور خالق۔ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا کی ذات واجب الوجود ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ مگر تیسرے اور چوتھے درجے میں جا کر بیماری ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ تدبیر کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی مدبر ہے۔ وہی ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ مگر مشرک لوگ یہاں آ کر پھسل جاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو بھی تدبیر کنندہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اسکی نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں یہودی عزیر علیہ السلام کی طرف اور باقی مشرک کسی اور طرف۔ اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے خلوص کے ساتھ انتہائی درجے کی تعظیم صرف خدا کی ہی ہو سکتی ہے کوئی دوسری ہستی مستحق عبادت نہیں ہے۔ مگر حال یہ ہے۔ کہ لوگ مالی اور جانی ہر قسم کی عبادتیں خدا کے علاوہ دوسروں کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اور اس طرح شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے پیر و مرشد امام جعفر صادقؒ سے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے فرزند! یہ فرمائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کبھی کسی کے سپرد کی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا۔ معاذ اللہ! اللہ نے اپنی ربوبیت کسی کے سپرد نہیں کی۔ ربوبیت کے کام وہ خود انجام دیتا ہے لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت کرنا اور غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا بھی بعض کو بعض کا رب بنانا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا قول ہے۔ کہ زیادہ تر ارباباً من دون اللہ تحلیل و تحریم کے بارے میں ہے۔ اس کا پتہ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے ایک واقعہ سے چلتا ہے۔ حاتم طائی

کی سخاوت ضرب المثل بن چکی ہے۔ امام ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب الشعر والشعراء میں تذکرہ کیا ہے۔ کہ حاتم کی سخاوت کو شہرت ایسے ہی حاصل نہیں ہوگئی، اس شخص نے انیس ۱۹ مرتبہ اپنا گھر بار، مال و متاع لٹا دیا تھا۔ عیسائی مذہب رکھتا تھا اور اسی پہ اس کی موت واقع ہوئی، اُس کا بیٹا عدیؓ بن حاتم بھی عیسائی تھا اور ابتداء میں اسلام کا سخت مخالف تھا۔ مگر کسی نیک آدمی کے مشورہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوا۔ اس کی بہن کو بھی ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ عدیؓ خود بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت فِی عُنُقِی صَلِیبٌ مِنْ ذَهَبٍ میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آنحضرت علیہ السلام نے دیکھتے ہی فرمایا اَلْقِ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ اس بت کو اپنی گردن سے اتار پھینک۔ گویا آپ نے صلیب کو وثن کہا۔ صنم اور وثن میں فرق یہ ہے۔ کہ جو بت گھڑا ہوا ہے، وہ صنم کہلاتا ہے۔ اور جو ان گھڑا ہو، اُسے وثن کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے صلیب کو وثن فرمایا۔ نیز حضور علیہ السلام نے یہ بھی تلاوت فرمایا اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ان یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔ حضرت عدیؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! مَا كُنَّا نَعْبُدُهُمْ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ رب تو جب بناتے جب ان کی عبادت کرتے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَلَيْسَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُحِلُّوْنَ لَهُمْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کیا یہ واقعہ نہیں ہے۔ کہ اہل کتاب کے مولوی اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دیتے تھے اور وہ لوگ اُسے حلال ہی سمجھتے تھے۔ نیز یہ کہ جس چیز کو اللہ نے حلال فرمایا یہ درویش اُس چیز کو حرام قرار دے دیتے تھے۔ اور وہ لوگ اسے حرام ہی سمجھتے تھے۔ حضرت عدیؓ نے عرض کیا حضور! ایسا تو ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہی تو رب بنانا ہے۔ کیونکہ حلال و حرام اُن کے اختیار میں نہیں تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے۔ البتہ جب اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حلت یا حرمت کی قطعی علامت ہے۔ نبی خود حلال و حرام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔

جس چیز کو مجتہد حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیا ہے۔ انہیں خود ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا نبی کو اختیار نہیں مجتہد کو کیسے ہو سکتا ہے۔

شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون یعنی اُن کے امام معصوم ہیں وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں مگر حقیقت یہ ہے کہ معصوم صرف نبی کی ذات ہے۔ یہ گارنٹی صرف اُسے حاصل ہے کہ اُس سے گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لہذا شیعوں کا عقیدہ اس معاملے میں درست نہیں ہے۔

حضور علیہ السلام نے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو بذریعہ خطوط و مکاتیب اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط میں ایک خط قیصر شاہ روم کے نام بھی تھا۔ یہ دعوت نامہ آپ نے ۶ ھ میں دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کے ہاتھ گورنر شام کی معرفت بھیجا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۰ مِنْ مُّحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی یہ خط اللہ کے رسول محمد علیہ السلام کی طرف سے رومیوں کے بادشاہ ہرقل جو عظیم ہے رومیوں کا کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی تابعداری کی اما بعد فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ اسلام قبول کر لو، اللہ دوہرا اجر دیگا۔ عیسائیت کے بعد اگر ایمان لے آؤ گے تو عیسائیت کا اجر بھی ملے گا اور اسلام لانے کا

ملہ بخاری ص۵ ج۱ (فیاض)

اجر بھی یعنی دوہرا اجر ملے گا۔ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ اور اگر تم روگردانی کروگے فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْيَرِيسِيِّينَ تو تمام رعیت کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے سب لوگ ایمان سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کے بعد یہ آیت لکھی جو آج کے درس میں آئی ہے۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی سنتوں میں پہلی رکعت میں پہلے پارے کی یہ آیت تلاوت فرماتے تھے۔ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اور دوسری رکعت میں آج کی آیت يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تلاوت فرماتے بعض اوقات آپ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص بھی تلاوت فرماتے۔ یہ آیات اور سورتیں عقیدہ توحید اور تردید شرک پر مشتمل ہیں۔ اس لیے بڑی اہم ہیں۔ ان میں اسلام کی بنیادی باتیں اور اسکی دعوت ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ
اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ
بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ
كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ
هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب (تم) کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے (۶۵) سنو اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس چیز میں جس کا تمہیں علم تھا، اب کیوں جھگڑا کرتے ہو اُس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۶۶) ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی مگر وہ حنیف (سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف ہو گئے تھے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار) تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (۶۷) بیشک لوگوں میں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارساز)

سبق (۶۸)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اہل کتاب کو اُس کلمہ توحید کی دعوت دی گئی تھی، جو تمام انبیاء علیہم السلام، تمام کتب اور تمام شرائع کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، اور ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار اور رہبان کو رب بنا لیا۔ اور رب بنانے سے مُراد یہ ہے کہ جس چیز کو مولوی اور درویش حلال قرار دے دیں اُسے حلال سمجھ لیا جائے اور جسے حرام کہیں اس کو حرام ہی سمجھ لیں۔ گذشتہ درس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اس کے سوا کسی کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں البتہ جب نبی کسی چیز کو حلال یا حرام کہتا ہے، تو اس کو قطعی سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ نبی وہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ آج کے درس میں بھی خطاب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ اور ان کے آپس کے اُس جھگڑے کے متعلق ہے، جو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کرتے تھے۔

شانِ نزول

حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب نجران کے عیسائی حضور علیہ السلام کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کے لیے مدینے آئے، تو مدینے کے یہودی بھی جمع ہو گئے۔ عیسائیوں کا لاٹ پادری بھی وفد میں شامل تھا، اودھر یہودیوں کے علماء بھی اکٹھے ہو گئے اور یہ دونوں گروہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ یہودی کہتے تھے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے طریقے پر تھے۔ مگر نصاریٰ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام عیسائیوں کے طریقے پر تھے۔ مگر دوسرا گروہ اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ گویا دونوں گروہ اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی پیش ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں کی تردید فرمائی۔ کہ دونوں فریق ابراہیم علیہ السلام

کے طریقے سے ہٹ چکے ہیں۔ لہذا ان کی خالی نسبت کا کچھ فائدہ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ اے یہودیو اور عیسائیو! لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ حالانکہ آپ کو یہودیت سے کیا تعلق۔ یہودیت تو تورات کو مسخ کرنے سے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس تورات کو نازل فرمایا یہودیوں نے اس میں تحریف کی۔ اس میں قطع برید کرنے کے بعد کچھ چیزیں اپنی طرف سے ملا لیں اور بعض اصلی احکام چھوڑ دیئے۔ اس طرح تورات اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی۔ گویا یہودیت موسیٰ علیہ السلام کے بگڑے ہوئے دین کا نام ہے۔

اسی طرح عیسائیت انجیل کو بگاڑنے سے پیدا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے حواری تو آپ کو مانتے تھے اور آپ کے دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ مگر جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تو انجیل میں ردوبدل شروع ہو گیا۔ روم کے مشرک بادشاہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ اس کی رعایا بھی اسی دین میں شامل ہو گئی پھر انہوں نے بہت سی مشرکانہ رسوم عیسائیت میں داخل کر دیں۔ عقائد بھی بدل دیئے۔ پولس کی تعلیم کے ذریعے ابنیت کا عقیدہ وضع کیا گیا۔ یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اسی طرح تین خداؤں کا عقیدہ ایجاد ہوا۔ غلط عقائد اور مشرکانہ رسوم نے اصل مذہب کو باقی نہ رہنے دیا اور اس طرح عیسائیت یا نصرانیت معرض وجود میں آئی۔ عیسائیوں کے مولویوں اور پادریوں نے انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دینے کا مسئلہ قسطنطین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب رومیوں کا بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا تو خنزیر کو حلال قرار دے کر کھانا شروع کر دیا گیا حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد

بعد کی بات ہے۔ الغرض! عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بگڑے ہوئے دین کا نام ہے۔

ہندوانہ رسوم

ہمارے ملک میں بھی دین کے ساتھ کم و بیش ایسا ہی ہوا ہے۔ آج کی بیشتر رسوم ہندوؤں سے ماخوذ ہیں۔ خصوصاً موت کی رسوم بشمول تیسرا، ساتواں، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ ہندوانہ رسمیں ہیں۔ آریاؤں کی آمد کے بعد برصغیر میں ہندو مذہب اختیار کر لیا گیا، اور ان کی رسوم صدیوں تک اس ملک میں جاری رہیں۔ پھر جب اسلام آیا تو یہی رسوم اسلام میں داخل ہو گئیں۔ شادی بیاہ کے سلسلہ میں گانا، سہرا، باجا گاجا وغیرہ سب ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ یہ چیزیں اسلام کے ساتھ عرب سے نہیں آئیں۔ بلکہ یہاں پر دین میں داخل کر لی گئیں۔ شب معراج اور دیگر مواقع پر چراغاں کی بیماری مجوسیوں کے راستے سے آئی کیونکہ وہ آگ کو مقدس مانتے تھے۔ ہندو بھی بتی دیوالی اور دسہرے کے موقع پر چراغاں کرتے تھے، مسلمانوں میں بھی جاری ہو گیا۔ الغرض! جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے غلط عقیدے اور رسوم اپنے دین میں داخل کر کے اصل دین کو بگاڑ دیا، اسی طرح مسلمان بھی اس کام میں اُن سے پیچھے نہیں رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کا نزول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک ہزار سال بعد ہوا، اور انجیل کے نزول کے وقت تو دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والی یہودیت یا نصرانیت کیسے چسپاں کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں۔ تو جو کتابیں اُن کے بعد نازل ہوئیں تم ان کی نسبت اُن کتابوں کی طرف کیسے کرتے ہو۔ عقل کی بات کرو۔ پھر تنبیہ کے طور پر فرمایا هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

تم نے اُس چیز میں تو جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا۔ کہ ان پہ نازل شدہ
کتابیں کسی نہ کسی شکل میں تمہارے پاس موجود تھیں۔ لہٰذا ان کے متعلق تمہارا اختلاف
رائے کسی حد تک قبول کیا جا سکتا ہے۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ
لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ مگر تم اُس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا
تمہیں سرے سے علم ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیح صحیفہ تمہارے
پاس نہیں۔ ان کی کسی تعلیم پہ تمہارا عمل نہیں۔ لہٰذا ان کی طرف غلط باتیں کیوں منسوب
کرتے ہو۔ کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے
فرمایا مَا کَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا ابراہیم علیہ السلام
نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وَلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا بلکہ وہ تو حنیف
اور مسلمان تھے۔ حنیف اُس کو کہتے ہیں۔ جو سب طرف سے ہٹ کر ایک
طرف لگ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تعلیم دی حُنَفَآءَ لِلّٰهِ اللہ
کیلئے حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کی اطاعت میں آجاؤ اور
مشرک نہ ہو۔ چنانچہ ابراہیم (علیہ السلام) تو حنیف ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے
سامنے عرض کیا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے ہر طرف سے منہ
موڑ کر اپنا رشتہ اُس اللہ جل جلالہٗ سے جوڑ لیا ہے۔ جو آسمان و زمین کا خالق
ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو ابراہیم
کو ماننے والا ہے۔ فارسی تفسیر فتح الرحمٰن کے حاشیے پہ لکھا ہے کہ حنیف وہ
شخص ہے۔ جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ جو بیت اللہ کا حج کرتا
ہے۔ جو ختنہ کرتا ہے، جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی عبادت

کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ سب حنیف کی علامتیں ہیں، تو کوئی مشرک آدمی حنیف کیسے ہو سکتا ہے، مشرک اور حنیف تو متضاد صفات ہیں۔

فرمایا ابراہیم علیہ السلام حنیف بھی تھے اور مسلمان بھی۔ دراصل حنیف اور مسلمان ہونا ایک ہی چیز ہے۔ اسلام کا معنیٰ اطاعت اور فرمانبرداری ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا اَسْلِمْ فرمانبردار ہو جاؤ اسلام قبول کر لو۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا، ہاں مولا کریم! میں نے تیری فرمانبرداری قبول کر لی۔ میرا تو مقصد حیات ہی تیری اطاعت ہے۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ یہ اپنی نسبت غلط طور پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

بزرگوں کی طرف نسبت

بزرگوں کی طرف خالی نسبت کی وبا مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اپنے آپ کو سلفی کہلانے والے کیا واقعی اسلاف کے طریقے پر چل رہے ہیں، محض دعویٰ ہے، کام الٹے ہیں۔ اسی طرح آجکل حنفیوں کی اکثریت امام ابو حنیفہؒ کے عقیدے سے بالکل مختلف عقیدہ رکھتی ہے۔ قادری اپنی نسبت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرتے ہیں مگر ان کا معاملہ آپ کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے یہود و نصاریٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ شیخ جیلانیؒ کا عقیدہ پاک تھا، ان کا عمل پاکیزہ تھا، اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے مگر ان کی طرف نسبت رکھنے والے شرک و بدعت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہی حال نقشبندیوں اور چشتیوں کا ہے۔ آجکل چشتی گانے بجانے والے کو سمجھا جاتا ہے۔ کیا خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی یہی تعلیم تھی؟ خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ کا دروازہ سال کے بعد کھولو، لاکھ دو لاکھ آدمی اس میں سے گذر گئے تو چشتی اور جنتی ہو گئے۔ العیاذ باللہ۔ یہ بزرگ اعلیٰ درجے کی روحانیت کے مالک تھے۔ پکے توحید پرست اور متبع سنت تھے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چشتیوں کی طرف

یہ منسوب کرنا کہ وہ گانے بجانے کے قائل تھے، بالکل غلط ہے۔ اس برصغیر میں جس قدر اتباع سنت چشتیوں میں پایا گیا ہے، کسی اور مسلک میں نہیں ملتا۔ اسی مہینے میں حضرت علی ہجویریؒ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ مزار کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے چادریں چڑھاتے ہیں۔ اب ان مزاروں پر گنبد بن گئے ہیں۔ جیبیں لگ گئے ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ ؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اولیاء کے برصغیر میں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ شرک و بدعات سے منع کیا جائے۔ مگر اب خود مسلمان ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو اس برائی سے کون روکے گا۔ یہاں تو آمدنی سے غرض ہے۔ چڑھاوے کی آمدنی کھانے پینے اور ملازموں کی تنخواہوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی نسبت حضرت علی ہجویریؒ کی طرف کرتا ہے اور پھر شرک و بدعت کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ وہ خود بھی جھوٹا ہے اور اس کی نسبت بھی غلط ہے۔

خواجہ گیسو درازؒ گلبرگہ دکن میں رہنے والے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے ان کی کم و بیش سو کتابیں ہیں۔ ان میں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ تصوف پہ کتابیں ہیں مکتوبات بھی ہیں۔ ان کتابوں میں شرک کی واضح تردید موجود ہے کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک جوگی کوئی عمل بتانے کے لیے آیا مگر ہزار منت کے باوجود آپ نے وہ عمل نہیں سیکھا۔ فرمایا مجھے تمہارے عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا قرب دلانے والے عمل موجود ہیں۔ ہم سونا بنانے کا عمل سیکھ کر کیا کریں گے آپ متوکل علی اللہ اور معلم تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ عبادت و ریاضت کے شیدائی تھے۔ دو رکعت میں پورا قرآن کریم اور چار پارے تلاوت فرماتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا مجاہدہ تھا کہ بیس برس تک زمین پہ پشت لگا کر نہیں سوئے۔ نیند کا غلبہ ہوا تو بیٹھے بیٹھے ہی آرام کر لیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کا حال دیکھو۔ اُن کے ماننے والوں نے عرس منانے پر ہی اکتفا کر لیا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا میں مجددیت کو ترقی دے رہے ہیں۔ یہ سب غلط نسبتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیت یا نصرانیت کی محض ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کچھ فائدہ نہیں دیگی۔ ان تمام بزرگوں کی طرف نسبت اُسی وقت مفید ہو سکتی ہے۔ جب اُن کا عقیدہ اور عمل بھی اپنایا جائے۔ آجکل تو محض مزار بنا لینا اس پر عمارت بنا کر قوالی کرا لینا اور عرس منا لینا ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ عقیدے اور عمل کو کون جانچتا ہے۔ یہاں گوجرانوالہ میں ایک پاگل یا فاترالعقل کا مزار بنا دیا گیا ہے۔ کسی نے نہیں روکا کہ کیا کر رہے ہو۔ تمہارے شہر میں اُس دیوانے کی قبر پر چڑھاوے چڑھنے لگے ہیں۔ وہ بیچارہ مجنون تھا یا مجذوب تھا۔ بہرحال غیر مکلف تھا۔ اُس کو خدا کا ولی بنا کر پوجا پاٹ شروع کر دی۔ کیا ایمان اور توحید اسی چیز کا نام ہے؟

حضرت ابراہیم کے متبعین

فرمایا یاد رکھو! اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ بیشک ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کے دور میں اُن کا صحیح اتباع کیا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت آپ کے ساتھ درست ہے۔ اس کے علاوہ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ خاتم النبیین اور آپ پر ایمان لانے والے جو درحقیقت ابراہیم علیہ السلام کے متبع ہیں یہ بھی اُن سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کریں۔ یہود و نصاریٰ کو یہ حق قطعاً نہیں پہنچتا۔ فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ ہی مومنوں کا کارساز ہے۔ ولی کا معنی رفیق، سرپرست، دوست اور کارساز ہے۔ جو کوئی اللہ پر ایمان لاتے پھر وہ اُس کا کارساز بن جاتا ہے۔ پھر اُسے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

درس بست و سہ ۲۳ | آیت ۶۹ تا ۷۱

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸ / ۱۵

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو، اور وہ نہیں سمجھتے ﴿۶۹﴾ اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور تم گواہ ہو ﴿۷۰﴾ اے اہل کتاب! کیوں ملاتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو، اور تم جانتے ہو ﴿۷۱﴾

ربط آیات

گزشتہ درس میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں جھگڑا یہ تھا کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی تردید فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو حنیف اور مسلمان تھے۔ یہودیت اور نصرانیت نام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ

ورات اور انجیل کی بگڑی ہوئی شکل کا نام ہے۔ اہل کتاب نے تورات و انجیل میں تحریف
کر کے اصل دین کو بگاڑ دیا۔ کفر اور شرک دونوں گروہوں میں قدرِ مشترک ہے۔
دوسری طرف مشرکین بھی اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑنے کا دعویٰ
کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر ان کے دعوے
کی بھی تردید فرمائی ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت
وہ لوگ رکھتے ہیں جنہوں نے آپ کے دور میں آپ کا اتباع کیا۔ اور اس دور
میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ اور جو حقیقی معنوں میں اسلام میں داخل ہوئے۔

اہل کتاب
کا منشاء

اب اہل کتاب کے پیشواؤں کی گمراہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بے شک
کہ ایسے دور نکل گئے ہیں اور ان کے دل ضلالت میں اس قدر سخت ہو چکے ہیں
کہ اب یہ کفر کے امام بنے ہوئے ہیں۔ یعنی جو شخص ایمان قبول کر کے صحیح
راستے پر چلتا ہے۔ یہ لوگ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب
کا ایک گروہ آرزو کرتا ہے۔ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ کہ وہ کسی نہ کسی طرح تم کو
گمراہ کریں۔ گذشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں اہل کتاب یہی کچھ کرتے آئے
ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے متنفر کر دیں۔ دوسرے مقام پر
فرمایا کہ یہ لوگ خواہش کرتے ہیں کہ تم گمراہ ہو کر ان کے ساتھ برابر ہو جاؤ۔
فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً [unclear] کے الفاظ آتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے
ہیں کہ عیسائیوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے
مرکزی نقطہ سے ہٹا دیا جائے۔ تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر ان ہی کے ساتھ آملیں۔ اگرچہ
ان کو جزوی کامیابی ہوئی ہے مگر مجموعی طور پر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں
ہو سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ کر رکھا ہے کہ سچا دین ہمیشہ
قائم رہے گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمان قرآن پاک کی تعلیمات
پر عمل پیرا رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مسلمان اپنے دین پر بالکل متفق

رہے ہیں اور ایک نقطہ پر قائم ہے۔ آپ کے زمانے میں یہودی سازشیں کرنے لگے۔ عبداللہ ابن سبا بھی یہودی تھا۔ جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی وبا پیدا کر دی۔ شیعہ اسی کو مانتے ہیں۔

نصاریٰ بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر ٹکراتے رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا وَرُومُ ذَوَاتِ الْقُرُونِ یعنی رومی عیسائی قرن با قرن تک قائم رہیں گے حتیٰ کہ مسیح ابن مریم نازل ہو جائیں۔ کبھی عیسائیوں کو غلبہ ہوگا۔ اور کبھی مسلمانوں کو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی جنگیں صدیوں جاری رہیں۔ گزشتہ دو سو سال میں بھی عیسائیت کا بڑا عروج رہا ہے۔ اس عرصہ میں برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کی جاتی تھی اور برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا۔ یہ سب عیسائی ہی تو تھے۔ آج اگرچہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ مگر یہ تو کل کا بچہ ہے۔ یہ بھی برطانیہ سے بھاگے ہوئے انگریز ہیں جنہوں نے نیا براعظم دریافت کیا۔ اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں کو کمزور کرنے والے برطانوی عیسائی ہی تھے۔ جن کی سازش کافی حد تک کامیاب ہوئی۔

مستشرقین کی سازش

امیر شکیب ارسلان شام کے باشندے تھے۔ وہاں کے جاگیردار تھے۔ جنگِ عظیم میں سلطنتِ ترکیہ کے ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بالفعل شریک ہوئے۔ جب انگریزوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا تو ان کی جاگیریں بھی ضبط کر لیں۔ آپ بیس سال تک یورپ میں بھی مقیم رہے ہیں۔ جنگِ عظیم کے بعد ایک امریکی نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔ اس کا عربی ترجمہ کسی مصری عالم نے کیا۔ یہ کتاب امیر شکیب کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔ اصل کتاب ایک جلد میں ہے۔ مگر اس کا مقدمہ تین جلدوں پر پھیل گیا۔ امیر شکیب نے دیکھا کہ اس کتاب میں جہاں مسلمانوں کے متعلق بعض صحیح باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں کچھ غلط چیزیں بھی

شامل ہوگئی ہیں۔ اس لیے آپ کو اتنا لمبا مقدمہ لکھنا پڑا۔ آپ نے پورے عالم اسلام کی سیاسی، اقتصادی، تمدنی حالت پر سیر حاصل بحث کی۔ اور تمام ممالک اسلامیہ کی مردم شماری بھی پیش کی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی عرصہ میں یہ بڑی اہم کتاب تصور کی جاتی تھی۔ مجموعی حالات کے لحاظ سے عالم اسلام پر اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہ تھی۔ آپ نے ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ یورپ کے یہودی اور عیسائیوں نے گذشتہ زمانے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کم و بیش چھوٹی بڑی چھ لاکھ کتابیں لکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ان لوگوں نے مسلمانوں اور ان کے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کس قدر طوفان اٹھایا ہوگا۔

مشرقی علوم کے ماہر انگریز اور یورپین لوگ مستشرق کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کے ہمدرد بن کر اسلامی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر اسے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنرل ایوب کے زمانے میں فضل الرحمٰن اسی قبیل سے تھا۔ وہ بھی مستشرقین کا شاگرد ہی تھا جس نے کہا تھا۔ کہ قرآن پاک کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کچھ حصہ میں حضور علیہ السلام کے اقوال بھی ہیں۔ اس نے بظاہر خدمت اسلام کے جذبہ سے کتاب لکھی مگر اس میں اس قسم کا طوفان باندھا۔ پاکستان میں اس کے خلاف شور برپا ہوا تو فضل الرحمٰن کو اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ مسلمانوں کو دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ یہود و نصاریٰ اور مستشرقین کا مشترکہ نصب العین ہے ان کی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قرآن پاک سے متنفر ہو جائیں۔ یہ لوگ ایسے ایسے اعتراضات اٹھاتے ہیں، کہ بعض لوگ شک میں پڑ جاتے ہیں۔ ان کے حملہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے مرکزی عقیدہ اور قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھیں۔ اگر مسلمان ان دو چیزوں کا دامن چھوڑ بیٹھے تو پھر گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ مخالفین اسلام کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہیں بھی مسلمان اپنے دین پر قائم نہیں رہ سکے ان کے عقیدے بگڑ چکے ہیں اور نظریات فاسد ہو گئے ہیں۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں نے بھی انہی نظریات کو اپنا لیا ہے، جو غیر مسلموں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آج کے اکثر نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ فاسد خیالات کا شکار ہیں۔ انگریزی تعلیم کے پروردہ ہونے کی بنا پر قرآن پاک کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

فن اور فحاشی

آج کھیل تماشے، عریانی، فحاشی اور ایسی ہی دیگر قباحات کو فن کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ گانا بجانا، راگ رنگ، فلم اور ڈرامہ فن ہے اور اس میں حصہ لینے والے فنکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد فن کے ذریعے ملک کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ عوام الناس کو سستی تفریح مہیا کرتے ہیں۔ جگہ جگہ فن کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک کے طائفوں سے تبادلہ ہوتا ہے، اور اس طرح دنیا بھر کی قباحتیں تبادلہ میں ملتی رہتی ہیں۔ اب یہ چیزیں ہر گھر میں اس کثرت سے جاری ہیں کہ ان کی قباحت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ یہ سب یہود و نصاریٰ کا اثر ہے۔

تصویر سازی کا فن بھی عیسائیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اب مسلمانوں کی زندگی کا بھی لازمی حصہ ہے، حالانکہ اسلام میں تصویر کشی بالکل حرام ہے۔ لعن الله المصورين تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے۔ آج دنیا کے کسی ملک میں بھی مسلمان اسلام پر مکمل طور پر کاربند نہیں ہیں۔ اہل کتاب نے انہیں شکوک شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور نظریات فاسد کر دیے ہیں سب فحش چیزیں ہیں۔ "قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" اللہ تعالیٰ تو تمہیں بے حیائی اور فواحش کا حکم نہیں دیتا۔ مگر آج انہی قبیح چیزوں کو فن کا نام دے کر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام لغویات

کا علاج قرآن و سنت پر استقامت میں ہے۔ مگر اس دور میں دنیا بھر کے مسلمان یہودیت اور نصرانیت کا شکار ہیں۔

مشنری اداروں کا جال

دنیا بھر میں پھیلے ہوئے عیسائیوں کے مشنری ادارے بھی مسلمانوں کو اُن کے دین سے گمراہ کرنے کا "فریضہ" ادا کر رہے ہیں۔ گرجے، سکول، ہسپتال سب گمراہی کے اڈے ہیں۔ ہسپتالوں میں مریضوں کو انجیل کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ جب مریض تندرست ہو کر باہر نکلتا ہے۔ تو آدھا عیسائی ہو چکا ہوتا ہے۔ یہی حال مشنری سکولوں کا ہے۔ جہاں بائبل کی تعلیم لازمی ہے۔ ان مشنری اداروں کو چلانے والے امریکہ، کینیڈا، برطانیہ اور جرمنی کے عیسائی ہیں۔ انہوں نے مشرقی ممالک پر یلغار کی ہوتی ہے تاکہ مسلمان اپنے اسلام سے بیگانہ ہو کر اُن کے مشن کو اپنالیں۔ آج کی دنیا میں عالمی خبریں تمام کی تمام یہود و نصاریٰ کے توسط سے آتی ہیں اور وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق توڑ موڑ کر اخبارات میں پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کو تقویت حاصل ہو۔ پوری دنیا میں کوئی مسلمان خبر ایجنسی نہیں جو اُن تک صحیح خبریں پہنچائے۔ لوگ غلط ملط خبریں پڑھ کر یقین کر لیتے ہیں حالانکہ اُن میں بیشتر من گھڑت ہوتی ہیں، ان کا مقصد محض یہ ہے۔ کہ تمہیں اپنے اصل نظریات سے متنفر کر کے باطل نظریات کی طرف راغب کریں تاکہ قرآن کے ساتھ تمہارا تعلق منقطع کر دیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر مسلمان اپنے مرکزی عقیدہ اور قرآن پر قائم رہیں گے تو وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ نہیں گمراہ کر سکیں گے مگر اپنی ہی جانوں کو۔ اُن کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا وبال انہیں پر پڑیگا بشرطیکہ مسلمان اپنے صحیح عقیدہ پر قائم رہیں۔ آگے قیامت کا محاسبہ آنیوالا ہے۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ گمراہی پھیلانے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ وہ اس وقت نہیں سمجھتے۔

تکفیر آیات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ یعنی اُن کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا نبی کیوں نہیں مانتے۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ حالانکہ تم گواہ ہو۔ یعنی تم جانتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اور اس کے لانے والے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں سے تمہارے جیسا نبی برپا کروں گا۔ اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن پاک وہی کلام ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ جنہیں تم اسی طرح جانتے پہچانتے ہو جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ اہل کتاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق توراۃ و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ مگر اپنی ضد، عناد، حسد اور ذہنی فساد کی وجہ سے اُن پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

اللہ مالک الملک نے فرمایا يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ اے اہلِ کتاب! حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کے مرتکب کیوں ہوتے ہو۔ اس کے احکام کو کیوں بدلتے ہو۔ جب تم سے کہا جاتا ہے۔ کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی کیا علامتیں ہیں تو اصل علامات کی بجائے غلط ملط علامتیں بتاتے ہو۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ اور تم حق بات کو چھپا جاتے ہو۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو حق و باطل کے امتیاز میں کوئی شبہ نہیں مگر یہ لوگ دانستہ کتمانِ حق اور کذب بیانی کرتے ہیں۔ مشرکین تو لاعلمی اور اشتباہ کی وجہ سے گمراہی میں پھنسے ہوئے

تھے۔ اُن کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، مگر تم جان بوجھ کر گمراہی میں پڑے ہوئے
ہو تمہارا کوئی علاج ممکن نہیں، جب یہ لوگ مکے میں آتے تو مشرکین ان سے
دریافت کرتے کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا تو کہتے تمہارا دین صحیح ہے
اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ یہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں
کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ یہ اہل کتاب ہیں۔ انبیاء کی تاریخ سے واقف ہیں
مگر اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ اِس وقت ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ کی سازش پھیلی ہوئی ہے، مگر
بہت تھوڑے مسلمان اس سازش کو پہچانتے ہیں، اور اپنے دین پر قائم ہیں۔
ورنہ اکثریت ان کے جال میں پھنس چکی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ترقی یافتہ لوگ ہیں
جو کچھ کہتے ہیں، درست کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی پہچان کی توفیق
عطا فرمائے۔

درس بست و چہار ۲۴ — آیت ۷۲ تا ۷۴

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لاتے ہیں، دن کے پہلے حصے میں اور کفر کرو اُس کے ساتھ دن کے آخری حصے میں، شاید یہ لوگ پھر جائیں ﴿۷۲﴾ اور تم نہ تصدیق کرو مگر اسی کی جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے بیشک ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ تصدیق نہ کرو اس بات کی کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو تم دیئے گئے ہو۔ یا وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ تمہارے رب کے پاس، آپ کہہ دیجئے، بیشک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۷۳﴾ وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۷۴﴾

ربط آیات

گذشتہ درس کی طرح آج کے درس میں بھی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ

کے برے خصائل کا تذکرہ ہے۔ ان آیات کا مصداق مدینے کے اردگرد بسنے والے یہودی خاص طور پر ہیں۔ اب تک اہل کتاب کی دینی خیانت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آج کا درس بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ تاہم آئندہ آنے والے درس سے اہل کتاب کی دنیوی خیانت کا بیان ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دینی طور پر بھی خائن ہیں اور دنیوی طور پر بھی ایسے ہی ہیں۔ گذشتہ سے پیوستہ درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اہل کتاب کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں۔ اس سلسلہ میں وہ ہر حیلہ اختیار کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں آج کے درس میں ان کی ایک تدبیر کا تذکرہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ان میں سے کچھ لوگ صبح کے وقت ایمان لے آئیں۔ اور شام کو انکار کر دیں۔ تاکہ اس طریقے سے ان لوگوں کو دین سے بدظن کر سکیں جو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں۔

یہودیوں کی تدبیر

سورۃ بقرہ میں تحویل قبلہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب وہ آیات نازل ہوئیں "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" اور مسلمانوں نے اپنا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو مقرر کر لیا، تو مدینے کے یہودی بہت سیخ پا ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی طرح اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے یہ تدبیر بنائی کہ ان میں سے کچھ لوگ دن کے پہلے حصے میں اوپرے دل سے اسلام قبول کر لیں اور آخری حصے میں اسلام سے باہر آجائیں۔ اس طرح کمزور ایمان یا ناواقف لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو یہ پڑھے لکھے یہودی اسے قبول کر کے منحرف کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں نئے آنے والے رک جائیں گے۔ اور جو ایمان لا چکے ہیں، ان کے ایمان متزلزل ہو جائیں گے۔

یہود کی اسی تدبیر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا
کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو اہل ایمان پر اتاری گئی ہے، دن کے پہلے حصے میں۔
ظاہر ہے کہ نازل ہونے والی چیز قرآن پاک ہے۔ مقصد یہ کہ صبح کے وقت مسلمان
ہو جاؤ۔ وجہ چہرے کو بھی کہتے ہیں۔ اور دن کے ابتدائی حصے کو بھی۔ اس
کا ثبوت ایک عرب شاعر کے کلام سے ملتا ہے جو کہتا ہے۔ مَنْ كَانَ
مَسْرُورًا بِمَقْتَلِ مَالِكٍ فَلْيَأْتِ نِسْوَتَنَا بِوَجْهِ نَهَارِ۔
جو مالک کے مرنے پر خوش ہیں انہیں دن کے ابتدائی حصے میں آکر دیکھنا
چاہیے کہ ہماری عورتیں ماتم پر کس قدر نوحہ کر رہی ہیں اور وہ کس قدر غمگین ہیں
لہٰذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ مالک کی موت پر خوش
ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وجہ النہار سے دن کا پہلا حصہ مراد لیا ہے۔

غرض فرمایا کہ دن کے پہلے حصے میں ایمان لے آؤ۔ وَاكْفُرُوا
آخِرَهُ اور دن کے آخری حصے میں انکار کر دو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ شاید اہل ایمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔ یہ خیال کریں کہ اسلام
میں ضرور کوئی نقص ہے۔ جو یہ اہل علم ایمان لا کر پھر واپس اپنے دین پر چلے
گئے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

تصدیقِ حق سے انکار

یہ اہل کتاب کی دینی خیانت تھی۔ وہ لوگ جان بوجھ کر تصدیق حق سے
انکار کرتے تھے۔ حالانکہ یہ وہی رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام
نے دی، بلکہ سارے انبیاء نے دی۔ اور قرآن پاک وہی کتاب ہے۔ جو اللہ
کی آخری اور برحق کتاب ہے۔ مگر یہ لوگ گمراہی کے پیشوا بنے ہوئے ہیں۔
اور لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ یہی حکمت عملی کو بروئے کار
لاتے ہوئے کہتے ہیں وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ
اور نہ تصدیق کرنا مگر اس کی جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ یعنی صرف اپنے دین
کو ہی سچا ماننا۔ کہیں مسلمانوں کے دین کی تصدیق نہ کر بیٹھنا۔ مقصد یہ کہ جب

عارضی طور پر دن کے اوّل حصہ میں بظاہر ایمان بھی لے آؤ، تو تصدیق صرف اُسی چیز کی کرنا جو تمہارے دین میں شامل ہے کسی دوسری بات کی تصدیق نہ کرنا۔ کیونکہ سچا دین صرف تمہارا ہی ہے۔ اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اُن کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یعنی جنت کا داخلہ صرف یہودیوں اور نصرانیوں کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی دوسرا شخص جنت میں نہیں جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ان سے کہ دیں، ہدایت تو وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ کسی پارٹی کا باطل پر پختہ ہونا حق کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہدایت یافتہ وہ ہے جو ہدایت من جانب اللہ پر عمل کرتا ہے۔ یہودیت اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔ یہ اصل دین کی مسخ شدہ صورت ہے اور اس میں کفر اور شرک کی آمیزش ہے۔ اگر صحیح ہدایت کی تلاش ہے، تو وہ ہدایت ایسی ہے، جو اللہ کے نبیوں پر نازل ہوئی۔ اور جس کی آخری کڑی قرآن پاک ہے اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ یہ کہ کسی دوسرے کو بھی ایسی ہی چیز دی گئی ہے جو تم کو دی گئی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ آیت کے اس حصے کا تعلق گذشتہ حصہ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہودی اپنے ہی دینی بھائی بندوں کو کہتے ہیں۔ کہ اپنے سوا کسی دوسرے کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے کو بھی ویسی ہی فضیلت، برتری یا کتاب دے دی جائے جیسی تم کو دی گئی ہے تمہارا دین ہی برتر اور افضل ہے، لہٰذا اسی پر قائم رہنا۔ اور اغیار کی عدم تصدیق کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ یا وہ تمہارے ساتھ تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں۔ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں کہ اگر تم نے اہل ایمان کی تصدیق کر دی تو پھر بحث مباحثہ میں تم پر غالب

آجائیں گے اور یہ یہودیت کی ناکامی کا باعث ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم نے اُن کی تصدیق کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ مولا کریم! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کرنے کے باوجود تیرے آخری نبی اور تیری آخری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہل اسلام قیامت کے دن اللہ کے حضور بھی تم پر غالب آجائیں گے ۔ لہٰذا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ صرف اسی کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کا متبع ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق مت کرو۔

بنی اسرائیل کی عارضی فضیلت

بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو باقی تمام اقوام پر فضیلت بخشی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے ۔ اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دیں۔ "وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔ اُس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ کے نزدیک برتر تھے۔ چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا۔ تعصب، حسد، عناد اور عناد کا شکار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔ اُن کی فضیلت اور برتری ختم ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ نبوت ہمیشہ اُن کے خاندان میں رہے گی۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ایک خاص مدت تک نبوت اُن کے خاندان میں رہے گی، نہ کہ قیامت تک، مگر یہودیوں نے اپنی نبوت، حکومت اور برتری کو دائمی خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ احکام الٰہی سے روگرداں ہو گئے، تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ برتری ۔ بلکہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی اور آخری نبی کے طور پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ لہٰذا نبی آخر الزماں کی بعثت کے بعد فضیلت اور برتری بھی آخری امت کو منتقل ہو گئی۔ قرآن نے

بنا دیا وَجَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ہم نے تم کو عادل اور افضل امت بنایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تم سب امتوں سے بہترین امت ہو۔ گویا آخری امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام سابقہ امم پہ برتری عطا کر دی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے میری امت کا فیصلہ ہوگا اور جنت میں بھی سب سے پہلے یہ آخری امت ہی جائے گی۔ لہذا اہل کتاب کی دائمی برتری کا دعویٰ باطل ہے۔

تمام فضائل کا مالک اللہ ہے

فرمایا قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیں کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہتا ہے، فضل عطا کر دیتا ہے۔ جب تک بنی اسرائیل اس کے احکام پہ عمل پیرا رہے، اللہ نے ان کو فضیلت عطا کی۔ پھر جب ان کی صلاحیت ختم ہو گئی تو اللہ نے فضیلت والی نعمت بھی ان سے واپس لے لی۔ اور دوسری امت کو دے دی۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر امت کی صلاحیت کو جانتا ہے اور پھر اس کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ مسلمانوں کے متعلق حضور علیہ السلام کا اشارہ تھا۔ کہ میری امت کے عروج کا زمانہ نصف دن سے کم کا نہیں ہوگا۔ اور نصف دن پانچ سو سال کا ہوتا ہے۔ چنانچہ تقریباً چھ سو سال تک دنیا میں مسلمانوں کو مکمل عروج حاصل رہا۔ پھر جوں جوں ان کی صلاحیت ختم ہوتی گئی، اقتدار بھی ان سے چھنتا گیا۔ اب گذشتہ آٹھ سو سال سے پستی میں جا رہے ہیں۔ اور دوسری اقوام مادی لحاظ سے ترقی پہ ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ جب تک صلاحیت موجود رہی برتری حاصل رہی۔ جب صلاحیت ختم ہو گئی، تو فضیلت بھی چھن گئی۔

فرمایا فضیلت کا مالک وہ ہے يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اپنے اپنے وقت

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا ۔
اور پھر آخری دور میں اپنے آخری پیغمبر اور آخری امت کو اپنی رحمت کے ساتھ
خاص کیا ۔ اُن کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی ۔ کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
اللہ تعالیٰ عظیم فضل ورحمت کا مالک ہے ۔ اس کی رحمت تو ہر آن موجود ہے مگر
انسان عدم صلاحیت کی بنا پر اس سے محروم ہو جاتا ہے ۔

درس بست و پنج ۲۵ — آیت ۷۵ تا ۷۶

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کے پاس ایک خزانہ امانت رکھیں۔ تو وہ اس کو تمہاری طرف لوٹائے گا۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ اُن کے پاس ایک دینار امانت رکھیں، تو اُسے آپ کی طرف واپس نہیں کریگا، جبتک کہ آپ اُس پہ قائم نہ رہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ جاہل اَن پڑھ اُمی لوگوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اللہ پہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۷۵﴾ کیوں نہیں۔ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے گا اور ڈرتا رہے گا، پس بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ڈرنے والے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ﴿۷۶﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دینی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تلبیس کا ذکر تھا۔ کہ یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ غلط ملط کر دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ اہل کتاب باطل

غرور میں مبتلا تھے۔ باقی لوگوں پر اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے۔ بغض اور حسد میں مبتلا تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی مالی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیا کے مال و دولت کے سلسلے میں کس قدر خائن ہیں۔

مالی خیانت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ بعض اہل کتاب ایسے ہیں مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ اگر آپ ان کے پاس ڈھیر مال یا بڑا خزانہ امانت رکھیں يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ تو وہ اُس کو واپس لوٹا دے گا۔ وَمِنْهُمْ اور اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ اگر آپ اُن کے پاس ایک دینار ایک اشرفی یا ایک پونڈ بھی امانت رکھیں لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ تو وہ اس کو کبھی واپس نہیں کرے گا۔

بعض سے مراد اگر وہ اہل کتاب لیے جائیں جو ایمان لے آئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی امانتداری تو ایمان کی برکت کی وجہ سے ہوگی، اور اگر بعض سے مراد عام اہل کتاب لیے جائیں، تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کچھ بُرے بھی ہوتے ہیں۔ خود قرآن میں آگے آئے گا "لَيْسُوْا سَوَآءً" وہ سارے برابر نہیں ہیں۔ دوسری یہ بات بھی ہے کہ قرآن کریم کو ماننے والے عام مسلمان متعصب نہیں ہیں۔ اگر کسی باطل دین والے میں بھی کوئی اچھی صفت ہوگی، تو وہ اس کی تعریف کریں گے تعصب کا اظہار نہیں کریں گے، کیونکہ یہ تو مشرکین اور اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کی کسی اچھی بات کا ذکر ہے، وہاں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اچھی چیز کو چھپانا نہیں چاہیئے۔ کہ یہ بددیانتی میں داخل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ مدینے میں دس بڑے عالم یہودی تھے، ان میں سے عبداللہ بن سلامؓ واحد عالم ہیں، جنہیں اللہ نے اسلام کی دولت نصیب فرمائی، باقی تو علماء اس نعمت سے محروم رہے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن سلامؓ

کے پاس ۱۲ سو اوقیہ چاندی امانت رکھی۔ ایک اونس چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ جب اُس شخص نے اپنی امانت طلب کی تو عبداللہ نے کوئی پس و پیش نہ کی اور امانت اس کے حوالے کر دی۔ ایک دوسرا یہودی عالم فنحاص بن عازورا تھا، اس کا حال یہ تھا، کہ قریش خاندان کا کوئی مسافر مدینے آیا۔ تو فنحاص کو شکل و صورت سے بڑا بزرگ شخص خیال کر کے ایک دینار اس کے پاس امانت رکھ دیا۔ مگر جب اپنی امانت واپس لینا چاہی تو فنحاص نے انکار کر دیا کہ میں نے تمہاری کوئی امانت نہیں رکھی۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ پاس ہی اس کا شاگرد تھا۔ اُس نے کہا، کہ حضرت اس شخص کی امانت آپ کے پاس موجود ہے اُسے واپس کر دیں۔ کہنے لگا، ٹھیک ہے میں نے ایک دینار اس سے لیا تھا۔ مگر یہ اُمّی (ان پڑھ) لوگ ہیں، ان کا مال ہضم کر جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ ہمارے لیے جائز ہے۔ کیونکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یہ لوگ ہمارے مرید ہیں۔ ان کا مال ہمارے لیے حلال ہے۔ آخر ہم نے علم حاصل کیا ہے۔ اس کے لیے محنت کی ہے، خرچ کیا ہے، وہ ان سے پورا نہیں کریں گے، تو اور کس سے کریں گے۔ جب وہ مسافر مایوس ہو گیا۔ تو ایک دوسرے یہودی نے اُسے یہ ترکیب بتائی۔ کہ تم امانتدار سے یوں کہو کہ میں نے تمہیں نیک آدمی سمجھ کر تمہارے پاس امانت رکھی تھی۔ اگر میری امانت واپس نہ کی تو میں مدینے میں یہ اعلان کروں گا کہ فلاں شخص میری امانت کھا گیا ہے اور تم بدنام ہو جاؤ گے، چنانچہ اس بدنامی سے ڈرتے ہوئے فنحاص نے وہ ایک دینار واپس کر دیا۔ غرضیکہ ان واقعات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ کہ اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں۔ کہ ڈھیروں مال امانت کے طور پر ان کے پاس رکھو، تو وہ عندالطلب لوٹا دیتے ہیں۔ اور اس میں ذرہ بھر خیانت نہیں کرتے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ایک دینار امانت رکھ کر مکر جاتے ہیں۔

دینار، درہم — اُس زمانے میں دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کا وزن چار ماشے ہوتا تھا۔ اور

درہم چاندی کا سکہ تھا، جو ساڑھے تین ماشے کا ہوتا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں اور باقی دنیا میں یہی سکہ رائج تھا۔ تابعین میں ایک بزرگ عبداللہ بن دینارؒ نامی ہوئے ہیں۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ دینار دو الفاظ پر مشتمل ہے، دین اور نار۔ دین کا معنی تو واضح ہے مذہب، عقیدہ وغیرہ اور نار کا معنی آگ ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ مَنْ اَخَذَهٗ بِحَقِّهٖ فَهُوَ دِيْنُهٗ جو دینار کو حق اور جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے، وہ اس کے لیے دین بن جاتا ہے، اور جو اس کو باطل طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اس کیلئے آگ بن جاتا ہے۔ گویا دینار کے لفظ میں حق و باطل دونوں پہلو مضمر ہیں۔ اگر کمائی حلال طریقے سے کی ہے۔ اور جائز ضرورت پر خرچ کیا ہے۔ تو یہ اس کے لیے دین بن گیا۔ اور اگر اس کا الٹ ہے، تو یہی مال اس کے لیے دوزخ کا باعث بن گیا۔

فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دینار دو الفاظ کا مجموعہ ہے اسی طرح درہم بھی دو الفاظ سے بنا ہے یعنی در اور ہم۔ در کا معنی بہانا یا زیادتی ہے۔ اور ہم کا معنی غم ہے اس طرح درہم کا معنی ہوگا، غم کا باعث یا غم کو زیادہ کرنے والا ہے۔ یعنی مال و دولت بظاہر بڑی پرکشش چیز ہے۔ مگر حقیقت میں یہ غم کا باعث بنتی ہے اس کی وجہ سے اکثر مصائب آتے ہیں یا مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ درہم یعنی مال و دولت ایسی چیز ہے۔ کہ اگر میسر نہ ہو تو بھی انسان غم میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر مل جائے۔ تب بھی ہر وقت غم و فکر میں لگا رہتا ہے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں رہ گیا ہے۔

باطل فلسفہ

میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ یہودیوں نے ایک باطل فلسفہ قائم رکھا تھا۔ کہ انہوں نے علم حاصل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ مال صرف کیا ہے۔ تو اس کے عوضانے کے طور پر ان پڑھ لوگوں کا مال ان پر حلال ہے۔ جب یہ فلسفہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہ یہودیوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا كَذَبَ اَعْدَآءُ اللّٰهِ دشمنانِ خدا جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا

کوئی حق نہیں دیا۔ اللہ جل جلالہ نے جاہلیت کی تمام باتیں اور رسومات میرے پاؤں کے نیچے روند دی ہیں۔ ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اِلَّا اَدَاءَ الْاَمَانَۃِ سوائے امانت کے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا امانت خواہ نیک آدمی کی ہو یا بُرے شخص کی اسکا ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں دوستی اور دشمنی کو کوئی دخل نہیں۔ کوئی شخص کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جاہل ہو یا عالم، امانت بہر حال واجب الادا ہوتی ہے۔ دھوکہ دہی، چوری، خیانت وغیرہ کا مال قطعاً حرام ہے ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے کسی کو کچھ دے دے تو لینے والے کے لیے جائز ہے۔ ورنہ امانت کی ادائیگی ہر ایک کے لیے لازم ہے۔

تقسیم ہند کے موقع پر لوگوں نے ایک دوسرے کا مال کھلے عام کھایا خوب لوٹ مار کی۔ یہ قطعی حرام ہے۔ اس کا حساب قیامت کو دینا پڑے گا۔ ہندو تو ویسے ہی کافر ہے۔ اگر کسی مسلمان نے ہندو کا مال کھایا ہے۔ تو وہ بھی معاف نہیں ہوگا۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔ کہ ہم جہاد کے لیے جاتے ہیں۔ ذمیوں کے علاقے سے گزرتے ہوئے کوئی بھیڑ بکری یا مرغی وغیرہ مل جائے تو ہم کھا لیتے ہیں۔ آخر ہم غازی ہیں ذمیوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ حضرت ابن عباسؓ ناراض ہوئے اور فرمایا یہ تو وہی بات ہے جو یہودیوں نے کی تھی۔ "لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ" یعنی امیوں کا مال کھا جانے میں کوئی حرج نہیں۔ فرمایا جب ذمی لوگ مسلمانوں کو جزیہ ادا کر دیتے ہیں تو پھر ان کے مال و جان کی حفاظت ہم پہ لازم آتی ہے۔ ان کے مال کو انکی رضامندی کے بغیر کھانا حرام ہے۔

امانت کی واپسی پر اصرار

فرمایا بعض اہل کتاب ایسے ہیں۔ کہ اگر آپ اس کے پاس کثیر مال بطور امانت رکھیں، تو وہ لوٹا دے گا۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی امانت رکھیں، تو وہ واپس نہیں کرے گا۔ ہاں امانت کی واپسی کی ایک صورت ہے اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْہِ قَآئِمًا کہ تو اس کے سر پہ سوار رہے۔ یعنی وقتاً فوقتاً مطالبہ کرتا رہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اسی سے یہ اخذ کیا ہے۔ کہ قرض خواہ اپنے قرض کا پیچھا کر سکتا ہے۔

حتیٰ کہ اُسے واپس مل جائے۔ مگر اکثر اہل کتاب ایک دینار بھی واپس کرنے کو تیار نہیں
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ کیونکہ ان کا فلسفہ
یہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ لوگ اللہ پر
جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی نسبت ان کے دین اور انکی
کتاب کی طرف ہوگی۔ اور کتاب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، جس کا
مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے امیوں کا مال مباح قرار دیا ہے۔ ایسا
ہرگز نہیں۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ جو شخص تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ تو
اس کے ساتھ ایسا نہ کر۔ اپنے جرم کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مگر تم اس گناہ کا ارتکاب نہ کرو

عہد کی پابندی

اللہ نے فرمایا۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ جو شخص اپنے عہد کو پورا
کرے گا۔ اگر کسی نے امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کرے گا۔ وَاتَّقٰى اور ڈرتا ہے
گا۔ کفر، شرک، نفاق اور معصیت سے بچتا رہے گا۔ امانت میں خیانت نہیں کریگا۔
بلکہ پرہیزگاری اختیار کرے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے
متقیوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے "وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ"
اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت
کرتا ہے۔ کفار، مشرکین، منافقین، متکبرین اور خائنین اس کی نظر میں بہت بڑے
مجرم ہیں۔

غرض! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی گندی ذہنیت کا ذکر کیا
ہے۔ کہ انہوں نے ایک باطل فلسفہ خود ہی وضع کر رکھا ہے جس کی کوئی اصلیت
نہیں۔ مالی حقوق تو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحب حق
خود معاف نہ کرے۔ حقوق العباد بڑی اہم چیز ہے۔

درس بست و ششم ۲۶ | آیت ۷۷ تا ۷۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ :- بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ اور نہ اُن کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور نہ اُن کو پاک کرے گا۔ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۷۷﴾ اور بیشک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے۔ جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ تم اُسے کتاب سے گمان کرو۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں

اہل کتاب کی تیسری خیانت

اس سے پیشتر اہل کتاب کی دینی اور مالی خیانت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور ان میں اہل کتاب کی تیسری بڑی خیانت کا ذکر ہے یہ لوگ اُن پیش گوئیوں کو چھپا لیتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں قرآن کریم اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازل فرمائی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن پاک میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اُس نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ اُن کے پاس جو نبی آئے گا اُس پر ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ——————

—————— اور قرآن اُترنا شروع ہوا تو ان لوگوں نے اپنے عہد کا کچھ پاس نہ کیا۔ آگے اس سورۃ میں مختلف قسم کے عہدوں کا ذکر آ رہا ہے۔

بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تو سورۃ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے۔ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا مگر یہ ان کی بہت بڑی خیانت تھی کہ اپنے عہد کو بھول گئے اور نہ قرآن پر ایمان لائے اور نہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اُن کے عہد کا ذکر خود تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر انہوں نے تحریف کر کے تورات کے احکام کو بھی بدل دیا۔ اور قرآن پاک کو بھی تسلیم نہ کیا۔

شانِ نزول

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی اشعث بن قیس رضؓ کی کچھ زمین ایک یہودی کے قبضے میں تھی، جسے وہ چھوڑتا نہیں تھا۔ اس کی شکایت اُس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔ جو گواہی دے کہ زمین واقعی تمہاری ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے۔ لہٰذا تم اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرو۔ صحابی رسول نے عرض کیا حضور! میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں آپ نے فرمایا پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ مسلمان کہنے لگا۔ کہ حضرت! یہ شخص تو فاجر ہے۔ یہ تو جھوٹی قسم بھی کھا جائیگا۔ اس کا کیا اعتبار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جس پر فیصلہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا

مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ یَقْتَطِعُ بِھَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ جو شخص کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن

وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس پر غضبناک ہوگا۔ آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی "اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ" حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔

اہل کتاب کی بدعہدی

ارشاد ربانی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا جو لوگ اپنے عہد اور قسم کے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدتے ہیں اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ان کے لیے آخرت میں کچھ نہیں۔ دنیا کا مال جس قدر بھی زیادہ ہو، آخرت کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا برتنے کا سامان ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ آپ کہہ دیں دنیا کا سارا مال و اسباب آخرت کے مقابلے میں بالکل قلیل ہے۔ لہٰذا دنیا کے حقیر مال کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اور اللہ ان سے شفقت و مہربانی کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔ غصے اور بازپرس کی صورت میں تو ضرور کلام کرے گا۔ مگر لطف و کرم کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائے گا۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور نہ نگاہِ شفقت سے ایسے لوگوں کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ اور ان کو پاک بھی نہیں کرے گا۔ یہ ہمیشہ نجاستوں میں لت پت رہیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور وہ عذاب الیم کا شکار ہوں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا تھا۔ کہ ہر نبی برحق کی حمایت کرنا اس پر ایمان لانا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے عہد کی پابندی کرنا۔ مگر ان لوگوں نے عہد کو توڑ دیا۔ انبیاء کی تکذیب کی اور اللہ کے احکام کو چھپایا۔ کلام الٰہی میں تحریف کی۔ جھوٹی قسم کھا کر دنیا کا مال حاصل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کی سخت تاکید کی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا" اللہ کے عہد کے متعلق بازپرس ہوگی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ

نے عام حکم بھی دیا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ "اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو" عہد سے روگردانی منافق کی نشانی ہے۔ اللہ کی نظر میں ایسے لوگ مبغوض ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے ساتھ کلام شفقت نہیں کرے گا، اُن کی طرف نظرِ شفقت سے نہیں دیکھے گا اور نہ اُن کو پاک کریگا۔

مبغوض لوگ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ۔ نہ اُن کے ساتھ کلام شفقت کرے گا۔ نہ نظرِ رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ اُن کو پاک کریگا۔ اِن میں سے ایک آدمی وہ ہے مَنَعَ ابنَ السبیل فضلَ الماءِ جو کسی مسافر کو زائد پانی سے مستفید نہیں ہونے دیتا۔ کنواں یا چشمہ سے پانی بھی اپنی ضرورت سے زیادہ ہے مگر وہ مسافر کو پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ روکتا ہے۔ فرمایا ایسا شخص اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے۔ اس گروہ کا دوسرا آدمی وہ ہے۔ جو نمازِ عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھا کر گاہک کو سودا خریدنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے۔ جو خلیفۃ المسلمین اور امام کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ پھر اگر اس کا دنیوی مقصد پورا ہوتا ہے، تو عہد کی پاسداری کرتا ہے۔ اور یہ مقصد پورا نہ ہو تو بیعت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تین قسم کے آدمی اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں یوں بھی آتا ہے۔ کہ وہ شخص بھی مبغوض ہوگا عَاقٌّ لِّوَالِدَيْهِ جو اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی خدمت کرنے کی بجائے، اُن کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے، اُن سے نفرت کرتا ہے۔ فرمایا وہ شخص بھی مبغوض ہے مُتَبَرِّءٌ مِّنْ وَلَدِهٖ جو اپنی اولاد سے نفرت کرتا ہے۔ انہیں اُن کی مطلوبہ شفقت و محبت مہیا نہیں کرتا۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے کہ اَنْعَمَ عَلَيْهِ قَوْمٌ اس کی قوم نے اس پر احسان کیا۔ مگر وہ ان کی ناشکری اور ناقدری کرتا ہے۔ فرمایا یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کریگا۔ نہ نظرِ شفقت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔

صحیح احادیث میں آتا ہے۔ کہ تین قسم کے آدمی اس زمرہ میں آتے ہیں اَلْمُسْبِلُ وہ شخص جو اپنے پاجامے یا تہبند۔ پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ عورتیں مستثنیٰ ہیں۔

دوسرا شخص وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ جو جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچتا ہے۔ گاہک کو جھوٹا یقین دلاتا ہے۔ اور تیسرا شخص المنان ہے۔ جو کسی پر احسان کر کے جتلاتا ہے اس کا نہ صرف احسان ضائع ہوا۔ بلکہ وہ بھی مبغوض گروہ میں شامل ہو گیا۔ ایک حدیث میں حضور نبی کریم کا ارشاد ہے تین شخص ایسے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے پہلا شخص ________ اَلْحَلَّافُ یعنی قسمیں کھانے والا تاجر ہے۔ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ دوسرا شخص وہ ہے جو محتاج ہو کر غرور کرے۔ وَالْبَخِيْلُ الْمَنَّانُ اور تیسرا شخص احسان جتلانے والا بخیل ہے ان تینوں اقسام کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

محبوب لوگ

پھر فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پہلا شخص وہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں جہاد کرتا ہے۔ پھر یا تو فتح تک پہنچتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔ فرمایا دوسرا محبوب آدمی وہ ہے۔ جو کسی قافلے میں شامل ہو کر سفر پہ جاتا ہے۔ پڑاؤ کے مقام پہ قافلے والے سو جاتے ہیں اور وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اللہ کے سامنے اپنی مناجات پیش کرتا ہے۔ پھر جب نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ فرمایا تیسرا محبوب خدا وہ شخص ہے۔ جو پڑوسی کی تکالیف پہ صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے موت آجائے یا وہاں سے علیحدگی اختیار کر لے۔ ان اقسام کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

آیت زیر درس میں یہودیوں کا ذکر اُس گروہ میں کیا گیا ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ وہ مبغوض لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور جھوٹی قسمیں کھائیں

قسم تو سچی بھی نہیں کھانی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ بڑت کے لیے ہو۔ محض دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے قسم اٹھانا باعث وبال ہے۔

تحریف لفظی

اگلی آیت میں یہودیوں کی ایک اور بری خصلت کا تذکرہ ہے۔ وہ جان بوجھ کر زبان کے ہیر پھیر سے اصل لفظ کو بگاڑ کر بولتے تھے۔ جس سے سننے والا کچھ اور مطلب سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ اُن میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کی کتاب زبان کو مروڑ کر پڑھتا ہے۔ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ تاکہ تم گمان کرو کہ یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ حالانکہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہے۔ اہل کتاب کی اس قبیح حرکت کی مثال سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ جب یہ لوگ حضور کی مجلس میں آتے تھے۔ تو لفظ رَاعِنَا کی بجائے زبان کو گھما کر رَاعِيْنَا کہتے تھے حالانکہ دونوں لفظوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے رَاعِنَا کا معنی ہے کہ حضور! ہماری طرف توجہ فرمائیں، اور رَاعِيْنَا کا معنی چرواہا یا احمق ہے، اس طرح وہ لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے، یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ کتنے خائن لوگ ہیں۔ جو اللہ کی کتاب اور نبی کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریف لفظی کی مثال تورات میں بھی موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے مروہ کے مقام پہ لے گئے۔ مروہ چونکہ مکہ معظمہ میں ہے۔ اس لیے یہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوتی ہے۔ جسکو یہودی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت سے بچنے کے لیے وہ لفظ مروہ کو موریا کر کے بولتے تھے۔ تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانے والی قربانی مکہ میں ثابت نہ ہو سکے۔ مقصد یہ کہ یہ لوگ اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اصل لفظ کو بگاڑ کر کچھ اور ہی بنا دیتے تھے۔

انجیل میں موجود لفظ فارقلیط کی جگہ مددگار یا شفیع لکھ دیا۔ اور دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔ اور اس طرح لفظی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ آگے فرمایا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ ان بدبختوں نے تورات میں بھی رد و بدل کیا، تورات میں بھی موجود ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے آگے لکھ دیا فَاسْتَرَاحَ پھر اس نے آرام کیا۔ اللہ نے فرمایا یہ تو کفر کا کلمہ ہے۔ کیا خدا تعالیٰ تھک گیا تھا، جو آرام کی ضرورت پڑی۔ اللہ کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا صریح کفر ہے۔ مگر ان لوگوں نے محض ساتویں دن کی چھٹی ثابت کرنے کے لیے یہ لفظ بڑھا دیا۔ یہ بھی تحریف لفظی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف الفاظ کو تبدیل کیا، بلکہ معنوی طور پر بھی مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔

تحریف معنوی

مسلمانوں میں سے اہل بدعت بھی اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ قرآن پاک کے الفاظ تو تبدیل نہیں کر سکے مگر مطلب سارا الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ جس آیت سے چاہتے ہیں اپنے مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے میلاد کا موسم آتا ہے۔ پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ پوچھو بھائی یہ پہاڑیاں کیسی ہیں، کہتے ہیں قرآن میں صفا و مروہ پہاڑیوں کا ذکر آیا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کہ یہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک میں صریح تحریف ہے۔ قطعاً ناجائز اور گمراہی کا باعث ہے۔

بہت سے واعظین اور خود ساختہ مفسرین بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ ایک صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسم اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ حالانکہ اسم اللہ سے اللہ کا نام مراد ہے۔ اور اللہ کا نام لیکر ہی شروع کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے اس کا معنی تبدیل کر دیا۔ خود پروفیسر ہیں اہل علم ہیں، مگر تفسیر یہ کی ہے مرزا قادیانی نے بھی تو یہی کہا کہ میرا نام سورۃ فتح میں محمد رکھا گیا ہے اور رسول اللہ بھی لکھا ہے (العیاذ باللہ) یعنی لفظ

تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے مگر اس نے کہا کہ اس سے مراد میری ذات ہے۔ اسی طرح خَاتَمَ النَّبِیّٖن کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ حضور علیہ السلام مہریں لگا لگا کر نبی بناتے ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے گا وہ آپ کی مہر سے بنے گا۔ سب سے پہلے مرزا نے اپنے آپ کو اس قسم کا نبی شمار کیا۔ اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جو کفر ہے۔

فرمایا اس قسم کی لفظی و معنوی تحریف کر کے وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ غلط معانی اور الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بدترین قسم کی خیانت ہے۔ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وہ اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔ اور کتمان حق بھی کرتے ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ انہوں نے زنا کے حکم کو تورات میں چھپا دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے ظاہر فرما دیا۔ مطلب بدلنے کا کام یہاں پر فضل الرحمٰن اور پرویز نے بھی کیا ہے۔ نماز کا معنی کچھ کر دیا۔ حج کا معنی عالمی کانفرنس کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ لوگ الفاظ تو اب نہیں بدل سکتے مگر مفہوم بدل کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ حالانکہ وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

بعض باطنی فرقے بھی اس قسم کی تحریف میں ملوث ہیں۔ انہوں نے حج سے مراد پیر کی زیارت لیا ہے۔ روزہ کا مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب جو راز بتائیں اسے چھپا کر رکھا جائے۔ یہ صریحاً تحریف ہے۔ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا مفہوم بھی وہی لینا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور جس کی وضاحت اللہ کے نبی نے کی۔ یا نبی کے صحابہؓ یا آئمہ دین نے کی جنہوں نے حقیقتاً اس کا مطلب سمجھا ہے۔ اگر آیات قرآنی کا مطلب وہ لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو درست ہے، ورنہ سراسر گمراہی ہوگی۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا۔

درس بست و ہفت ۲۷

آیت ۷۹ تا ۸۰

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

ع ٨ / ١٦

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ بات (مناسب) نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔ لیکن وہ یوں کہے گا کہ ہو جاؤ رب والے۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو، اور اس وجہ سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿٧٩﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیگا، کہ تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیگا بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿٨٠﴾

ربطِ آیات

اہل کتاب کی مختلف خیانتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دینی، دنیوی اور مالی لحاظ سے خائن تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے احکام کو تبدیل کرتے اور حق کو چھپاتے تھے۔ الفاظ و معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے، خود مسائل گھڑ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صریح جھوٹ بولتے آخری

نبی علیہ السلام کے متعلق پیشین گوئیوں کو چھپا جاتے حق و باطل کو خلط ملط کرتے تھے اور دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کی خاطر اپنے عہد و پیمان کا کچھ لحاظ نہ رکھتے۔ اُن کی ان بدخصلتوں کی وجہ سے اللہ نے اُن کی سزا بھی تجویز فرما دی کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہیں کرے گا، نہ اُن کی طرف نگاہِ شفقت سے دیکھے گا، اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ وہ ہمیشہ عذاب الیم میں مبتلا رہیں گے۔

شانِ نزول

گذشتہ دروس میں وفد نجران کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ کہ یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کے لیے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ جب بات چیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے اُن کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جزیہ دینا قبول کر کے سمجھوتہ کر لیا۔ اُن کے قیامِ مدینہ کے دوران حضور علیہ السلام کی مجالس ہوتی رہتی تھیں جن میں ارکانِ وفد کے علاوہ صحابہ کرامؓ بھی شامل ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں نجران کے نصاریٰ نبی علیہ السلام کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ اُس مجلس میں بنو قریظہ کا یہودی مولوی ابورافع بھی موجود تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ہر بات میں عیسائیوں کو لاجواب کر رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا۔ کہ اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا۔ کہ یہ ناممکن ہے۔ کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے بلکہ وہ تو ہمیشہ ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی ہی دعوت دیگا۔

بشریتِ انبیاءؑ

کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ کسی بشر یا انسان کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے۔ بشر سے مراد انسان، آدمی یا آدم کی اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں اس لحاظ سے تمام انبیاء کرام بھی انسان ہیں مشرکین کا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے کہ نبی بشر

نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث شریف میں صریح الفاظ آئے ہیں کسی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ یعنی حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی گھریلو زندگی کیسی ہے۔ آپ کا اخلاق کیسا ہے۔ آپ گھر میں کیا کیا کام کرتے ہیں تو جواب یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ جو کام عام آدمی گھر میں کرتے ہیں، وہ کام اللہ کا نبی بھی کرتا ہے۔ حدیث شریف میں بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ کا لفظ آتا ہے۔ نُوْرًا مِّنْ نُوْرِ اللّٰہِ نہیں آتا۔ یہ تو عیسائیوں والا عقیدہ ہے۔ انہوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا جزو بنا دیا۔ اور آج کے مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض! حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا آنحضرت علیہ السلام گھر میں بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے۔ جوتے کا ٹانکا لگا لیتے۔ گویا اپنا کام اپنے دست مبارک سے انجام دے لیتے تھے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے تاکہ آپ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ بھائی! میں ایک انسان ہوں اور انسان عالم الغیب نہیں ہوتا۔ میں ظاہر میں تمہارا معاملہ سنوں گا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ ہوسکتا ہے ایک فریق اپنا مقدمہ پیش کرنے میں بڑا چرب زبان ہو اور دوسرا فریق اتنا فصیح نہ ہو۔ فرمایا فَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ یاد رکھو! جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں ہے۔ وہ اس چیز کو مت لے۔ کیونکہ اس کے حق میں وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ باطنی حالات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب وحی نازل ہوتی ہے۔ مالک الملک کی جانب سے علم دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہیں اور انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔

انسان یا بشر ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان کے فرمایا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (ص) فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ پھر تم بحیثیت انسان زمین پر پھیل گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت اور قویٰ و اعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ پھر اگر اس انسان کی فکر فاسد ہو جائے۔ عقیدہ بگڑ جائے اعمال و اخلاق خراب ہو جائیں تو اس انسان سے زیادہ ذلیل چیز کوئی نہیں ہو گی۔ ایسی صورت میں کیڑے مکوڑے، جانور، درندے وغیرہ انسان سے بہتر ہیں۔ مگر انسان ہونا کوئی بری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین مخلوق پیدا کیا۔

منصب نبوت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا كَانَ لِبَشَرٍ کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کتاب اسی کو دیتا ہے جس کو منصب نبوت عطا کرتا ہے اور یہ سب سے بلند مرتبہ ہے جو کسی انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ فضیلت والی اور کوئی چیز نہیں تمام اولیاء، عابد، زاہد سب نبی سے کمتر درجہ میں ہیں۔ نبوت کا مقام سب سے اعلیٰ ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور آپ کو قرآن پاک جیسی عظیم کتاب عطا کی۔

فرمایا جس انسان کو اللہ کتاب عطا کرے وَالْحُكْمَ اور حکم عطا کرے۔ حکم کا معنی فیصلہ بھی ہوتا ہے اور علم بھی۔ جیسے فرمایا فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ یعنی ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ نیز فرمایا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ نیز حکم کا معنی فہم بھی ہوتا ہے اور ——————

نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی اعقل الناس ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذکی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت ودیعت کرتا ہے۔ آگے فرمایا وَالنُّبُوَّةَ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرمائے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ کہ وہ لوگوں سے کہے كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کاربند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلاف کرے تو اُسے ایک منٹ کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل وفادار ہوتا ہے۔ دنیا میں منشائے ایزدی کی تکمیل اُس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان میں موجود بشریت کے تمام تقاضے بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے جس سے اُن کے تمام قویٰ درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں، اُن سے ایسی بات کا سرزد ہونا جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی

رہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا تُو کشتی
کچھ ہمارے حکم اور وحی کے مطابق جوڑ رہا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی تربیت
نہایت اعلیٰ درجے میں کرتا ہے۔ لہٰذا ان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ غیر اللہ
کی طرف دعوت دیں۔

اللہ والے — برخلاف اس کے اللہ کے نبی تو کہیں گے اے لوگو! وَلٰكِنۡ كُونُوا
رَبّٰنِيّٖنَ رب والے بن جاؤ یعنی ربانی ہو جاؤ۔ شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے
اللہ والے ہو جاؤ۔ رَبّٰنِيّٖنَ رب سے مشتق ہے۔ جس میں ن اور ی مبالغے کے
لیے آتے ہیں بعض رِبِّیّٖنَ بھی کہتے ہیں۔ اس کا معنی بھی وہی ہے۔ دوسرے
مقام پر "رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ" کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں
کہ یہ تربیت کے مادے سے ہے۔ اور معنی یہ ہے۔ کہ تم دوسروں کی تربیت
کرنے والے ہو۔ اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے والے ہو۔
یعنی ایسے اللہ والے بن جاؤ، جو علم عقیدے اور عمل میں درجہ کمال پر ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کے بڑے عالم ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کے
زمانہ میں کچھ عرصہ گورنر بھی رہے ہیں۔ تاہم انہوں نے زندگی کا بیشتر حصہ لوگوں کی تعلیم و
تربیت میں گزارا۔ جس دن آپ کی وفات طائف میں ہوئی تو حضرت علیؓ کے
صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ (جو آپ کی بیوی خولہ کے بطن سے تھے) وہ بھی بڑے
عالم فاضل ہوئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اَلۡيَوۡمَ مَاتَ رَبَّانِيُّ هٰذِهِ الۡاُمَّةِ
آج حضور کی امت کا ایک بہت بڑا ربانی عالم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ربانی وہ
شخص ہے جس کے دل کی اصلاح اس طرح ہو جائے کہ اس کے اندر فاسد خیالات
باقی نہ رہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ اے اللہ! میں تیری ذات
کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں ایسے دل سے جس میں تیری خشیت نہ ہو۔ اصلاح یافتہ
دل وہی ہوگا جس میں خشیت الٰہی موجود ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے قرآن کریم میں علمائے حق
کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا جو حق پرست

ہوں گے وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔

فرمایا اللہ کا نبی تو کہے گا: اللہ والے ہو جاؤ رب والے ہو جاؤ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو۔ اور کتاب سکھلانے والے کی لازماً اصلاح ہونی چاہیئے۔ اس میں خالص توحید اور جذبہ عبادت ہونا چاہیئے۔ بلکہ تمہیں دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیئے۔ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ اور اس وجہ سے کہ تم خدا کی کتاب پڑھتے ہو۔ اس کا یہی تقاضا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔

عبدیت کی غلط نسبت

کل ذکر کیا تھا کہ کتاب اللہ میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا اہل کتاب کا کام تھا مگر اس زمانے میں یہ کام خود مسلمان بھی انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو ان سے بھی بدتر کام کر رہے ہیں۔ کلام اللہ کے ایسے غلط معانی و مطالب بیان کرتے ہیں جو نہ اللہ کی مراد ہے اور نہ رسول اللہ کی تشریح ہے۔ نہ خلفائے راشدین نے ایسے معنی کیے اور نہ آئمہ دین نے یہ مطلب سمجھا مگر آج کا پرویز اور مرزا قادیانی عجیب و غریب تاویلات کرتے ہیں۔ اب دیکھئے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ سے کیا مطلب نکالا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں آپ اپنی طرف سے کہہ دیں اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی امت کو میرے بندو کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) اسی سے مولوی احمد رضا خان یہ نکالتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے نام رکھنا جائز ہے۔ جیسے عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی وغیرہ، حالانکہ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ اللہ کی طرف سے کہہ دیں یعنی اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پہ زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرما دیگا۔ اس کی مثال سورۃ مریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریمؑ کی طرف یہ آیت دے کر بھیجا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ
میں تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ بظاہر عطا کی نسبت جبرائیل امین کی طرف ہے
مگر حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے کہ میں اللہ کی جانب سے آیا ہوں اور
وہ اللہ تجھے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں یٰعِبَادِیَ سے
مراد نبی کے بندے نہیں بلکہ اللہ کے بندے ہیں۔ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں لکھتے
ہیں کہ عبدالرسول، عبدالحسین، عبدالعلی وغیرہ نام رکھنے میں شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ اسی طرح
پیر بخش، علی بخش وغیرہ نام نہیں رکھنے چاہئیں۔ کسی پیر، نبی، بزرگ کی طرف عبدیت کی
نسبت کرنا قطعاً روا نہیں۔ مگر لوگ باز نہیں آتے۔ قرآن پاک کا عجیب وغریب ترجمہ
کر کے جگہ جگہ باطل عقیدے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ سب چیزیں تحریف کا حصہ ہیں۔
حضور علیہ السلام نے جس کا نام عبدالشمس تھا، اس کا نام عبدالرحمٰن رکھا، نام رکھتے وقت
عبدیت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔ یا کم از کم ایسے نام رکھو جس میں
کسی قسم کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔

ربانیت اللہ سے

الغرض! فرمایا کہ اللہ کا نبی اپنی عبدیت کی دعوت نہیں دے سکتا بلکہ وہ تو یوں
کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو اور اسے پڑھتے پڑھاتے
ہو۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ اللہ کا نبی تمہیں ہرگز یہ حکم نہیں دے گا کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں
نے کیا۔ "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"
انہوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا۔ گذشتہ درس میں گزر
چکا ہے کہ عدیؓ بن حاتم طائی نے کہا کہ حضور! ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے
ان کو رب نہیں بناتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے پیر اور عالم حرام
کہتے ہیں تم حرام سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ حلال ہے اور جس چیز کو وہ حلال
کہتے ہیں تم حلال سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کے ہاں حرام ہے۔ یہی رب بنانا ہے جب
تحلیل وتحریم کا منصب غیر اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو انہیں رب بنانے کے

مترادف ہے۔ کسی کو سجدہ کیا جائے، نذر نیاز پیش کی جائے، حاضر و ناظر سمجھا جائے، علیم کل سمجھا جائے، مافوق الاسباب حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے، یہی شرک ہے۔ اس قسم کا جو بھی عقیدہ اللہ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا جائے گا شرک ہوگا، فرمایا پیغمبر کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں یا انبیاء کو رب بناؤ۔ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے؟ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ باوجود اس کے کہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو۔ اللہ کی وحدانیت کو اپنا چکے ہو۔ جب تم اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ چکے ہو تو پھر وہ تمہیں ایسا حکم کیسے دیگا، جس سے تم پھر کفر و شرک کی تاریکیوں میں غرق ہو جاؤ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب نے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ قانون بتلا دیا کہ اللہ کا نبی تو اپنی عبدیت کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ کسی غیر اللہ کی۔ مسیح علیہ السلام نے بھی ربوبیت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کرتے ہوئے فرمایا تھا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اُسی کی عبادت کرو اللہ کا ہر نبی یہی دعوت دے گا۔ کہ اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی انسان کی پوجا نہ کرو۔

درس بست و ہشت ۲۸ — آیت ۸۱ تا ۸۲

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ:- اور اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی پھر آیا تمہارے پاس رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے۔ البتہ ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا اللہ نے کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں ہوں ﴿۸۱﴾ پس جس نے اس کے بعد روگردانی کی۔ پس وہی لوگ نافرمان ہیں ﴿۸۲﴾

ربطِ آیات گذشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام نصاریٰ نجران کو بحث میں لاجواب کر چکے تھے تو ایک یہودی نے کہا کیا آپ یہ چاہتے ہیں

کہ ہم لوگ آپ کی پرستش شروع کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ کی بجائے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے یہ اٹل بات ہے کہ نبی ہمیشہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے۔ کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ وہ ملائکہ یا انبیاء کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔ اس معاملہ میں انبیاء کی پوزیشن واضح کرنے کے بعد آمدہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یعنی اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت سے لیا تھا۔ کہ جب تمہارے پاس اللہ کا رسول آجائے۔ جو تمہارے پاس موجود چیز کی تصدیق کرے، تو اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

میثاق الست

قرآن پاک میں مختلف میثاقوں کا ذکر ہے۔ منجملہ ان کے میثاق الست ہے یہ وہ عہد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی نسل آدم کو عالم ارواح میں متمثل فرما کر ان سے سوال کیا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" گویا یہ عہد اللہ نے اپنی الوہیت اور ربوبیت کے اقرار کے لیے اس دنیا میں آنے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جوں جوں بنی آدم کو پیدا فرمایا اس عہد کی یاد دہانی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اور کتابیں نازل فرمائیں۔

تمام انبیاء سے میثاق

دوسرا عہد میثاق انبیاء ہے جس کا ذکر آیت زیر درس میں آیا ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے لیا۔ اس میثاق کی تشریح میں دو قول ہیں۔ پہلا قول حضرت علیؓ کا ہے جسے امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر طبری میں اور سید محمود الوسیؒ نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ دوسرا قول امام طاؤسؒ کا ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے۔ امام صاحب کا یہ قول مصنف عبدالرزاق میں درج ہے۔ جو کہ علم حدیث کی معتبر کتاب

ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اب زمانہ حال میں یہ عظیم کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں بائیس ہزار (۲۰۰۰) احادیث اور آثار مذکور ہیں۔ عبدالرزاق امام بخاری کے استاذ الاستاذ اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی کوششوں سے ایک مسلمان نے چار لاکھ روپیہ صرف کر کے اُسے بیروت سے طبع کرایا ہے اس کا حاشیہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ حبیب الرحمٰن اعظمی بعمر ۸۵/۹۰ سال بقید حیات ہیں نے لکھا ہے اور کتاب کی تصحیح بھی کی ہے۔

بڑی عظیم کتاب ہے۔ اس میں امام طاؤس کا یہ قول مذکور ہے کہ اس آیت میں جس میثاق النبیین کا ذکر ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے لیا تھا اَنْ یُّصَدِّقَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا یعنی ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کریگا۔ چنانچہ ہر نبی نے دوسرے نبی کی تصدیق ہی کی ہے کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْكَ (احزاب آیت ۷) یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور آپ سے بھی عہد لیا۔ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ اور نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بھی پختہ عہد لیا۔ یہ آیت بھی امام طاؤس کے قول کی تشریح کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے اس بات کا پختہ وعدہ لیا تھا۔ کہ وہ دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا۔ یہ قول بھی درست ہے۔

عبداللہ بن عباس

حضرت علیؓ کا قول جسے صاحب روح المعانی اور امام ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میثاق انبیاء عام نہیں ہے کہ ہر نبی دوسرے کی تصدیق کرے گا۔ بلکہ یہ میثاق خاص ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ لَمْ یَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِیًّا اٰدَمَ وَمَنْ بَعْدَهٗ اِلَّا اَخَذَ عَلَیْهِ الْعَهْدَ فِیْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا

لہ اب وفات پاچکے ہیں (فیاض)

مگر حضور علیہ السلام کے متعلق اس سے عہد لیا لَئِنْ بُعِثَ وَهُوَ حَيٌّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَيَنْصُرُنَّهٗ کہ اگر تمہاری زندگی میں نبی آخر الزمان آجائیں تو ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے۔ لہٰذا یہ عہد خاص طور پر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ یہ قول بھی صحیح ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق اس خاص عہد سے آپ کی ختم نبوت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کسی نبی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہیں پایا، جو اس میثاق کی رو سے آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں گے۔ اُس وقت وہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق دنیا میں قرآن وسنت کا نظام جاری کریں گے۔ اس عہد سے حضور علیہ السلام کی خاص فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ نے تمام انبیاء کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ فَاَمَّتَهُمْ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا اور آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔

سید آلوسی بغدادیؒ جنہوں نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے بلند پایہ مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ تیرھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ۱۲۷۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حنفی مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے تیس جلدوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی ہے۔ ہر پارے کی الگ جلد ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر آپ نے آغاز جوانی میں لکھی۔ اس تفسیر میں تمام علوم منجملہ صرف، نحو، علم عقائد اور قرأت وغیرہ موجود ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کی عظیم تفسیر کی ہے۔

یہودیوں کی
خلاف ورزی

میثاق انبیاء کا تذکرہ کرنے کے اسی وا کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز

پر انبیاء سے ایمان لانے کا عہد لیا گیا، اُس چیز پر ایمان لانا انبیاء کے امتیوں کا بطریق اولیٰ فرض ہے۔ جب تمام انبیاء کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، تو ان انبیاء کے اتباع کے دعویدار یہود و نصاریٰ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کریں۔ مگر یہ آج تک نبی کریم علیہ السلام کی تصدیق کرنے سے گریزاں ہیں۔ بلکہ مخالفت پہ کمر بستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ جو عہد ان کے نبیوں نے اللہ سے کیا تھا۔ یہ اُس کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ یہ اُن کے ایمان کی خرابی اور ان کی حماقت ہے۔ اُن کے لیے حکم یہ ہے۔ کہ وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ آپ کے دین کی تائید اور اسکی تقویت کا باعث بنیں۔ مگر یہ لوگ الٹی مخالفت کر کے اپنے انبیاء کے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کر کے آپ سے مکمل وابستگی کا اظہار کر دیا۔ آپ کی فوقیت اور عظمت کی گواہی دی۔ اور اپنے متبعین کو بھی یہی تلقین کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو خاص طور پر حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی "وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" میں اپنے بعد آنے والے رسول احمد کی بشارت دیتا ہوں۔ اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر اُن لوگوں نے تعصب اور عناد کی بنا پر گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک عہد اہل کتاب سے بھی لیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اُس واقعہ کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (۳ : ۱۸۷) کہ تم خدا کی کتاب اور اس کے فرمان کو لوگوں پر ظاہر کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا۔ مگر حق آجانے کے بعد حضور کی پیش گوئی کو کیوں چھپاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی گمراہی کی دلیل ہے۔

پاکیزہ مشن

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ایک نبی دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے انبیاء کے متبعین کا فرض ہے۔ کہ اپنے نبی کے اتباع میں وہ بھی دوسرے انبیاء کی تصدیق کریں۔ اس سے شاہ صاحب یہ بھی اخذ کرتے ہیں۔ کہ مشائخ کو مشائخ سے یہی معاملہ کرنا چاہیے۔ کوئی شیخ وقت ایک بندہ یا درویش اپنے برابر والے شیخ یا اپنے سے اونچے درجے والے کی تصدیق کرے۔ اس سے دعا کرائے اور اس کی حمایت کرنے سے گریز نہ کرے۔ شاہ رفیع الدین تو یوں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے نیک بندے اور اولیاء ایک دوسرے کی کبھی مخالفت نہیں کرتے۔ اَنْفُسُهُمْ كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمام فقراء کی مثال ایک جسد واحد کی ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی بزرگ نے دوسرے کی تکذیب نہیں کی کہ فلاں غلط ہے یا جھوٹا ہے۔ بلکہ اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا نتیجہ ہے جس طرح ایک نبی دوسرے نبی کی تنقیص نہیں کرتا اسی طرح ایک اللہ والا دوسرے ولی اللہ کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر اس وقت جو ایک دوسرے کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ یہ نہ تو درویشی اور نہ فقراء کا سلسلہ ہے۔ یہ کچھ اور ہی ہے۔ بزرگی محض قبریں بنا لینے، ان پر گنبد کھڑے کر لینے اور بدعات جاری کرنے کا نام نہیں ہے۔ اصل بزرگوں کا ہرگز یہ مشن نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے ہیں۔

حضرت یحییٰ منیری، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید اور بڑے بزرگ مرد تھے۔ مشرقی ہندوستان میں قیام تھا۔ لوگوں نے ان کے لیے خانقاہ تیار کی اور لاکر وہاں بٹھا دیا۔ فرمانے لگے کہ دوستو! بڑا افسوس ہے، تم نے میرے لیے ایک مندر سا بنا دیا۔ ہمارے ساتھ تو اس کا تعلق ہی قائم نہیں ہوتا۔ خواجہ فرید الدینؒ کو بادشاہ وقت فیروز تغلق نے جاگیر کی پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا اور میرے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اس جاگیر کو مستحقین میں تقسیم کر دو۔ یہی بات حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صدر ہند راجندر پرشاد کو کہی تھی۔ حکومت نے

ملک کا سب سے بڑا سول اعزاز پدم بھوشن پیش کرنا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ہم نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد اللہ کی رضا اور انسانیت کی بہتری کے لیے کی تھی۔ کوئی تمغہ یا جاگیر لینے کے لیے نہیں کی تھی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرو، مسلمانوں کو تنگ نہ کرو۔

الغرض، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا۔ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت یعنی علم، دانش اور فہم عطا کیا۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ پھر آ گیا تمہارے پاس رسول۔ سے مراد بڑا رسول بھی ہے۔ اور بڑا رسول بھی نکرہ تعظیم کے لیے ہوتا ہے جب رَسُوْلٌ عظیم الشان رسول آ گیا۔ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہیں۔ تو اس وقت تمہارا فرض ہے۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ ضرور اس پر ایمان لانا۔ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ اور ضرور اس کی مدد کرنا قَالَ اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا۔ ءَاَقْرَرْتُمْ کیا تم اقرار کرتے ہو وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ اور تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد لیا۔ اِصر بوجھ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد پختہ عہد ہے۔ اس کو میثاق غلیظ بھی کہتے ہیں جس طرح بوجھ کو اٹھانا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح عہد کی پاسداری بھی ضروری ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جب میرا نبی آخرالزمان آ جائے گا۔ تم اس پہ ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا سب انبیاء علیہم السلام نے کہا ہم نے اقرار کیا کہ ہم اس عہد کو پورا کریں گے اور ہر آنے والے نبی پر اور خصوصاً حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کا دوست

تھا۔ اس نے تورات میں سے کچھ اچھی اچھی باتیں لکھ کر آپ کو دیں حضرت عمرؓ وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ میرے ایک یہودی دوست نے تورات کی بعض اچھی چیزیں لکھ کر دی ہیں۔ کیا میں ان کو پڑھ لیا کروں۔ یہ سن کر ناراضگی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا اَمُتَهَوِّكُونَ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى کیا تم بھی اسی طرح سرگرداں ہونا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ تو تم تحریف شدہ تورات کا ورق لائے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس آ جاتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے اَنَا آخِرُ الْنَّبِيِّيْنَ میں آخری نبی ہوں جو تمہارے حصے میں آیا ہوں۔ لہٰذا تم پر میری ہی اطاعت لازم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَّرَسُوْلًا۔ میں راضی ہو گیا اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ اس پر حضور علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

الغرض! جب تمام انبیاء نے اپنے عہد کا اقرار کر لیا۔ قَالَ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ گواہ بن جاؤ۔ کہ تم نے یہ اقرار کر لیا ہے۔ تم نے وعدہ کیا ہے۔ کہ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام آئے گا تو اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی تائید کرو گے۔ اور دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ اس بات پر گواہ ہوں۔

عہد شکنی پر وعید

فرمایا کہ پختہ عہد کرنے کے بعد فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ جس نے اعراض کیا اس کے بعد یعنی عہد کی پابندی نہ کی۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ تو ایسے لوگ فاسق اور نافرمان ہوں گے۔ فاسق نافرمان، منافق اور کافر کو بھی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکاری ہے تو یہ بنیادی فسق ہے۔ انسان کافر

ہو جائے گا، ورنہ معصیت کا مرتکب خصوصاً کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے فرمایا اس عہد کو توڑنے والا فاسقوں میں شمار ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ یہ بات میثاق انبیاء کے ضمن میں کہی جا رہی ہے۔ کہ عہد شکنی کرنے والا فاسق ہو جائے گا۔ مگر اس سے مراد امت کو سمجھانا ہے۔ کہ انبیاء کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ نہ دینا ورنہ تمہارا نام فاسقوں کی فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس سے مراد اہل کتاب خاص طور پر ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے عہد شکنی کا تو گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کا نبی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ بلکہ نبی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا نبی سے عہد شکنی کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امت کو سمجھانا مقصود ہے۔ کہ انبیاء کے عہد کو توڑ کر فاسقوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔ اہل کتاب تو بیشک عہد شکن ہیں۔ مگر آج کا مسلمان بھی اس معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا کرے۔

درس بست و نہ ۲۹ — آیت ۸۳ تا ۸۵

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسی اللہ کے لیے فرمانبرداری کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں۔ اور جو زمین میں ہیں خوشی اور ناخوشی سے، اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائیں گے (۸۳) اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے، ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس چیز پر جو اُتاری گئی ہے ہمارے اوپر اور اُس چیز پر جو اُتاری گئی ہے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام) اور اُن کی اولاد پر اور جو چیز دی گئی ہے موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو اور جو چیز دی گئی ہے سب نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے کسی ایک کے درمیان۔ اور ہم اُسی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں (۸۴) اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا۔ پس اُس سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (۸۵)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جو اس نے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام سے لیا۔ اور پھر اس عہد کو توڑنے والوں کی سزا کا بیان بھی آچکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے ڈانٹ پلائی ہے۔ اس کے بعد دین اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس دین اطاعت فرمانبرداری کو قبول نہیں کرتے جس کا ان سے عہد لیا گیا تھا، تو پھر کیا اس کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان تو دین توحید کے متعلق لیا تھا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی دین کی تعلیم دیتے رہے ہیں لہٰذا وہ کبھی اس بات کی تعلیم نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کو رب بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ یا کسی کو حلال و حرام کا مختار سمجھا جائے۔ وہ تو ہمیشہ یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کُونُوا رَبّٰنِیّٖنَ یعنی اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے ہو جاؤ۔ صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو۔

سچا دین

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا اَسْلِمْ یعنی اسلام لے آؤ۔ اللہ کے سچے دین کو قبول کر لو۔ اس کی اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ تو انہوں نے جواب میں کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں نے تمام جہانوں کے رب کا نازل کردہ دین قبول کر لیا۔ اس کا فرمانبردار ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا کیونکہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بنا رکھے ہیں کیا ان کے بارے میں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے۔ کہ جھوٹے اور

تمہ و شرک والے ادیان کو تسلیم کریں۔ اللہ کے علاوہ کونسی ذات ہے۔ جس کی اطاعت
تمام مخلوق پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ آسمان و زمین کی ہر مخلوق بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کی فرمانبرداری کرتی
ہے۔ ہاں ! طَوْعًا وَّكَرْهًا کچھ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں
اور بعض دوسرے مجبوری اور لاچاری کی بنا پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں، تکوینی احکام وہ احکام ہیں جو انسان
کو اپنی خواہش اور اختیار کے بغیر کرنے پڑتے ہیں۔ جیسے زندگی، موت، بیماری
حادثات، بارش، خشک سالی، سیلاب، زلزلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں، جو انسان پر
بغیر خواہش اور بغیر اختیار کے وارد ہوتی ہیں۔ انسان کو ان احکام پر مجبوراً عمل پیرا ہونا
پڑتا ہے۔ یہ تکوینی احکام ہیں۔ دوسری قسم کے احکام شرعی احکام کہلاتے ہیں۔
یہ احکام اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ان پر عمل انسان اپنی
خواہش اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوق ہے۔ جو ان احکام کو احکام
الٰہی سمجھ کر خوشی سے تسلیم کرتی ہے۔ اور بعض بدبخت ایسے بھی ہیں، جو انہیں ماننے
کے لیے تیار نہیں۔ تو فرمایا کہ ایسی ہستی جس کے تمام تکوینی اور شرعی احکام مانے
جائیں وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ماننے والے آسمان میں بھی ہیں اور زمین
میں بھی ہیں۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ یہ اللہ کی مطیع اور فرمانبردار مخلوق ہے
حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ آسمان میں چار بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے
جہاں کوئی فرشتہ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ زمینی مخلوق میں انسانوں
کے علاوہ شجر، حجر، چرند، پرند، نباتات، جمادات سب اللہ کے تکوینی احکام کی
تعمیل کرتے ہیں۔ رہے انسان تو ان میں بہت سے ایسے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے
شرعی احکام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں
"وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ" اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن
پہ اللہ تعالیٰ کی سزا ثابت ہو چکی ہے۔ تکوینی احکام تو وہ بھی مجبوراً مانتے ہیں مگر شرعی

احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ وہ تو فرماتا ہے وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ انہیں بہر صورت اُس مالک الملک کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے سب اس کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر ایک سے اس کے عقیدے اور عمل کے متعلق باز پرس ہوگی۔ تو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کافر، مشرک، یہودی اور عیسائی اگر اللہ کے سچے دین کو نہیں مانتے۔ تو پھر کس دین کو مانیں گے۔ کیا کوئی ایسی ذات ہے۔ جو اللہ کے علاوہ انہیں کوئی سچا دین مہیا کرے۔ یہ کس دین کے متلاشی ہیں۔ دین عطا کرنے والی ذات تو فقط ذات واحد ہے۔

جس سچے دین کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ وہی دین ہے جس کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی اور جس کی تعلیم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ کہ حنیف بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چنانچہ اسی دین حنیف کی تشریح میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام ان سے کہہ دیجئے اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ یعنی اپنے خدا تعالیٰ کی ہستی کو واجب الوجود تسلیم کیا ہم نے اس کی توحید کو مانا۔ اس کے کمال صفات کے ساتھ متصف ہونے کو مانا۔ اُس ذات کو نقص و عیب سے پاک جانا۔ اس کو ازلی اور ابدی تسلیم کیا۔ ہم اس بات پر ایمان لائے کہ وہی ذات مالک و مختار کل ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ وہ خالق کل اور رازق کل ہے۔ وہ ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہے وہی حلال المشکلات ہے۔ وہی نافع اور ضار ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ یہی عقیدہ سبحان اللہ و بحمدہ میں سمجھایا گیا ہے۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا اور ہم اس چیز پر بھی ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی۔ ظاہر ہے کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا ہے۔ جس پر ہم ایمان لائے۔ اس کی تشریح میں فرمایا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ تِبْيَانًا پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا کہ پیغمبر کا ایک کام یہ بھی ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ جو کتاب اس پر

نازل کی گئی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح بیان کرے۔ تاہم یہ تشریح بھی
منجانب اللہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک وحی جلی ہے اور جو تشریح پیغمبر کی زبان سے
ہوتی ہے۔ وہ وحی خفی ہے مسلم شریف کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا کہ ایمان وہ چیز ہے ما جئت بہٖ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں یعنی جو بھی
چیز اللہ کی طرف سے نبی لایا ہے، اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔

فرمایا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ اور ہم اس چیز پر بھی ایمان لائے جو
ابراہیم علیہ السلام پہ اتاری گئی ہے۔ قرآن میں موجود ہے۔ کہ اللہ جل جلالہٗ نے حضرت
ابراہیم علیہ السلام پہ صحیفے نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورۃ اعلیٰ میں آتا ہے صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى اللہ تعالیٰ نے ان کو دین دیا، شریعت دی، احکام دیئے اور تمام مخلوق کا امام
بنایا، فرمایا وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ ہم اس
چیز پر بھی ایمان لائے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام،
حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پہ اتاری گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پہلے حضرت
ہاجرہؓ کے بطن سے اور دوسرے حضرت سارہؓ سے۔ دونوں اللہ کے نبی اور رسول
ہیں، اللہ نے ان کو مستقل شریعت دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم
کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں، وہ بھی اللہ کے صاحب شریعت
نبی ہیں۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط یعنی اولاد ہے۔ اس میں سے
اللہ نے جس کو نبوت دی، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو شریعت بھی دی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے
چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ یہ اتنا عظیم خاندان ہے۔ اسباط سے یہی
انبیاء اور رسل مراد ہیں جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے
عظیم پیغمبر مبعوث ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں
تاہم بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اکثر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ ان تمام

انبیاء علیہم السلام پہ جو چیز نازل کی گئی۔ اُس پہ ہمارا ایمان ہے۔

اس کے علاوہ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی جو چیز موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس پہ بھی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ تورات جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پہ اللہ نے انجیل نازل فرمائی۔ جسے بگاڑ کر اہلِ کتاب نے ایک سو بیس[۱۲۰] انجیلیں بنالیں۔ ان میں سے متی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائبل میں موجود ہیں۔ جن کے مضامین ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پانچویں انجیل برنباس ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصلی حالت پہ موجود نہیں رہی۔ تاہم ہمارا ایمان اُس اصلی انجیل پہ ہے۔ جو سریانی زبان میں نازل ہوئی۔

آخر میں فرمایا: وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ خلاصہ یہ ہے:

تمام انبیاء علیہم السلام پہ اُن کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی اتارا گیا ہے۔ اُس پہ ہمارا ایمان ہے جملہ لوگوں کی صداقت کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پہ نازل ہونے والی تمام کتب کو مانتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ تم تو سب کتابوں پہ ایمان رکھتے ہو۔ مگر یہ یہود و نصاریٰ اللہ کی سب سے عظیم اور آخری کتاب قرآن پاک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بنا کر لاتے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اس قدر متعصب لوگ ہیں۔ اور یہی ان کے کذب کی دلیل ہے۔ یہ تو ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں۔ مگر ہم تو تمام انبیاء کی رسالت پہ یقین رکھتے ہیں یہی حقیقت ہے۔ اور یہی سچا دین اسلام ہے۔ ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی نصرت کا وعدہ کیا۔

یہ آیت قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ پہلے پارے میں بھی گزری ہے وہاں پہ ملتِ ابراہیمی کی تشریح الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بیان

کی گئی ہے۔ وہاں پر عَلَیۡنَا کی جگہ اِلَیۡنَا اور وَالنَّبِیُّوۡنَ سے پہلے وَمَا اُوۡتِیَ کے الفاظ زیادہ ہیں مقصد یہی ہے۔ کہ جو کچھ اللہ نے نبیوں پہ نازل کیا ہے وہ حق ہے اور ان سب پہ ہمارا ایمان ہے۔ گویا۔ اس اصل ہدایت پہ ہمارا مکمل ایمان ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا تاہم اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہیں اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

ایمان بالرسل

اور آخر میں تمام انبیاء پہ ایمان لانے کی وضاحت اس طرح فرمائی لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ہم انبیاء اور رسل میں کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، تفریق کرنے کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ یہودیوں کی طرح بعض انبیاء پہ ایمان لائے اور بعض پہ نہ لائے۔ اس قسم کی تفریق صریح کفر ہے کیونکہ تمام انبیاء پہ ایمان لانا ضروری ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ وہ سب اللہ کے کامل بندے اور برحق نبی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں مخلوق خدا کو حق کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء کو کتابیں اور شرائع عطا فرمائیں۔ ان سب پہ ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ اللہ کے تمام انبیاء پہ ایمان نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پہ دونوں گروہ حضور ختم المرسلین علیہ السلام پہ ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا یہ تفریق بین الرسل کے مرتکب ہو کر کافر ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں دجال کہتے ہیں اور ان کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔ مگر ہم بحیثیت مسلمان کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ہم اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں، یہی اسلام ہے۔ یہی حنیفیت ہے اور یہی ملت ابراہیمی ہے جس کی تعلیم سارے نبی لیتے آئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ یاد رکھو! وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا کہ ایسا کر کے وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ اس سے

ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ لہٰذا وہی مقبول ہوگا۔ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بین الاقوامی طور پر بڑی بڑی سازشیں کی ہیں۔ ماضی قریب تک سلطنت برطانیہ بڑی وسیع سلطنت اور عظیم طاقت تھی۔ اس نے ساری دنیا کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ دو سو سال تک اس طاقت نے دنیا میں اودھم مچا رکھا تھا۔ خصوصاً اہل اسلام کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ خلافت کو اسی نے ختم کیا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد افریقی ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ تو وہاں کے لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں سینکڑوں لوگ اسلام لاتے تھے۔ یہ چیز انگریز کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ انہوں نے وہاں پر طرح طرح کے فتنے کھڑے کیے۔ احمد وبیلو مسلمان مبلغ تھے ان کے علاوہ نائجیریا کے صدر اور وزراء کو مروا ڈالا۔ جب لوگوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو انہوں نے تحریف فی القرآن کا ارتکاب کیا۔ تحریف شدہ قرآن پاک کے نسخے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کرا کے مفت تقسیم کیے بمثال کے طور پر آیت زیر مطالعہ میں سے لفظ غیر کو حذف کر دیا اور باقی صرف وَمَنْ يَّبْتَغِ الْاِسْلَامَ دِيْنًا رہ گیا جس کا معنیٰ بالکل الٹ ہوگیا۔ جب یہ بات کرنل ناصر مرحوم کے نوٹس میں آئی تو اس نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اس نے اشاعت قرآن کے لیے ایک خصوصی کمیٹی بنائی جس نے پوری صحت کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک طبع کرا کے تقسیم کیے۔ اور ساتھ کہہ دیا کہ اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا اعتبار نہ کرو۔ یہ نسخہ ہمارے پاس بھی موجود ہے انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے صوت الاسلام کے نام سے ایک مستقل ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا تاکہ قرآن پاک کی نشر و اشاعت ہوتی رہے۔ یہ ناصر کا بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ اس نے اپنے زمانے میں غلطیاں بھی کیں۔ بہرحال یہود و نصاریٰ کی سازش کا کامیاب جواب دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰىٓ اَوْلِيَآءَ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ عادتی لوگ ہیں، ہر وقت اسلام کو نقصان

پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا، اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ایسا شخص آخرت میں نقصان میں پڑے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین بھی کامیابی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ بلکہ اس کے متبعین سراسر خسارے کا سودا کریں گے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تو قابل فہم ہے، وہ تو دوسرا دین ہی تلاش کریں گے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔ آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جب مسلمان اپنے دین پر یقین کرتے تھے، عروج کی بلندیوں پر تھے۔ کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ مگر اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں۔ انہی کے لہو و لعب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پیروانِ اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں تو سخت نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

اسلامی قوانین

تہذیب و تمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نظر نہیں آتا۔ اسی لیے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فرسودہ دین بن چکا ہے۔ لہٰذا وہ اقتصادی نظام کے لیے روس، جرمنی، امریکہ اور فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں ان کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا دستور العمل مشعلِ راہ ہے۔ مگر اب قوانین اس مجلس شوریٰ سے بنوائے جاتے ہیں جس میں ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ کیا اسلام کا قانون یہ لوگ بنائیں گے؟ ممبرانِ شوریٰ کے لیے تو خصوصی اہلیت مقرر ہونی چاہیئے تھی جس سے پتہ چلتا کہ واقعی یہ لوگ اسلامی قانون سازی کے قابل ہیں۔ حضرت عمرؓ

کی شوریٰ کے ممبر وہ لوگ ہوتے تھے۔ جو قرآن پاک کو زیادہ جاننے والے ہوتے۔ آج بھی اسلامی شوریٰ میں جانے کے اہل وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت اور تعامل صحابہؓ کے عالم ہوں۔ جب تک اہل لوگ اکٹھے نہیں ہوں گے اسلامی قانون کی تدوین نہیں ہو سکتی۔ جب فاسق فاجر، ہندو، مرزائی، رافضی وغیرہ ممبران شوریٰ ہوں گے۔ تو اسلامی قانون کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو اپنی اغراض پوری کریں گے۔ یہ سب عَلَيْهِ لِيُسْلِمَ دِينًا والی بات ہے۔ اگر فلاح کی ضرورت ہے تو اسلامی قوانین کو من وعن جاری کرنا ہوگا۔ اگر کلچر غیر اقوام کا اپنانا ہے، اقتصادیات اور سیاست ان سے لینی ہے، اخلاق ان سے اخذ کرنا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔ آؤ! آج بھی راہ راست پر آجاؤ۔ اور دین اسلام کو سینے سے لگالو، تو کامیابی و کامرانی نصیب ہو جائیگی۔

درس ٣٠ | آیت ٨٦ تا ٩١

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾

ترجمہ:- اللہ کس طرح راہ بتلائے گا اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے۔ اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہے۔ اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آئیں اور اللہ نہیں راہ دکھاتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو (٨٦) یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ بیشک ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی (٨٧)

اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی (۸۸) ہاں! مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۸۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پہلے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے، پس اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے والے ہیں پس اُن میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے، اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا (۹۱)

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حنیفیت کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ اور اسلام کی حقانیت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اللہ کے ہاں اسلام کے سوا کوئی دین قابلِ قبول نہیں ہے۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا، اُس سے وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسا شخص ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ خاص طور پر آخرت میں تو وہ جہنم کا مستحق ہو کر سخت نقصان اٹھائے گا۔ اب آج کے درس میں اسلام کے بعد کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتے۔ اور نہ ہی اُن کی توبہ قبول کی جائیگی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

آخرت کا مدار اسلام پر ہے

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں، کہ قیامت کے دن مختلف نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی، مثلاً نماز حاضر ہو کر عرض کرے گی۔ پروردگار! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَنْتَ عَلٰی خَیْرٍ تم بہتری پر ہو۔ یعنی تمہارا بدلہ اچھا ہوگا۔ پھر صدقہ آئے گا اور عرض کرے گا۔ مولا کریم! میں صدقہ ہوں۔ اللہ جل شانہ فرمائیں گے، تمہارا بدلہ بھی اچھا ہے، تم بھی بہتری پر ہو۔ جس شخص نے دنیا میں صدقہ کیا ہوگا، اُسے یقیناً اس کا اچھا

بدلہ ملے گا۔ اس کے بعد روزہ آئے گا۔ اور عرض کرے گا۔ اَنَا الصَّوْمُ اے اللہ! میں روزہ ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ تم بھی بہتری پر ہو۔ پھر اسلام آئے گا اور عرض کرے گا۔ اے پروردگار! اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ تو سلام یعنی سلامتی والا یا سلامتی دینے والا ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے) اور میں اسلام ہوں یعنی مجسم فرمانبرداری ہوں میں اطاعت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ٹھیک ہے۔ بِكَ اُعْطِيْ وَبِكَ اٰخُذُ آج میں تیری وجہ سے ہی دوں گا اور تیری وجہ سے مؤاخذہ کروں گا۔ آج سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا ہے، اس کو اچھا بدلہ ملیگا۔ اور جس نے اسلام سے روگردانی کی، اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ کہ تم نے اسلام کو کیوں نہ قبول کیا

شانِ نزول

ان آیات کی شانِ نزول میں مختلف روایات آتی ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انصار مدینہ میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر گیا۔ مگر بعد میں اس پر نادم ہوا۔ تاہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو ترک کرنے کے بعد کفر پر اڑے رہے، منجملہ ان کے ایک شخص منافق کا ذکر آتا ہے جو مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا۔ یہ شخص اسلام اور اہلِ اسلام کی سخت مخالفت کرتا رہا اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے۔ کہ اسلام لانے کے بعد اس کو حضور علیہ السلام نے صدقات کی وصولی کے لیے کسی جگہ بھیجا۔ راستے میں خدمت کے لیے ایک خادم بھی ہمراہ بھیجا۔ دورانِ سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کر دی تو اس ظالم نے اُس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قتل ناحق کے جرم میں اُس کے خلاف مقدمہ قائم ہوتا، پھر یا تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہو جاتا اور آخرت کی سزا سے بچ جاتا۔ مگر اُس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کی بجائے اسلام کو ترک کر دیا اور مرتد ہو کر کفارِ مکہ سے جا ملا۔ وہاں پر اُس نے عیش و عشرت کی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ اُس کے پاس لونڈیاں تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں جن میں اسلام کی توہین اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے ابن خطل سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں۔

سنہ ۸ھ میں حضور علیہ السلام دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ فتح مکہ کے لیے تشریف لائے، تو ابن خطل نے بیت اللہ شریف کے پردے پکڑ کر امان چاہی حضور علیہ السلام کو خبر ملی تو اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا چنانچہ اس بدبخت کو مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان قتل کر دیا گیا غرضیکہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ ان آیات میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں بسنے والے دس یہودی اسلام میں داخل ہوئے مگر بعد میں مرتد ہو گئے یہ آیات ان کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں کی سازش کا تذکرہ اسی سورۃ میں آچکا ہے کہ وہ آپس میں منصوبہ بناتے تھے کہ دن کے پہلے حصے میں مسلمان ہو جاؤ۔ اور پھر آخری حصے میں اسلام کو ترک کر دو۔ اس طرح وہ لوگ بھی اسلام سے بدظن ہو جائیں گے جو اسلام لا چکے ہیں۔ دوسری طرف یہود کا تعصب بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آخری نبی کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم اس نبی کا ساتھ دیں گے اور اس کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور ان پر غلبہ حاصل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ نبی آخر الزمان کے آنے سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اپنے آخری نبی کو مبعوث فرما تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر کافروں پر فتح حاصل کریں مگر اللہ نے فرمایا ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ جب وہ نبی برحق آگیا۔ اور ان بدبختوں نے اسے پہچان بھی لیا، تو انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

بعثت رسول کی پیشگوئیاں

نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت کے متعلق سابقہ کتب میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ بائیبل میں اعمال رسل کے باب میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

بنی اسرائیل کے باپ دادوں سے کہا "خداوند جو تمہارا خدا ہے، وہ تمہارے بھائیوں میں تمہارے لیے ایک نبی میری مانند اٹھائیگا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے، تم سب اُس کو سنو" یہ آیت شیخ الاسلامؒ نے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام نے تو نہایت تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ وہ میرے بعد آنے والا ہے مگر جب وہ آگیا اور انہوں نے پہچان بھی لیا تو صاف انکار کر گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود سمجھتے تھے کہ آسمانی ہدایت صرف اُن کے لیے مخصوص ہے قرآن پاک میں موجود ہے۔ "قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى" وہ کہتے تھے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دوسرا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جب وہ نبی آخر الزماں تشریف لے آئے اور اعلان فرما دیا۔ "یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تو اہل کتاب ضد اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے عناد اور کفر کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے متعلق پیشین گوئیوں کو خلط ملط کر دیا۔ اس طرح یہ لوگ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

ظالم ہدایت سے محروم ہیں

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا "کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا" اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے گا۔ "كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ" جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا "وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ" اور گواہی بھی دی کہ بیشک خدا کا رسول برحق ہے۔ "وَجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ" اور اُن کے پاس واضح اور کھلی کھلی نشانیاں بھی آگئیں۔ یاد رکھو! جب تک کوئی قوم ظلم و ستم کرتی رہے گی۔ "وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ" اللہ ایسی قوم کو ہدایت نصیب نہیں کریں گے۔ راہِ راست کے لیے تو شرط ہے کہ انسان اپنی غلطی یا ظلم

کو ترک کر دے اور خلوصِ دل سے ہدایت کا طالب ہو، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے ہدایت کا راستہ کھول دیگا۔ مگر یہ لوگ تو بدنیت اور بدکردار ہیں۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ اُن کا بدلہ تو یہ ہے کہ اُن پر خدا کی پھٹکار رہے اور لعنت ہے۔ لعنت کا معنیٰ خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور پھر یہ کہ وَالْمَلٰٓئِكَةِ اللہ کے فرشتے بھی ان پر لعنت اور پھٹکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول کی آمد سے پہلے اُن کو مانتے تھے، مگر جب وہ آگئے تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا۔ اور جن لوگوں کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ اُن پر ساری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اور اس لعنت کا ثمرہ یہ ہوگا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار رہیں گے۔ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اور نہ انہیں مہلت ملیگی۔ اُن کو اپنی اصلاح کرنے یا اللہ تعالیٰ کو منانے کا کوئی موقع نہیں دیا جائے گا۔

قبولیتِ توبہ

فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد بھی اگر کوئی توبہ کرے گا تو باب التوبۃ مفتوح اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مطلب یہ کہ مرتد ہونے کے بعد بھی اگر کوئی سچے دل سے توبہ کریگا تو وہ قبول ہو سکتی ہے۔ جب تک سورج مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلوع نہیں ہوتا، توبہ قبول ہوگی۔ انسان خواہ کتنا بھی گنہگار ہو۔ پھر یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وَاَصْلَحُوْا اصلاح بھی کرلیں اور نیک اعمال انجام دیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اصلحوا میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کیا جائے۔ اگر اللہ کے حقوق یعنی فرائض منجملہ نماز، روزہ وغیرہ قضا ہوا ہے۔ تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے معاف کرایا جائے۔ اس کے بغیر توبہ قبول

نہیں ہوتی۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے جو غلطی ہوئی ہے اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اگر ان شرائط پہ پورا اترا تو توبہ قبول ہوگی۔ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ پس بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ جب اس کی رحمت جوش میں آتی ہے تو سچے دل سے تائب کی سابقہ برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔

عدم قبولیت توبہ

فرمایا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوگی۔ ورنہ توبہ کا عام اصول یہ ہے کہ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں اور اس پہ غرغرت کی حالت طاری نہیں ہوتی اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ فرمایا الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت نظر آجاتی ہے۔ اُن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں، غیب کا پردہ اٹھ جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ توبہ کی عدم قبولیت کا یہی معنیٰ ہے۔ فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ یہی لوگ گمراہ ہیں۔ انہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔

فدیہ کی عدم قبولیت

فرمایا یاد رکھو إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ جن لوگوں نے کفر کیا اور پھر کفر کی حالت میں ہی اُن کی موت واقع ہوئی تو پھر اُن کی حالت یہ ہوگی فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ کہ ان میں سے اگر کوئی شخص سونے سے بھری ہوئی زمین بھی فدیہ میں دینا چاہے گا تو اُس سے قبول نہیں کی جائے گی۔ اوّل تو یہ بات ویسے ہی محال ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کی ملکیت میں زمین بھر سونا ہو اور وہ اُسے اپنی جان کی خلاصی کے لیے دینا چاہے۔ تاہم اگر ایسا ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شہید شخص کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کریگا مولا کریم! بہت ہی بہترین ٹھکانا ہے۔

اللہ فرمائے گا، کوئی اور خواہش ہے تو بتاؤ۔ وہ عرض کریگا، الٰہی مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پھر تیرے راستے میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ فرمائے گا اس بات کی اجازت نہیں۔ پھر ایک کافر کو لایا جائے گا۔ اُس سے بھی وہی سوال ہوگا، کہ تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا۔ شَرُّ مَکَانٍ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرمائے گا، اگر ساری زمین سونے سے بھری ہوئی تیرے قبضے میں ہو، تو کیا تو اپنی جان کا فدیہ دینے کے لیے تیار ہے۔ عرض کرے گا، پروردگار میں بالکل تیار ہوں، اللہ فرمائیگا، تو جھوٹا ہے۔ میں نے تم سے ایک معمولی سا مطالبہ کیا تھا کہ مجھے وحدہٗ لاشریک مان لو، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ یہ کون سی مشکل بات تھی۔ مگر تم نے نہ مانا اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔ آج زمین بھر سونا فدیہ دینا چاہتے ہو، مگر یہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عذاب کے تمام زہریلے مادے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ انہیں نہایت ہی دکھ دینے والا عذاب پہنچایا جائے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اُن کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انسان لاکھوں حیلے بہانے اختیار کر لیتا ہے۔ کہیں افرادی قوت میسر آجاتی ہے۔ کہیں رشوت اور سفارش کام کر جاتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس قسم کا کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا۔ کفر کرنے والے بے بس ہو جائیں گے۔ اور ابدی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

درس سی ویک ۳۱

آیت ۹۲

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے، بیشک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے ﴿۹۲﴾

ربطِ آیات

سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر نصاریٰ کی تردید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط عقائد کا رد فرمایا ہے۔ اور انہیں اصلاح کی دعوت دی ہے تاہم اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی خرابیاں بیان کی ہیں، اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ دین اسلام کے برحق ہونے کو ثابت کیا ہے اور اس کی پیروی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسلام کے علاوہ کسی دین میں کامیابی ممکن نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد دوبارہ گمراہی کے راستہ پر چل نکلنے والوں کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کی سزا کا تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ کے طور پر قیامت کو دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا کیونکہ کافر کی نجات ہرگز ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے دنیا میں خرچ کیا ہوا مال کسی کام نہ آئیگا۔

قبولیت کا مدار ایمان پر ہے

آج کی آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔ انہیں یاد دہانی کرائی جا رہی ہے، کہ کافر خواہ کتنا بھی مال خرچ کریں، شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتے

البتہ اہلِ ایمان تھوڑی سی چیز بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اجرِ عظیم کا مستحق ٹھہرے گا۔ مقصد یہ کہ قبولیت کا مدار اسلام اور ایمان پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے اَخْلِصْ دِیْنَکَ یَکْفِیْکَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْعَمَلِ اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو، تھوڑا عمل بھی تمہارے لیے کفایت کرے گا۔ اخلاص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے عقائد کی اصلاح فرمانبرداری اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو تو اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کرو، تاکہ تمہیں اعلیٰ درجے کی نیکی حاصل ہو جائے۔

برّ، بِرّ اور اثم

بِر اور بَر کی اصطلاحیں قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ بر سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہی کے ذریعے کوئی شخص جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ یا مطلقاً بر سے مراد نیکی ہے جس کی ادائیگی کے بعد انسان کو اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ مگر جب تک وہ اپنی محبوب چیز کو خرچ نہیں کرے گا، اعلیٰ درجے کا معیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان معانی میں پہلی آیتوں کے ساتھ ربط بھی پیدا ہو جائے گا۔ اہلِ کتاب اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں اپنی محبوب چیز وجاہت کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ نجران کے نصاریٰ نے یہی تو کہا تھا کہ اگر ہم ایمان قبول کر لیں تو ان کی جاگیر اور اعزاز ختم ہو جائے گا۔ مقصد یہ کہ اگر اعلیٰ درجے کی نیکی چاہتے ہو تو ان سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ محبوب چیز خواہ مال و دولت ہو یا جاہ و حشمت ان کی قربانی دینا پڑے گی مگر اہلِ کتاب اس کے لیے تیار نہ تھے۔

بَر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ بہت احسان کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ بار نیکوکار آدمی کو کہتے ہیں، اور اس کی جمع ابرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابرار یعنی نیکوکار بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔ حضرت! بر کس کو کہتے ہیں فرمایا اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّ اِلَیْہِ النَّفْسُ یعنی بر وہ ہے جس

سے نفس کو اطمینان حاصل ہو۔ اور اثم وہ ہے۔ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَ كَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ جس سے دل میں کھٹکا پیدا ہو۔ اور تم ناپسند کرو کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ایسی چیز کو ترک کرنا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ بر ہر ایسا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف سے الہام پاکر اس کی مراد میں فنا ہو کر کیا جائے۔ نیز ہر ایسا کام بر کی تعریف میں آ جاتا ہے جس کی وجہ سے ارتفاقات میں اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حجابات ہٹتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی بدولت دنیا اور آخرت میں اچھا نتیجہ نکلتا ہے۔ بر خلاف اس کے اثم ایسا فعل ہے جو شیطان کی اطاعت کے جذبے سے انجام دیا جاتا ہے اس سے ارتفاقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا کے طور طریقوں میں فساد برپا ہوتا ہے ایسا فعل انسان میں حجابات پیدا کرتا ہے۔ اور نافرمانی کے جذبے کو ابھارتا ہے۔ یہ اثم ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر برا ہی مرتب ہوتا ہے۔

نیکی کی مثالیں

ارشاد ربانی ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ تم ہرگز نہ پاؤ گے تم اعلیٰ درجے کی نیکی یہاں تک کہ اس چیز میں سے خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو۔ سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ مِمَّا سے مراد ہے اپنی استطاعت کے مطابق۔ جب حضرت ابوطلحہؓ نے یہ آیت سنی تو حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور میرے باغات میں سے بیرحا مجھے بہت محبوب ہے میں اسے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو مناسب جگہ پر صرف فرمائیں۔ فرمایا، خوب، یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابوطلحہؓ نے وہ باغ اپنے تین چار اقرباء میں تقسیم کر دیا۔ اس میں میٹھا پانی بھی تھا۔ حضور علیہ السلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے

جاتے اور اس کے کنوئیں کا پانی نوش فرماتے حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیبر میں ملی ہے وہ مجھے اپنے اموال میں سے زیادہ پیاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ کی راہ میں دے دوں۔ آپ نے فرمایا اسے وقف کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بڑا محبوب ہے اسے میں اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں سرورِ کائنات نے فرمایا، بہت اچھی بات ہے دے دو۔ عرض کیا، حضور! جسے آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔ آپ نے وہ گھوڑا زیدؓ ہی کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو دے دیا تاکہ وہ اسے جہاد میں استعمال کر سکیں۔ اس پر زیدؓ کو کچھ تردد ہوا کہ میں تو اللہ کی راہ میں دینا چاہتا تھا مگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اپنے بیٹے کو ہی عنایت کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو پتہ چلا، تو فرمایا، تردد مت کرو۔ جب تم نے اللہ کی راہ میں دے دیا تو اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ تمہارا بیٹا اس کا مستحق تھا، لہٰذا تمہارے صدقے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بڑی اچھی رومی لونڈی تھی جو آپ کو بڑی عزیز تھی۔ آپ نے اس کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میں اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کر لیتا۔ مگر میں اس کو فی سبیل اللہ آزاد کر چکا ہوں۔ پھر آپ نے مشورہ کر کے اپنے شاگرد نافع سے اس لونڈی کا نکاح کرا دیا۔ مقصد یہ کہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

پچھلی سورۃ میں گزر چکا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کرنی چاہیئے نہ کہ ردی چیز۔ جب تم خود ناقص چیز پسند نہیں کرتے تو ایسی چیز اللہ کی راہ میں کیسے دیتے ہو۔ حکم دیا ہے۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ

وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ" یعنی اپنی کمائی میں سے اچھی سے اچھی اور پاکیزہ سے پاکیزہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ حضور! کونسا غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا جو مالک کے نزدیک زیادہ پیارا ہو۔ جیسا کہ قربانی کے ضمن میں آتا ہے کہ اچھے سے اچھا، خوب موٹا تازہ، پالا پلا ہوا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ اس سے اجر بھی زیادہ ملے گا۔

محبوب چیز کی قربانی

یہ چند مثالیں میں نے عرض کر دیں۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ تھوڑا ہو یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہوگا، تو قبولیت کے درجے کو پہنچے گا۔ اور اس کا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہوگا۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خرچ کا تعلق صرف مال کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس محبوب چیز ہے، اس کی قربانی نیکی کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جاہ اور حکومت پیاری ہے تو اس کو قربان کرنا ہوگا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عہدہ اور منصب کے ذریعے مخلوقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اور اپنے ذہن سے ظالم اور جابر حاکم کا زعم نکال دے۔ یہی اس کی قربانی ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی کا جائز کام نہیں کرتا، ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرتا ہے، اپنے آرام و آسائش کی فکر میں رہتا ہے، جو کوئی کوٹھی، کار، خادم اور دیگر آرام و آسائش کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ تو اسے اعلیٰ درجے کی نیکی کہاں حاصل ہو سکتی ہے، اُسے تو یہ چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

ہیچ خیر از چشمک زرکش مجو
لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا

سونا کھینچنے والی نگاہوں سے کبھی نیکی کی امید نہ رکھو، جو شخص مال اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نیکی کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ نیکی تو جب حاصل ہوگی جب اپنی محبوب چیز کی قربانی کرو گے۔

معاشی نظام

سرمایہ دارانہ نظام میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکر میں رہتا ہے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ مال آنا چاہیے خواہ کسی راستے سے آئے مگر دوسروں کے ساتھ نیکی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ جو شخص خود دوسروں کا خون چوستا ہے۔ حرام کھاتا ہے، سود خور ہے، لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے، اس سے نیکی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی نظام قرار دیا ہے۔ امریکہ برطانیہ، فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ مال اکٹھا کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شرائع الٰہیہ کا انکار ہے۔ روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے۔ ہاں جو نظام معیشت انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ یہی صحیح اسلامی نظام ہے۔ اس کے ذرائع آمدن بھی جائز ہیں اور یہ حرام چیزوں پہ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں تعیش اور حرام خوری نہیں ہے۔ یہ نظام ناداروں اور غریبوں کی مدد کرتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔ یتیموں کے سر پہ دست شفقت رکھتا ہے۔ اور بیواؤں کا سہارا بنتا ہے۔ اس نظام کے اپنانے والے مال اکٹھا نہیں کرتے، انہیں جاہ و حشمت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

کسی قوم اور ملک کی معیشت میں تاجر حضرات مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کا رویہ مثبت ہوگا، حرام کی کمائی سے بچیں گے، تو دنیا و آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوں گے، ورنہ خوار ہوں گے، حضور علیہ السلام نے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے تاجروں کے گروہ! یاد رکھو، قیامت کے دن اکثر تاجر فاجر اٹھائے جائیں گے۔ اِلَّا مَنْ اَعْطٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ سوائے اس کے جو نیکی والا ہوگا، سچائی والا ہوگا، اور تقوے والا ہوگا، ایسے ہی لوگ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوکاروں کی قطار میں کھڑے ہوں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے تجار! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں، تم

دو چیزوں کے والی بنائے گئے ہو۔ انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہوئیں فرمایا وہ دو چیزیں الکیل والوزن ترازو اور پیمانہ ہیں۔ ان میں کمی بیشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، عذاب میں مبتلا کیا، یہ لوگوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ "وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ" میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے سورۃ الرحمٰن میں فرمایا۔ "وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ" ترازو میں کمی نہ کرو، بلکہ پورا پورا تولو۔ انصاف کرو، نا انصافی نہ کرو۔

اسراف و تبذیر

بہرحال اسلام کے علاوہ جو بھی نظامِ معیشت ہے سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے۔ اس میں حلال و حرام کی پابندیاں، اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ" یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ حرام مال حاصل کر سکتا ہے اور نہ حرام مقام پر خرچ کر سکتا ہے۔ آج کل فضول رسومات میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور اسے بڑی عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ سراسر اسراف ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ "اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان اسراف کو بڑی عزت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صریحاً خلافِ شرع ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عادت بن چکی ہے۔ کہ شادی میں تمام رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ صاحب خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس موقع پر کوئی رشتہ دار ناراض نہیں رہنا چاہیئے۔ سب کو منت سماجت کر کے راضی کیا جاتا ہے اور تقریب میں بلایا جاتا ہے البتہ انہی غلط رسوم اور اسراف کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو رخصت کہہ دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جائیں، ہمارے لیے ہمارے

لہ ترمذی ص۳۳۴ (فیاض)

رشتہ دار کافی ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اب دیکھئے ربیع الاول آرہا ہے۔ مسلمان جھنڈیاں لگا کر حضور علیہ السلام کی اتباع کا دعویدار بن رہا ہے۔ مگر یہ نہیں سوچتا کہ وہ اسراف کا ارتکاب کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہرگز نہ پاسکو گے اعلیٰ درجے کی نیکی یہاں تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو، فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے اُسے علم ہے کہ تم کس نیت اور جذبے کے تحت خرچ کر رہے ہو۔ لہٰذا اس کا بدلہ بھی نیت اور جذبے کے مطابق ہی ملیگا۔

درسِ سی و دو ۳۲ | آیت ۹۳ تا ۹۵

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ مِن قَبۡلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوۡرَىٰةُۚ قُلۡ فَأۡتُواْ بِٱلتَّوۡرَىٰةِ فَٱتۡلُوهَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ ٱللَّهُۗ فَٱتَّبِعُواْ مِلَّةَ إِبۡرَٰهِيمَ حَنِيفٗاۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کی کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے اُن کے جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے خود اپنے اُوپر حرام قرار دیا تھا، اس سے قبل کہ تورات نازل ہو۔ آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر (علیہ السلام)! تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو (۹۳) جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اس کے بعد، پس یہی لوگ بڑے بے انصاف ہیں (۹۴) اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ کہہ دیجئے، اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ پس تابعداری کرو ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی جو حنیف تھے، اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (۹۵)

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اصول بیان کر کے واضح شانِ نزول کیا تھا۔ کہ ملتِ ابراہیم، حنیفیت یا اسلام کا مطلب ایک ہی ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے اہلِ کتاب کو اسی ملتِ ابراہیمی کی طرف دعوت دی۔ اور فرمایا

کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار اہلِ اسلام ہیں۔ لہٰذا اہلِ کتاب کو چاہیئے کہ وہ بھی مسلمانوں کے طریقے کے مطابق ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ اس کے برخلاف یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اصل ابراہیمی وہ ہیں۔ انہوں نے جواباً کہا کہ اگر مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر ملتِ ابراہیمی میں حرام کردہ چیزوں کو وہ کیوں حلال سمجھتے ہیں۔ اُن کی مراد اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے تھی، جسے اہلِ کتاب حرام سمجھتے تھے مگر مسلمان اس کو حلال جانتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں، تو پھر اُس ملت کے قائم کردہ بیت المقدس کو قبلہ کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیات زیرِ درس نازل فرمائیں اور واضح کیا۔ کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر کی تکمیل میں خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور پھر اُن کے اتباع میں اُن کی اولاد نے بھی اِن چیزوں کو حلال نہ سمجھا۔ اہلِ کتاب کے دوسرے سوال یعنی تحویلِ قبلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ میں وضاحت فرمائی ہے۔

یہودیوں کے چار سوال

مستدرک حاکم اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے درجہ اوّل کی صحیح حدیث موجود ہے۔ کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ کہ یعقوب علیہ السلام نے کس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ تم کو بیٹا دوں گا یعنی اسحاق علیہ السلام وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ اور بیٹے کے بعد پوتا یعقوب علیہ السلام بھی دوں گا۔ جسے آپ اپنی زندگی میں دیکھ لیں گے۔ یعقوب عقب کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پیچھے آنے والا ہے چنانچہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر آپ کے بارہ

بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی جن کی تعداد لاکھوں کروڑوں تک پہنچ گئی۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النسا کی بیماری لاحق ہوگئی تھی جس کو لنگڑی کا درد بھی کہتے ہیں۔ نسا کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے مگر حقیقت میں یہ پٹھہ ہوتا ہے۔ جو کولہے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے یہ درد عرق النسا کہلاتا ہے۔ یہ درد کبھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی دونوں طرف۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی عارضہ تھا۔ انہوں نے نذر مانی کہ اللہ نے صحت عطا فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرغوب چیز کھانا ترک کر دوں گا۔ آپ کے نزدیک مرغوب اشیا میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی۔ تو آپؑ ان چیزوں کو ترک کر کے اپنی منت پوری کی بقصد یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں یہودی اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ کہ یہودیوں نے نبی اکرمؐ سے کہا۔ کہ ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں، جن کا جواب نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے ان باتوں کا ٹھیک جواب دیدیا تو پھر تمہیں ایمان لانا ہوگا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا، جس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی۔ مذکورہ جواب سُن کر یہودیوں نے اس کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا۔ کہ ماں کے پیٹ میں تفریق جنس کس طرح واقع ہوتی ہے۔ یعنی بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مرد کا مادہ تولید رنگت میں سفید اور قوام میں گاڑھا ہوتا ہے۔ برخلاف اس

کہ عورت کا مادہ رنگت میں زرد اور تو ہوتا ہے رقیق یا پتلا ہوتا ہے۔ فرمایا دونوں مادوں کے تولید میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہی جنس پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں علیٰ کا لفظ آتا ہے یعنی جونسا مادہ غالب آجائے۔ رہا یہ سوال کہ غالب کس طرح آتا ہے۔ تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً خاصیت میں، وصف میں یا مقدار میں غلبہ ہو سکتا ہے بہرحال جس مادہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو لد ہونے والا بچہ اسی جنس میں ڈھل جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا کہ نبی آخر الزمان کی نشانی کیا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تنام عینه ولا ینام قلبه اس کی آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے۔ یہودیوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سوالوں کے جواب مجھے معلوم نہ تھے حتیٰ کہ اللہ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام نے آکر یہ جواب مجھے بتائے تو میں نے یہودیوں کو بتا دیئے۔

یہودیوں نے چوتھا سوال یہ کیا کہ فرشتوں میں سے نبی امی کا دوست فرشتہ کون سا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا اُن کا دوست جبرائیل فرشتہ ہے اس سوال پر یہودی بدک گئے کہ جبرائیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس فرشتہ نے ہمارے آباؤ اجداد کو تکالیف دی ہیں۔ ہم اس کو نبی آخر الزمان علیہ السلام کا دوست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کر کے ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ پہلے اس کا وعدہ کر چکے تھے۔

حلت و حرمت

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں۔ طعام سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ کل الطعام سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کھانے پینے کے کام آتی ہیں۔ وہ سب حلال تھیں سوائے اُن کے جن کا ذکر سورۃ انعام کے پہلے رکوع میں آجائے گا بعض حرام چیزوں کا

ذکر سورۃ اعراف میں بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ وحی الٰہی کے ذریعے حرام کردہ چیزیں مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر لغیر اللہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال نہیں تھیں۔ البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور بہیمۃ الانعام یعنی بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دیگر جانوروں کا گوشت، دال، سبزی، روٹی وغیرہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں سوائے اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ جو چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بذریعہ نذر خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، وہ خاص انہی کے واسطے حرام تھیں۔ اور وہ بھی مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ تورات کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے۔ مگر اُن کی دیکھا دیکھی اُن کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا ترک کر دیا، حالانکہ یہ اُن کے لیے بالکل جائز تھا۔ اور تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہودیوں نے یہ غلط مشہور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں تورات کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔

مختلف شرائع کے احکام میں فرق

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دینا اللہ کے حکم سے تھا یا اُن کے ذاتی اجتہاد کی وجہ سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حرمت دونوں طرح سے جائز ہے۔ سابقہ شرائع میں کوئی چیز اللہ کے حکم سے بھی حرام ہو سکتی تھی اور نبی کے اجتہاد سے بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ اور مسئلہ زیر بحث میں دونوں ذرائع کا امکان موجود ہے۔ البتہ ہماری شریعت میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے طور پر بھی کسی حلال چیز کو اپنے آپ پر حرام کر لیتا ہے تو ایسی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایسی نذر کا توڑنا ضروری ہے۔ اور ایسی نذر کے کفارے کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لونڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ یا مسلم شریف کی روایت کے مطابق شہد پینے کو حرام کر لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں حکم نازل فرمایا یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ "اے نبی! آپ اس

چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں۔ جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ پھر آگے فرمایا قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ قسمیں توڑ دی جائیں۔ ہماری شریعت میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتا ہے۔ تو قسم واقع ہو جاتی ہے جسے توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ ضروری نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ پر دو چیزیں حرام کر لی تھیں۔

اور یہ تورات کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تورات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور یعقوب علیہ السلام نے آپ سے سینکڑوں سال پہلے ایسا کیا تھا۔ اور وہ صحت یابی پر نذر کی صورت میں نہ کہ ملت ابراہیمی کے حکم کی حیثیت سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اونٹ کا گوشت کھاتے تھے۔ آپ نے اسے اپنی اولاد کے لیے حرام بھی قرار نہیں دیا۔ بنو اسماعیل پر اونٹ کے گوشت اور دودھ کے ترک کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ البتہ بنو اسحاق میں سے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے قسم کی تکمیل میں یہ چیزیں چھوڑ دی تھیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی ان کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ کی اولاد کی محض اپنی صوابدید تھی کہ انہوں نے بھی ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

ہاں! تورات نے بعض دوسری چیزوں کو بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دیا تھا۔ ان اشیاء کا ذکر سورہ نساء کے آخر میں اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ" یعنی بنی اسرائیل کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے کئی حلال چیزیں ان پر حرام کر دیں۔ ان پہ گائے کا گوشت حلال تھا مگر چربی حرام تھی انہیں ایک ایک بوٹی سے چربی علیحدہ کرنے کی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی۔ صرف آنت کی چربی حلال تھی۔ ان کے لیے بعض دیگر جانور بھی حرام قرار دے دیے گئے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی میں یہ تمام چیزیں جائز تھیں۔

یہودیوں کی کذب بیانی

چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ــــ اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت
کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ
فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ
میں سچے ہو تو تورات لے آؤ، فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
اس کو پڑھو، تو معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں کہاں تک سچے ہو۔ ظاہر ہے
کہ تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم نہیں نکلے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تو یعقوب علیہ السلام
نے سینکڑوں سال پہلے خود اپنے اوپر حرام کی تھیں، لہٰذا تورات میں ان کا حکم ثابت
نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ اگر وہ تورات لا کر پڑھتے تو یہ حکم ثابت
نہ کر سکتے اور جھوٹے ثابت ہوتے۔ اس سے قبل زنا کی سزا کے متعلق بھی ان کی
کذب بیانی ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر سورۃ مائدہ میں آئے گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ خیبر کے ایک
مرد اور عورت زنا کے جرم میں ملوث ہوتے۔ جب یہ مقدمہ آنحضرت علیہ السلام
کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر
ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ تورات کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں
اور ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے رُخ ــــ
بٹھایا جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تورات میں زانیین کے رجم کا حکم ہے
تورات لا کر پڑھو۔ جب تورات لائی گئی تو یہودیوں نے اصل حکم پر انگلی رکھ لی۔
مگر حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے ذریعے اصل حکم واضح ہو گیا کہ زانی اور زانیہ شادی
شدہ کو بیشک جان سے مارا جاتے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خیبر کے بدکاروں
کو سنگسار کر دیا گیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے
دودھ کے متعلق بھی یہودیوں سے فرمایا کہ اگر ان کی حرمت کا حکم تورات میں
موجود ہے۔ تو تورات لاؤ اور پڑھ کر دیکھ لو۔ مگر یہودی چونکہ جھوٹے تھے، انہوں
نے تورات لانے کی جرأت نہ کی۔ اگر تورات لے آتے تو حرمت کا حکم ثابت نہ کر سکتے۔

چنانچہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی جو کوئی حق واضح ہو جانے کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو جان لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

ملت ابراہیمی کا اتباع

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر فرمایا قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ اے نبی علیہ السلام! آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور ملت ابراہیمی کے اصول واضح کر دیئے ہیں۔ اور آپ اُن کی دعوت دینے والے ہیں۔ اور اُس پر قائم ہیں۔ البتہ خود یہودی ملت ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریف کی ہے اور عمداً جھوٹ بولا ہے۔ اب جب کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا پس ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو۔ یہی دین اسلام ہے۔ اور یہی حنیفیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حنیف تھے، حنیف وہ ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان لاتا ہے۔ قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ لہٰذا تم بھی حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر ایک خدا وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اور ملت ابراہیم کا اتباع کرو۔ پہلے گزر چکا ہے "اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اپنے دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے جنہوں نے اُن کی پیروی کی۔ اور اس دور میں یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والے لوگ ہیں یہی لوگ آپ کی ملت کے پیروکار ہیں۔ یہودی تو ملت ابراہیمی کے تارک ہیں۔ انہوں نے ملت کو مسخ کر دیا۔ تورات کے احکام میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اصولوں کو بگاڑ دیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ابراہیم علیہ السلام تو نعوذ باللہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ لہٰذا تم بھی حنیف بن جاؤ کیونکہ حنیف مشرک نہیں ہو سکتا۔ "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ" اے اہل کتاب تم بھی شرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ تم ملت ابراہیمی

کے پیروکار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے پہلے سوال
کا جواب دیا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا۔ کہ جب تم ملت ابراہیمی
کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو پھر اونٹ کا گوشت اور دودھ کیوں
استعمال کرتے ہو۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکہ (یعنی مکہ مکرمہ) میں ہے۔ برکت والا ہے۔ اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح نشانیاں ہیں، جیسا کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔ اور جو شخص اس میں داخل ہوگا۔ وہ امن والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر حج ہے اس گھر کا جو طاقت رکھتا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی۔ اور جس شخص نے انکار کیا تو بیشک اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے پروا ہے ﴿۹۷﴾

گذشتہ سے پیوستہ

یہودیوں نے ملت ابراہیمی کی نسبت سے مسلمانوں پر دو سوال کیے تھے اول یہ کہ اگر اہل اسلام ملت ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار ہیں، تو پھر وہ اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ملت ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام تھیں۔ اس سوال کا جواب گذشتہ آیات میں آچکا ہے۔ کہ یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حلال تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی تکمیل میں از خود ان اشیاء کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ باقی سب لوگوں کے لیے حلال تھیں مگر آپ کی اولاد نے بھی محض آپ کے اتباع میں ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔ یہ تو نزول تورات سے سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے

کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بعض چیزیں اُن کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام قرار دیں، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

قبلہ اول

یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اہلِ اسلام ملتِ ابراہیمی پر کاربند ہیں۔ تو پھر انہوں نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کیوں مقرر کر لیا ہے۔ ان کا دعویٰ تھا۔ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مگر آپ نے اس کو بدل کر بیت اللہ شریف کو قبلہ کیوں مقرر کیا۔ یہ تو ملتِ ابراہیمی کی خلاف ورزی ہے۔ آج کے درس میں اسی اعتراض کا جواب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر لفظ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں۔ بلکہ عبادت خانہ ہے اس بات کی تشریح مسلم شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ حضور! زمین پر سب سے پہلے کون عبادت خانہ یا مسجد بنائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ پھر ابوذرؓ نے دریافت کیا۔ حضور! دوسرے نمبر پر کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ ارشاد ہوا، مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے۔ پھر عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے فرمایا چالیس ۴۰ سال۔

یہ بات تو واضح ہے۔ کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی، اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ اور ان دو انبیاء کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کا چالیس ۴۰ سال وقفہ بتانا کیسے ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بیت اللہ شریف کو تعمیر کرایا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر اُترے، تو انہیں وحشت ہوتی تھی اور وہ پریشان

سکتے تھے۔ آپ کی اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ جس طرح فرشتے آسمانوں پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور وہاں پر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی زمین پر عبادت خانہ بنائیں۔ جس کا لوگ طواف کریں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں پر بیت المقدس تعمیر کیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اس کے بعد حوادث اور طوفان آتے رہے۔ اور یہ دونوں مقدس مقامات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دونوں عمارات منہدم ہو گئیں۔ اس کے ہزاروں سال بعد بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ سورۃ حج میں موجود ہے۔ "وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ" جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ ٹھیک کر دی۔ چنانچہ یہ جگہ اُس وقت سے آباد ہے۔ لہٰذا اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اس کا حج کیا ہے۔ اور یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن پر فرمایا کہ صرف بیت اللہ شریف کی طرف ہی اپنا رُخ کرو۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک حنیف وہ شخص ہے۔ جو نماز میں بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کرتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتا ہے۔ اور بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہے۔ چنانچہ قبلہ اول بیت اللہ شریف ہی ہے۔ یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس بھی قبلہ رہا ہے مگر اب نہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے وہ قبلہ ثانی تھا۔ وہ مکرم و محترم ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں تین مقدس مقامات کا ذکر آتا ہے۔ وہ یہی ہیں مسجد الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ۔ یہ تینوں مقامات ہدایت کے مرکز ہیں۔ تاہم ان میں سے سب سے زیادہ محترم بیت اللہ شریف ہے۔

بکہ اور مکہ

بیت اللہ شریف جس شہر میں واقع ہے۔ وہ عرفِ عام میں مکہ کہلاتا ہے
جبکہ اس آیت کریمہ میں لفظ بکہ استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں نام ایک ہی
مقام کے ہیں۔ اس شہر پاک کو ام القریٰ، بلدہ طیبہ، بلد امین، بلدۃ المامون اور بلد مقدسہ
بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں بکہ کے دو معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنیٰ اجتماع ہے
چونکہ یہاں پہ لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے، خصوصاً ایام حج میں بہت بڑا
ہجوم ہوتا ہے، اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنیٰ جھکانا ہے، یا
توڑنا ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ شہر تَبُکُّ
اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَۃ یعنی جباروں کی گردنوں کو جھکانے والا ہے اور گردنوں کا
جھکانا دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے۔ کہ یہاں پہ بڑے بڑے
ملوک اور جبار اپنی گردنوں کو جھکا کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ
ہے۔ کہ جو کوئی اس مقدس مقام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ
اس کی گردن کو توڑ دیتے ہیں۔ اصحاب فیل کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ ابرہہ
نے ہاتھیوں کے ساتھ بیت اللہ پہ چڑھائی کی اور اس کو گرانے کی کوشش کی، تو
اللہ تعالیٰ نے اسے وادیٔ محسر سے آگے نہیں جانے دیا۔ مکہ سے تین میل باہر منیٰ
کے قریب اس لشکر کو ہلاک کیا۔ گویا بکہ ان معانی میں بھی ہے۔ کہ جو کوئی اس کو نقصان
پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ حبشہ کا ایک ظالم بادشاہ جو سیاہ رنگ
موٹی پنڈلیوں والا پست قد اور بڑا سنگدل ہوگا، خانہ کعبہ کی عمارت کو گرائیگا۔ اس کے بعد
پوری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکیگی۔ اس
کے بعد صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ گویا انہدام کعبہ دنیا کے آخری دور کی علامت ہوگا۔
قرآن میں کعبہ شریف کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ "جَعَلَ اللّٰہُ
الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ" اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو دنیا
میں لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے جب تک خانہ کعبہ قائم ہے، اس میں

خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی رہے گی، دنیا قائم رہے گی۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں رہے گا
یقیناً قیامت برپا ہو جائے گی۔

فضائل بیت اللہ شریف

فرمایا زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے فضائل میں
سے ایک ہے مُبٰرَکًا وہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ظاہری
اور باطنی تمام برکات رکھی ہیں، برکت کا معنیٰ ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس پایا جائے
حرم پاک میں ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اور ہر عابد کو اس میں
سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں پر ادا کی جانے والی عبادت کا اجر و ثواب دوسرے
مقامات کی نسبت بے حد و حساب بڑھ جاتا ہے ابن ماجہ کی روایت کے مطابق
وہاں پر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت
کے مطابق ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی بات
سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے باطنی طور پر اس مقام کو کتنی فضیلت
بخشی ہے۔ لہٰذا یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ کہ مسجد اقصیٰ کی فضیلت مسجد حرام سے
زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا بابرکت رکھا
ہے۔ یہ مقام کثیر الخیر والمنفعت ہے۔ اس کے مکین خوش نصیب ہیں جن
کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی "رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا
اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ" اے مولا کریم! اس شہر کو امن
والا بنا دے اور اس کے مکینوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔ اس دعا کی قبولیت
کا ثمرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ غیر ذی زرع وادی میں ہر چیز کی کتنی
بہتات ہے۔

فرمایا مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے۔ وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ اور تمام جہان
کے لیے ذریعہ ہدایت بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔
لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ کجاوے نہ کسے جائیں

ے ترمذی صفحہ ۱۲۱ (فیاض)

یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف۔ اور وہ ہیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ تینوں مقامات مراکز ہدایت ہیں۔ تاہم ان میں خانہ کعبہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اسی لیے وہاں پر عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو وہاں پیدا کیا، قرآن پاک کو وہاں نازل کیا اور مسلمانوں کی ابتدائی جماعت وہیں تیار کی، جو اللہ کے دین کو پوری دنیا میں جاری کرنے والی تھی۔

مکہ مکرمہ کے مرکز ہدایت ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کو ناف کے ذریعے خوراک پہنچائی جاتی ہے۔ ناف جسم انسانی کا مرکز ہوتا ہے تو اس کے ذریعے بچے کو خوراک پہنچا کر اس کی نشوونما کی جاتی ہے۔ اسی طرح بیت اللہ پوری دنیا کا مرکز ہے۔ اور اس کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کو روحانی غذا پہنچائی جاتی ہے۔

فضائل بیت اللہ شریف میں سے ایک یہ بھی کہ یہ وسط البلاد ہے مکہ یا بکہ کا ایک معنی وسط بھی ہے۔ یہ پوری دنیا کا وسط ہے۔ محدث بنوری فرماتے ہیں کہ جس آدمی کی نکسیر پھوٹتی ہو۔ اس کی نکسیر کا خون لے کر اس کی پیشانی پہ لکھ دیا جائے۔ مكة وسط البلاد والله رؤوف بالعباد تو اللہ اس کی نکسیر روک دیگا۔

یہ مقام اس لحاظ سے بھی وسط البلاد ہے۔ کہ زمین کی پیدائش سے پہلے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ پھر بیت اللہ شریف کے مقام پہ ایک بلبلہ سا پیدا ہوا اور اسی سے اللہ نے ساری زمین کو پھیلا دیا، تو گویا زمین کی پیدائش میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ پوری دنیا کا سنٹر ہے۔

تاریخ تعمیر کعبہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اور اس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد قبیلہ جرہم نے تعمیر کی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال کا خاندان ہے۔ پھر قوم عمالقہ کا ذکر ملتا ہے۔ اور اس کے بعد قریش نے حضور علیہ السلام

کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جب کہ اس کی چھت کمزور ہو چکی تھی، یہ وہی تعمیر ہے جس کے دوران حطیم کا حصہ خانہ کعبہ سے باہر نکالا گیا تھا، جو آج بھی اسی حالت میں ہے اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا، اور پھر یہ آخری تعمیر ترکی عہد حکومت میں سلطان مراد کے زمانے میں ہوئی، جو اب تک قائم ہے۔ البتہ موجودہ سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرداگرد ترکی عہد کے برآمدوں کے پیچھے بڑے وسیع برآمدے اور چاروں طرف سات، بلند اور خوبصورت مینار تعمیر کیے ہیں۔ اب صفا و مروہ کا پورا حصہ ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ اس دو منزلہ عمارت کا فرش سنگ مرمر کا ہے جس پر دبیز قالین بچھائے گئے ہیں۔ آب زم زم کی فراہمی کے لیے جدید نظام قائم کیا ہے۔ حرم پاک میں روشنی کے لیے ٹیوب لائٹس اور فانوس روشن ہیں، برقی پنکھے ہمہ وقت چلتے رہتے ہیں۔ اور لاؤڈ سپیکر کا مربوط نظام قائم ہے۔

اہل کتاب نے اس مقدس مقام کی فضیلت کو کم کرنے کی غرض سے اپنی ہی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ زبور میں موجود ہے۔ کہ خدا کے مقدس بندے وادی بکہ میں گزریں گے۔ وہاں پہ پانی کے چشمے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور چشمہ سے مراد آب زم زم ہے مگر انہوں نے بکہ کو بکا بنا دیا اور کہا کہ یہ وادی مکہ کا نہیں بلکہ وادی بکا کا ذکر ہے عربی زبان میں بکا سے مراد رونا ہے اسی طرح ان کی کتابوں میں مروہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کہ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مروہ سے مراد تو وہی صفا اور مروہ پہاڑیاں ہیں۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر موریا بنا دیا۔ یہ بھی ان کی تحریف کا ایک شاہکار ہے۔

فرمایا بیت اللہ شریف وہ مقدس مقام ہے فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ

جس میں واضح نشانیاں ہیں۔ منجملہ ان کے مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ مقام ابراہیم ہے۔
مقام ابراہیم کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اس جگہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
اولاد اسماعیل علیہ السلام کے لیے اقامت گاہ بنایا۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے
رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ
الْمُحَرَّمِ "اے ہمارے پروردگار! میں اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے
پاس بے آب و گیاہ زمین میں آباد کرتا ہوں۔ تاکہ وہ نماز قائم کریں، تیری عبادت
کریں اور دنیا کے دل وہاں کھنچے ہوئے آئیں۔ اور انہیں پھلوں سے روزی عطا
فرما۔ تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی
اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ "اللہ نے انہیں بھوک
سے نجات دی اور خوف سے امان بخشی۔" تو اس لحاظ سے اس میں بڑی واضح نشانیاں
عام مشہور یہ ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر
ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں جوں جوں
اونچی ہوتی جاتی تھیں یہ پتھر بھی خود بخود اونچا اٹھتا تھا اور آپ اس پر کھڑے
تعمیر کا کام کرتے تھے۔ اس سخت پتھر پر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے
پاؤں کا نشان بھی نقش کر دیا جس کا مشاہدہ دنیا بھر کے لوگ آج تک کرتے
ہیں۔ پہلے یہ پتھر ایک دوسری عمارت میں بند کر کے رکھا گیا تھا۔ موجودہ سعودی
حکومت نے اس کو شیشہ میں بند کر کے باب رحمت کے سامنے مطاف میں
میں رکھ دیا ہے۔ یہ دیکھنے والوں کو بخوبی نظر آتا ہے۔ سعودی حکومت نے شیشہ
کا یہ خول ۳۵ لاکھ ریال میں امریکہ سے خصوصی طور پر تیار کروایا تھا۔ بیک وقت
دو خول بنائے گئے تھے تاکہ اگر ایک ٹوٹ جائے تو دوسرا وہاں رکھ دیا جائے
یہ خاص قسم کا شیشہ ہے جو موسمی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ بہرحال مقام ابراہیم
اللہ کی واضح نشانیوں میں سے ہے۔

فرمایا یہ ایسا متبرک و مطہر مقام ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا "

جو شخص اس میں داخل ہو گا، اُسے امان حاصل ہو گی۔ امن سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے امن ہیں۔ ظاہری امن تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو۔ یا کسی دوسری جنایت میں ملوث ہو اور وہ حرم شریف میں پناہ لے لے، تو اس کو مارنے کی اجازت نہیں البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے میل جول اور اس کی خوراک پانی وغیرہ بند کر کے اُسے باہر نکلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر حرم سے باہر لے جا کر اُس پہ حد جاری کی جا سکتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وہاں پہ بالفعل فساد کرے، تو اُس کا دفاع جائز ہے مگر اس سے بھی حتی الامکان گریز کرنا چاہیئے۔ ۱۹۷۹ء میں حرم شریف میں جو حادثہ پیش آیا، اُس کی وجہ سے حرم پاک کی بڑی بے حرمتی ہوئی۔ عام حالات میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو حرم شریف کے تقدس کو ممکن حد تک بحال رکھنا چاہیئے۔ تاہم چونکہ اُن فسادیوں نے حرم کے اندر اسلحہ جمع کیا، میناروں پہ چڑھ کر گولیاں چلائیں، لہٰذا پھر حکومت کو بھی ضروری کارروائی کرنا پڑی، علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ حرم شریف کے اندر قتال کرنے والوں کا قلع قمع ضروری ہو گیا ہے چنانچہ حکومت سعودیہ کو مجبوراً اُن کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جس سے حرم پاک کا تقدس بہرحال مجروح ہوا۔ کیونکہ یہ جائے امن ہے۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہو گیا، وہ دوزخ کی آگ سے مامون ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص مکے یا مدینے کے حرم میں فوت ہو گیا، کُنْتُ شَفِيْعًا لَّهُ میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔ بشرطیکہ ایسا شخص ایماندار ہو۔

فرضیت حج

بیت اللہ شریف کے مختصر تعارف کے بعد فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر اُس شخص پہ اس گھر کا حج فرض ہے جو اُس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا، استطاعت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا "الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ" یعنی سواری اور توشہ۔ اس سفر پہ جانے کے لیے سواری میسر ہو،

اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے اتنا سامان موجود ہو، جو اس سفر مقدس کے عرصہ کے لیے کافی ہو، تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض فروعات میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہے اس پر حج لازم ہے، خواہ وہ ذاتی طور پہ معذور ہو یعنی اپاہج، اندھا یا بیمار ہے۔ اگر وہ خود چل کر حج نہیں کر سکتا، تو اسے لازم ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجے۔ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مال کے علاوہ آدمی کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ خود سفر اختیار کرنے سے معذور ہے، تو حج ساقط ہو جائیگا۔ خواہ اس کے پاس کتنا مال موجود ہو۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے مال اور جان دونوں لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ انسان صاحب مال بھی ہو اور تندرست و توانا بھی ہو، تب حج فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا مرکب ہے۔ لہٰذا استطاعت میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے۔ اگر محرم نہیں ہے تو عورت پر حج فرض نہیں رہا۔ کیونکہ محرم کا ہونا حج کی شرائط میں داخل ہے۔

حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کی بیوی حج پر چلی گئی۔ خاوند کا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور وہ جہاد کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اس شخص کو فرمایا حُجَّ مَعَ اِمْرَأَتِکَ جہاد کو ترک کر کے اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، وہ اپنے خاوند یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار نہیں کر سکتی، اور محرم وہ شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، ماموں، چچا، تایا، خسر وغیرہ۔

منکرینِ حج کے لیے وعید

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ جو کوئی کفران کریگا۔ اکثر مفسرین کرام نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج کرنے سے کفران کریگا

فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ تو بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ کفران سے مراد مطلق کفران نعمت بھی ہے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی اور انکار شریعت پر بھی دلالت کرتا ہے تاہم یہاں مراد یہ ہے۔ کہ حج فرض ہو چکا ہے مگر ادا نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کی عبادت کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت تو انسان اپنی ذات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو ہر حالت میں حمید ہے؛ تعریفوں والا ہے، وہ محمود اور غنی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔ اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا اور خواست نہیں دیتا، تو ہماری طرف سے ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی حادثہ پیش آجائے، مال میں کمی ہو جائے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

درس سی و چہار ۳۴ | آیت ۹۸ تا ۱۰۱

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ گواہ ہے۔ اُن چیزوں پر جو تم کرتے ہو ﴿۹۸﴾ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو اُس شخص کو جو ایمان لاتا ہے۔ تم اس رستے میں کجی تلاش کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں میں سے ایک فریق کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ تو وہ تمہیں پلٹا دیں گے تمہارے ایمانوں کے بعد کفر کی طرف ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کس طرح کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی ﴿۱۰۱﴾

ربطِ آیات — گذشتہ اسباق میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے غلط ملط اعتراضات کے جوابات دیئے اور ملتِ ابراہیمی کی وضاحت فرمائی۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہی اصل ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ ملتِ ابراہیمی کے مرکزی قبلہ بیت اللہ شریف کا تذکرہ ہوا اور اس کے فضائل بھی بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا بطورِ خصوصی حکم دیا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطورِ نصیحت اور تنبیہ اہلِ کتاب سے خطاب فرمایا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا ملتِ ابراہیمی پر قائم ہونا ثابت ہو چکا، تو پھر اہلِ کتاب کو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اور انہیں جان لینا چاہیئے کہ ان کا اپنا طریقہ خود ساختہ ہے۔ جسے ملتِ ابراہیمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

تکذیبِ آیات — ارشاد ہوتا ہے قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہلِ کتاب سے خطاب فرمائیں۔ اور کہہ دیں اے اہلِ کتاب! اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی کتابوں تورات اور انجیل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لغوی طور پر تو اہلِ کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان لاتا ہے یا اس کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے مگر حضور علیہ السلام سے پہلے نازل ہونے والی دیگر کتب و صحائف کے ماننے والوں نے اپنا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ لہٰذا اہلِ کتاب کا اطلاق ان دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اپنی نسبت تورات اور انجیل کی طرف کرتے تھے۔ قرآن پاک نے اہلِ کتاب کا لقب صرف انہی دو اقوام کو دیا ہے۔ اور جگہ جگہ ان کو خطاب کیا ہے۔

فرمایا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ کتاب سے کہہ دیں لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو۔ آیات میں اللہ کی توحید اور اس کے احکام، دلائل و براہین اور معجزات وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ سب چیزیں تمہارے پاس پہنچ چکی ہیں تو پھر تم انکار کیوں کرتے ہو، ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ یاد رکھو، وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ

تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا
ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ حقیقت
کے واضح ہو جانے کے بعد اس پر ایمان لے آؤ اور اگر پھر بھی تم کفر پر اڑے
رہے تو پھر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ خدا تعالیٰ سخت عذاب
میں مبتلا کرے گا۔ شَهِيدٌ کا یہی معنی ہے۔

صراطِ مستقیم میں رکاوٹ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے شکوے کے انداز میں فرمایا
ہے۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہلِ کتاب
سے کہہ دیں لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تم
اہلِ ایمان کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے
مالا مال ہو چکے ہیں، تم چاہتے ہو کہ وہ پھر ایمان سے پھر جائیں۔ اور اپنی اس
خواہش کی تکمیل کے لیے مختلف حیلے بہانے کرتے ہو۔ منجملہ ان کے ایک صورت
یہ ہے، تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کہ تم صراطِ مستقیم میں عیب، نقص اور کجی تلاش
کرتے ہو تاکہ اس کا اظہار کر کے لوگوں میں دینِ حق کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی
جائیں اور وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا
کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔

مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے قبیلہ اوس اور خزرج کی
پرانی دشمنی کو زندہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ تفصیل
اس اجمال کی یہ ہے کہ اوس اور خزرج کے قبائل مدینے میں سینکڑوں سال سے
آباد تھے، کافی بڑی تعداد والے قبیلے تھے۔ ان کا اصل تعلق یمنی خاندان سے تھا
مگر مدینے میں آ کر آباد ہو گئے۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک معمولی سی بات
پر لڑائی میں ملوث ہوئے اور یہ لڑائی ایک سو بیس [۱۲۰] سال تک چلتی رہی۔ حضور علیہ السلام
کے ورودِ مدینہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی تمام پرانی رنجش ترک کر کے
آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ یہودی مسلمانوں کو کسی صورت پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے

تھے۔ کسی مجلس میں ان دونوں قبائل کے لوگ موجود تھے۔ وہاں شاس ابن قیس یہودی
نے ایسے اشعار پڑھے یا پڑھوائے جس سے ان دو قبیلوں کی پرانی حمیت جاہلیہ پھر بیدار ہو گئی
قریب تھا کہ ان میں پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھتی کہ حضور علیہ السلام وہاں تشریف لے
آئے اور فرمایا، بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر تمہارے درمیان موجود
ہوں مگر تم پھر پرانی عصبیت کی باتیں کرنے لگے ہو۔ آپ نے ان لوگوں کو سخت
تنبیہ فرمائی، تو وہ تائب ہو کر لڑائی سے باز آ گئے۔ تاہم یہودیوں نے ان مسلمان
قبیلوں کو لڑانے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ یہ اسلام سے بدظن ہو کر دوبارہ کفر
کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ نے فرمایا، تم ایسا برا کام کیوں کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودی بھی اسلام کے خلاف سازش کرنے کا کوئی موقع
ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے مصر سے تحریف شدہ
قرآن پاک شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کیا۔ آیت کریمہ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ
الْإِسْلَامِ دِينًا میں لفظ غیر کو اڑا کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ کبھی الفاظ
بدلے کبھی معانی بدلے اور کبھی قرآن پاک میں موجود پیش گوئیوں کو جھٹلانے کی کوشش
کی تاکہ مسلمانوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ان
کا مقصد یہی ہے۔ کہ اسلام میں کجی تلاش کی جائے اور پھر اُسے خوب مشتہر کیا جائے
مستشرقین نے اس ضمن میں بڑی کوشش کی ہے۔ وہ علوم شرعیہ پر عبور حاصل کر کے
قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں اور پھر ان میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ
باطل نظریات داخل کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے اہل کتاب سے فرمایا
کہ تم ان لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، جو ایمان لا چکے ہیں۔ تم
اللہ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہو۔ وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ حالانکہ تم گواہ
ہو۔ شہداء، شہید کی جمع ہے جس کا عام فہم معنی گواہ ہے۔ یعنی اے اہل کتاب
تم گواہ ہو۔ امام ابوبکر جصاص مفسر قرآن فرماتے ہیں۔ کہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ اہل کتاب کی گواہی مسلمان پر کیسے معتبر ہوگی، جب کہ گواہی کے لیے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا قرآن پاک کی رو سے ضروری ہے اس کا جواب امام صاحب یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شہید سے مراد گواہ نہیں بلکہ اہل علم ہے۔ چنانچہ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ کا معنی اَنْتُمْ عٰلِمُوْنَ ہوگا یعنی تم جانتے ہو۔ اور جان بوجھ کر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہو۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا دوسرا معنی اَنْتُمْ عُقَلَآءُ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم عقل و شعور رکھتے ہو مگر جان بوجھ کر اسلام کے راستے میں کانٹے کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودیوں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی محبت موجزن ہے ہم ان پر غالب نہیں آسکتے۔ لہٰذا ان کی یہ کوشش ہے کہ کسی طریقے سے اہل اسلام کے دل سے حضور علیہ السلام کی محبت کو نکال دیا جائے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج کے زمانے میں کتنا بھی گیا گزرا مسلمان ہے۔ اس کا دل پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہے۔ اہل کتاب کی ان تمام کارستانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم یقیناً سخت ترین سزا کے مستحق ہوگے

اہل اسلام کو تنبیہ

اہل کتاب سے شکوہ کرنے کے بعد اب اہل ایمان سے خطاب ہے۔ اور انہیں تنبیہ کی جارہی ہے۔ کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا شکار نہ ہو جانا۔ اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے، تو وہ یقیناً تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد بنا دیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اے اہل ایمان اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے، ان کی بات مانو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ یہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے، ایسے

دل میں یہ چیز بُری طرح کھٹک رہی ہے۔ کہ تم کیوں ایمان لے آئے ہو، لہٰذا اُن کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے، کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے بدظن کر کے دوبارہ کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس خصلت بد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ اپنا دین چھوڑ کر اُن کا دین اختیار نہ کر لیں۔

تُطِيْعُوْا یعنی اطاعت میں عقیدہ اور اعمال دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت عقیدے میں کی، تو تمہارا عقیدہ بھی ویسا ہی ہو جائیگا، جو کہ یقیناً باطل عقیدہ ہے۔ اُن کے عقیدے میں کفر و شرک شامل ہے، لہٰذا اُن کی بات مان کر تم بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اعمال میں اُن کی بات تسلیم کی، تو تمہارے اعمال بھی کافروں جیسے ہو جائیں گے۔ کفر بہر حال کفر ہے خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عمل میں ہو۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کفار کے اعمال کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں۔ اور اگر مسلمان بھی ویسے ہی کام شروع کر دیں، تو دونوں میں کیا فرق رہ گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ سباب المومن فسوق وقتاله كفر یعنی مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے، اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ اہل کتاب سے ہوشیار رہو، اُن کی اطاعت نہ عقیدے میں کرو، نہ عمل میں۔ اگر ایسا کرو گے تو اُن کی خواہش کی تکمیل ہو گی اور وہ تمہیں ایمان کے نور سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ تم کس طرح کفر کرو گے۔ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں یعنی قرآن کریم نازل ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لیے ہدایت کا سامان بہم پہنچایا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے

ہیں کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے جو آپ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے ۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے ۔ کہ نزول قرآن کے اس بابرکت دور میں یہود و نصاریٰ کی اطاعت اختیار کر لو تو یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہوگی ۔

اور اگر اس خطاب کے مخاطبین میں صحابہؓ کے بعد آنے والے مسلمان بھی سمجھے جائیں تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ کا قرآن تمہارے پاس موجود ہے جس کی تلاوت تم ہر روز کرتے ہو اس کے احکام کو سمجھتے ہو ، تو پھر تم کس طرح کفر کرتے ہو ۔

فرمایا ایک تو اللہ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں اور دوسری بات یہ ہے ۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے جو تمہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے ۔ اور تمام احکام سے آگاہ کرتا ہے ۔ تمہیں توحید اور ایمان کا درس دیتا ہے ۔ اور کفر و شرک سے بچاتا ہے ۔ اس کے باوجود تم کیا کفر کرو گے آیت کے اس حصہ کا بھی بظاہر اطلاق تو صحابہ کرامؓ پر ہی ہوتا ہے جن کے درمیان حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے تاہم اگر اس کا اطلاق بعد میں آنے والے اہل اسلام پر بھی کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درمیان تو موجود نہیں ہیں مگر آپ کی سنت ، احادیث ، آثار ، تعلیمات اور شریعت تو تمہارے درمیان موجود ہے ۔ اور قیامت تک باقی رہے گی ۔ اس کے باوجود تم یہود و نصاریٰ کی بات مان کر گمراہی کا راستہ اختیار کرو تو کتنے افسوس کا مقام ہے ۔

عقیدہ حاضر و ناظر

بعض اہل بدعت اس مقام پر سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام بنفس نفیس ہر زمانے اور ہر مقام پر تمہارے درمیان موجود ہیں ۔ لہٰذا آپ حاضر و ناظر ہیں ۔ حالانکہ امر مسلم یہ ہے ۔ کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر ناظر ہونا صرف اللہ کی صفت ہے ۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ صفت نہیں ہے ۔ مگر یہ لوگ بھی یہودیوں سے کم نہیں ہیں ۔ جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کے عقیدے فاسد کرنے پر تلے

بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے پہلے آیت گزر چکی ہے۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا "جو حرم شریف میں داخل ہو گیا، اُسے امن نصیب ہو گیا ظاہری طور پر اُسے کسی جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جب تک وہ حرم سے باہر نہ آ جائے اور باطنی طور پر دوزخ سے مامون ہو گیا۔ گویا وہاں داخل ہو جانے والے کو امن حاصل ہو جانا بیت اللہ شریف کی خاص صفت ہے مگر یار لوگوں نے یہی آیت خواجہ فریدالدین شکر گنج کے مزار کے دروازے پر لکھ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو اس دروازے میں داخل ہو گیا، ظاہری اور باطنی طور پر مامون ہو گیا۔ یہ کتنی غلط بات ہے۔ جو چیز اللہ نے بیت اللہ شریف کے متعلق فرمائی ہے لوگوں نے اُسے بناوٹی دروازے پر چسپاں کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ اس دروازے سے گزرتے ہیں، حالانکہ خواجہ صاحب نے تو اپنی زندگی میں کبھی نہ فرمایا، کہ جو اس دروازے سے گزر گیا، وہ جنتی ہو گیا، خواہ وہ کفر شرک اور بدعت میں ہی کیوں نہ ملوث ہو۔ العیاذ باللہ۔ خواجہ فریدالدین تو ماشاء اللہ شیخ الاسلام تھے۔ نہایت صالح اور نیک انسان تھے آپ کے ہاتھ پر لاکھوں افراد نے اسلام قبول کیا، بہت سے راجپوت خاندان آپکے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُن سے غلط باتیں منسوب کرنا کس قدر ناانصافی ہے۔ واقعی لوگ بدعت اور شرک میں اندھے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کرے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جسے میسر آ جائے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اُس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے، اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ الغرض! وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان فی نفسہٖ موجود ہے بلکہ اس کی سنت اور شریعت موجود ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہوگے، تو گمراہ نہیں ہوگے۔

اعتصام باللہ

فرمایا اہل کتاب تو تمہیں دین اسلام سے پھیر دینا چاہتے ہیں مگر وَمَنْ

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑیگا فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
پس بیشک ایسے شخص کو ہدایت دی گئی سیدھے راستے کی گویا ایسا شخص گمراہ نہیں ہوگا۔
اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اس کے دین کی باتوں
پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جس نے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کیا۔ اس نے
اعتصام باللہ کو پالیا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اسباب
پر بھی زیادہ انحصار نہ کرے بلکہ محض اللہ کی ذات پر ایمان رکھے۔ اس پر توکل
رکھے تو شیطان بھی دفع ہوگا۔ اور یہود ونصاریٰ بھی اپنی سازش میں ناکام ہوں گے
بدعت ختم ہوگی یہ اکسیری نسخہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے
شروع ہوئی ہے۔ ہر کام اسی کے نام کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ جو رحمٰن اور
رحیم ہے اسی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تمام قوتوں کا
مالک ہے یہی اعتصام باللہ ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ پر ایمان لاکر اس کے احکام
کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں پر اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے۔

درس سی و پنج ۳۵ | آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو (۱۰۲) اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب کے سب اور تفرقہ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ کھول کر بیان کرتا ہے۔ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پا جاؤ (۱۰۳)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا تھا۔ اہل کتاب کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی کہ اگر انہوں نے اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات کو مان لیا، تو وہ انہیں راہِ ہدایت سے کفر کی طرف لے جائیں گے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ اگر عقیدے میں ان کی بات مانی، تو کافر ہو

جاؤ گے اور اگر اعمال میں اُن کا اتباع کیا تو اللہ کی ناراضگی مول لو گے اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طور پر راہنمائی فرمائی ہے اور دین کے بنیادی اصولوں پر قائم رہنے اور بدعقیدگی اور معصیت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

حروفِ ندا

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔
ظاہر ہے کہ خوفِ خدا بھی حاصل ہوگا، جب کسی انسان کی دین پر استقامت ہو یعنی اُس کا عقیدہ کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو اور اس کے اعمال بھی بالکل درست ہوں۔ صغائر اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو بلکہ ہر مشکوک چیز سے پرہیز کرے، اگر اُس میں یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو اس کو کمال تقویٰ حاصل ہو جائے گا اور حَقَّ تُقٰتِہٖ کا یہی مقصد ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ تقوے کے کئی درجات ہیں، ان میں سے سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے، کہ انسان کفر، شرک اور بدعقیدگی سے بچ جائے۔ شیطان اور دیگر گمراہی پھیلانے والے عوامل سے محفوظ رہ سکے، اگر کوئی شخص تقوے کا یہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہ کر سکے، تو پھر اُس کی نجات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس معاملہ میں کوئی رعایت ممکن نہیں۔ اور تقوے کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ انسان اعمالِ حسنہ پر بھی کاربند ہو، اور معاصی سے بچتا ہو، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت برحدودِ شرع" یعنی کمال درجے کا تقویٰ وہ ہے جو شریعت کے حدود کی پوری پوری حفاظت کرتا ہو۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، اُن سے آگے نہیں بڑھتے۔ کمال درجے کے متقین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔

حَقَّ تُقَاتِہٖ ۔ رہو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے ۔ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے ۔ کہ حق تقاتہ کا مطلب ہے ۔ اَنْ یُّطَاعَ وَلَا یُعْصٰی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے ۔ نافرمانی نہ کی جائے ۔ وَیُشْکَرَ وَلَا یُکْفَرَ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے ، کفرانِ نعمت نہ ہونے پائے وَیُذْکَرَ وَلَا یُنْسٰی اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتا ہے ، اس کو بھلائے نہ ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں حق تقاتہ کی تعریف یوں کی گئی ہے ۔ لَا یَتَّقِی اللّٰہَ الْعَبْدُ حَقَّ تُقَاتِہٖ حَتّٰی یَخْزُنَ لِسَانَہٗ یعنی انسان کو اللہ سے کما حقہٗ ڈرنے کا درجہ اس وقت حاصل ہوگا ، جب وہ اپنی زبان کو محفوظ کرلے گا گویا اس کو اپنی زبان پہ اس قدر کنٹرول حاصل ہونا چاہیئے ۔ کہ وہ کوئی غلط کلمہ بول سکے بلکہ ہمیشہ اچھی بات کہے ۔ ترمذی شریف اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے ، جسے امام ابن کثیرؒ نے بھی بیان فرمایا ہے ۔ وَلَوْ اَنَّ قَطْرَۃً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا اگر زقوم یعنی جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ زمین پر پھینک دیا جائے ، تو وہ ساری دنیا کی معیشت کو اس قدر بگاڑ دے کہ کوئی انسان دنیا کی کسی چیز سے مستفید نہ ہو سکے اس تھوہر میں اتنی کڑواہٹ اور بدبو ہے ۔ فرمایا پھر تم خیال کرلو فَکَیْفَ لِمَنْ لَّیْسَ لَہٗ طَعَامٌ اِلَّا مِنَ الزَّقُّوْمِ اس شخص کا کیا حشر ہوگا ۔ جس کا کھانا زقوم کے سوا کچھ نہیں ہوگا ۔ اُسے کتنی اذیت پہنچے گی ۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے ، کہیں ایسا نہ ہو کہ زقوم کھانے والوں میں نام درج ہو جائے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ اے لوگو ! مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَیُدْخَلَ الْجَنَّۃَ جو شخص چاہتا ہے ۔ کہ اُسے دوزخ سے نجات حاصل ہو جائے ۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائے فَلْتُدْرِکْہُ مَنِیَّتُہٗ وَھُوَ

یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ تو اُسے موت ایسی حالت میں آنی چاہیئے ۔
کہ وہ اللہ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ وَیَأْتِیْ اِلَی النَّاسِ
مَا یُحِبُّ اَنْ یُؤْتٰی اِلَیْہِ اور اُسے چاہیئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک
کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے ۔ مقصد یہ کہ حَقَّ تُقٰتِہٖ میں یہی چیز
بیان کی گئی ہے کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تمہاری موت
اسلام کی حالت میں آنی چاہیئے ۔ اور یہ مقام تبھی حاصل ہوگا ۔ جب انسان ہمیشہ اس
کی فکر میں لگا رہے گا ۔ وہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے گا کہ کہیں اس کی موت اسلام کے
علاوہ کسی اور چیز پر نہ آجائے ۔

دوسرے مقام پر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ”اللہ سے ڈرو
جس قدر طاقت رکھتے ہو“ مفسرین و محدثین کرام فرماتے ہیں ۔ کہ مَا اسْتَطَعْتُمْ
کا تعلق تقوے کے اعمال والے درجے سے ہے ۔ یعنی اپنی استطاعت کے
مطابق اعمال حسنہ انجام دیتے رہو ۔ اس میں ہر آدمی کی طاقت کے مطابق رعایت
موجود ہے ۔ بُرے اعمال سے بچنا ہے ، اگر کوئی خامی رہ جائیگی تو اللہ تعالے
مہربانی فرما کر معاف کر دیں گے ۔ مگر تقوے کے عقیدے والے درجے میں معافی
اور رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اگر ایمان میں نقص آئیگا ۔ کفر ، شرک یا نفاق میں سے
کوئی شائبہ واقع ہوگا تو نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی ۔ عقائد میں تھوڑی
سی گمراہی بھی ناقابل برداشت ہے ۔

خاتمہ بالایمان

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص کی موت تو غیر اختیاری چیز ہے ۔ وہ خود
چاہے بھی تو موت نہیں آسکتی پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ ” نہ مرو تم مگر اس حالت
میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو“ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے
کہ تم پوری زندگی اعمال صالحہ میں مشغول رہو حتی کہ اسی پر تمہارا خاتمہ ہو جائے ۔ اگر
ایسا ہو گیا ، ایمان قائم رہا اور اسی پر خاتمہ ہو گیا تو کامرانی یقینی ہے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا ارشاد گرامی ہے مَنْ مَّاتَ عَلٰی شَیْءٍ بُعِثَ عَلَیْہِ یعنی جو کوئی

جس عقیدے اور عمل پر مریگا اسی پر قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا مطلب ہوا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیتا رہے حتی کہ اسے موت آجائے۔ سورۃ حجر میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو حتی کہ یقینی چیز یعنی موت آجائے۔ الغرض! وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا مطلب یہ ہوا کہ تم زندگی بھر نیک کاموں میں لگے رہو کیونکہ پتہ نہیں موت کس وقت آجائے۔ اور موت بہر صورت اسلام کی حالت میں آنی چاہیئے۔ تاکہ حشر کو اسلام ہی کے عقیدے اور عمل پر دوبارہ اٹھایا جائے۔

حبل اللہ

فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی سے مراد قرآن پاک ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا لوگو! یاد رکھو اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اس فتنہ سے بچ نکلنے کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا کِتَابُ اللّٰهِ وہ ذریعہ اللہ کی کتاب ہے۔ فِيْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ جس میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ اور تمہارے بعد آنے والی اطلاعات ہیں۔ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ فرمایا وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ یہ خدا کی مضبوط رسی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب صفات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس میں سابقہ اقوام کے عبرتناک واقعات موجود ہیں جس سے انسان نصیحت پکڑ سکتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ان واقعات میں صاحب عقل و بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ اور بعد میں آنے والی اطلاعات میں موت، قبر،

برزخ، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ کے متعلق قرآن پوری پوری اطلاعات بہم پہنچاتا ہے۔ اور تیسری چیز احکام ہیں جو پوری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہیں اور انسان کی ہر مرحلہ پہ راہنمائی کرتے ہیں۔ اوامر و نواہی کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان دائمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض! یہ قرآن پاک ہی ہے جسے حبل اللہ کا لقب دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کتاب اللہ حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض قرآن پاک اللہ کی کتاب ہی حبل اللہ ہے جسے آسمان سے زمین تک دراز کیا گیا ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ بیت العزت سے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ نازل ہوا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا القرآن هو حبل الله المتين یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ والنور المبين یہ روشنی دینے والا نور ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے "وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا" ہم نے واضح طور پہ بیان کرنے والا نور تمہاری طرف اتارا۔ قرآن پاک کے متعلق یہ بھی آتا ہے هُوَ شِفَاءُ النَّافِعِ یہ نفع پہنچانے والی شفا ہے۔ "فِيْهِ هُدًى وَّشِفَاءٌ" اس میں ہدایت اور تمام روحانی امراض کی شفا ہے جو کوئی قرآن پاک پہ عمل پیرا ہو گا روحانی طور پہ صحت یاب ہو گا۔ قرآن پاک عصمة لمن تمسك به جو اس کو مضبوطی سے تھام لے گا۔ یہ اس کے لیے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ ونجاة لمن تبعه جو اس کا اتباع کرے گا، اس کو نجات نصیب ہو گی۔ یہ سب حبل اللہ کی تشریح ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرماتا اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا اللہ کی پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔ اَنْ تَعْبُدُوْهُ کہ تم اس کی عبادت کرو وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تیسری پسندیدہ چیز فرمایا تعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ پھر فرمایا تین ناپسندیدہ چیزوں میں قیل قال یعنی بیہودہ اور بلا مقصد بات چیت، کثرت سوال اور اضاعۃ المال ہیں۔ کثرت سوال سے مراد یہ ہے کہ لوگ مسائل دریافت کرتے ہیں تو بال کی کھال اتارتے ہیں مگر عمل صفر ہے۔ اور مال کا ضیاع یہ ہے کہ فضول رسومات، بدعات اور حرام جگہوں پر خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ اس کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا کے خلاف خرچ کیا جائے۔ الغرض! حبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے جسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

تفرقی بین المسلمین

ارشاد ہوتا ہے سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا تفرقہ اور اختلاف نہ کرو۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس مقام پر جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، وہ اصول کا اختلاف ہے کیونکہ فروعات میں اختلاف کرنا جائز ہے فروعی اختلافات کے ذریعے انسان کی عبادت درست ہوتی ہے۔ مختلف حالات میں احکام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً حائضہ عورت اور جنبی کے لیے نماز حرام ہے، لیکن ایک عام مکلف کے لیے فرض ہے۔ مسافر اور مریض کے لیے روزہ کھانا حلال ہے مگر مقیم اور تندرست کے لیے حرام ہے۔ یہ فروعی اختلاف ہیں۔ ائمہ دین جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہم کا بعض فروعات میں آپس میں اختلاف ہے روا ہے بشرطیکہ تعصب سے پرہیز کیا جائے۔ اکثر لوگ تعصب سے کام لیتے ہوئے اپنے مسلک پر اڑ جاتے ہیں۔ اسی کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے مسلک والے کو جہنمی قرار دے دیتے ہیں۔ یہ جہالت اور نادانی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ اگر دین کے کسی اصول میں اختلاف کریگا تو گمراہ ہو جائے گا۔

تذکیر نعمت الہی

آگے فرمایا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ کے ان

حالات کو یاد کرو، جو اس سے لے تم پہ گئے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اور تمہارے اندر عصبیت جاہلیت پائی جاتی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے، تمہارے سامنے کوئی مشن نہیں تھا۔ اِن حالات میں فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی۔ آگے سورۃ انفال میں بھی آئے گا۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی۔ ورنہ اگر آپ پوری دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان پیار و محبت کی فضا قائم نہ کر سکتے۔ یہ تو ایمان اور اسلام کی الفت ہے جو اللہ نے اپنے آخری پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرما کر ان کے درمیان پیدا کی۔ اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اسلام کے احکام سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر وہ لوگ اپنے اختلافات بھول گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا تم اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہاری تمام عداوتیں اور پرانی عصبیت دُور ہو گئی اور تم آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مومن تقی و فاجر شقی یعنی مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ اور فاجر ان احکام کی نافرمانی کر کے گمراہی میں جا گرتا ہے۔ لہٰذا جب اسلام آ گیا تو پھر الفت، محبت اسلام کی وجہ سے ہونے لگی۔ قبائل اور خاندانوں کا طلسم ٹوٹ گیا اور صدیوں سے جاہلیت کی شکار قوم تہذیب و تمدن کے بامِ عروج پر پہنچ گئی۔ یہ اسلام کی وجہ سے بھائی بندی کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس جاہل قوم کی عصبیت کا تذکرہ کیا اور ان کو یاد کرایا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پہ کھڑے تھے۔ شفا فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کنارہ

ہے۔ اور اگر کسرے کے ساتھ شفا ہو تو اس کا معنی تندرستی ہوتا ہے۔ یہاں پر شفا سے مراد کنارہ اور حفرہ گڑھے کو کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی جاہلیت اور عصبیت کی بنا پر دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ موت آنے کی دیر تھی کہ اُس گڑھے میں گر جاتے مگر اللہ نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی اور تم جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے احکام اور اصول بیان فرماتا ہے۔ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ جن کے ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزیں واضح فرما دی ہیں۔

درسِ سی شش ۳۶ آیت ۱۰۴

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ:- پس چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف کا حکم کرے اور برائی کے کاموں سے منع کرے ۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۱۰۴﴾

ربط آیات

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا ، اس پر ایمان لا کر اس کے احکام کا اتباع کرے گا اور اسی پر بھروسہ کریگا ، اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہو گی ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے رہو ، جس طرح ڈرنے کا حق ہے ۔ اور ساتھ ہی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے ہاتھ پکڑنے کی نصیحت فرمائی ۔ اور آپس میں تفرق پیدا کرنے کی بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی ۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو ان ہدایات پر عمل کرے گا ، وہی کامیاب و کامران ہو گا ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ذاتی اصلاح کے لیے ایک پروگرام دیا تاکہ اس پر عمل پیرا ہو کر فلاح حاصل کر سکے ۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنے اور ان کو راہِ ہدایت کی طرف لانے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے ۔ وَاجْعَلْنَا هٰدِيًا مُّهْتَدِيْنَ اے اللہ ! ہم کو ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنا ۔ مقصد یہ کہ ہر انسان کیلئے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے ۔ اور پھر وہ دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دے ۔ اور ان کی اصلاح کے لیے سامان مہیا کرے ۔

آج کے درس میں اللہ نے وہ قانون بتایا ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح بھی کر سکتا ہے۔

دعوت الی الخیر

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ تم میں ایک گروہ یا جماعت ایسی ہونی چاہیئے يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے نیکی اور اچھائی کی طرف بلائے۔ ظاہر ہے۔ کہ تمام کے تمام لوگ تبلیغ کے کام پر نہیں لگ سکتے لہذا فرمایا کہ ایک گروہ یا ایک جماعت کم از کم ایسی ہونی چاہیئے جو تبلیغ دین کا فرض اپنے ذمے لے۔ وَلْتَكُنْ میں لام تاکیدی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کار خیر کے لیے کسی جماعت کا ہونا کوئی عام قسم کی نصیحت نہیں ہے، جس پر عمل کر لیا جائے یا نہ کیا جائے، ایک ہی بات ہو بلکہ تاکیداً فرمایا کہ ایسی جماعت لازماً ہونی چاہیئے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اب رہا یہ سوال کہ خیر سے کیا مراد ہے۔ تو مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ کا مطلب ہے الخیر اتباع القرآن والسنۃ یعنی قرآن وسنت کا اتباع ہی خیر ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اساسی قانون ہے۔ اور سنت رسول قرآن پاک کی شرح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کرائی ہے۔ گویا قرآن پاک وحی جلی ہے اور سنت وحی خفی یا وحی باطنی ہے۔ امام شافعیؒ، امام ولی اللہؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم فرماتے ہیں۔ ہر صحیح حدیث جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے، اس کی تفسیر ہے۔

تعلیم دین اور اس کے تعلم کے لیے سورۃ توبہ میں بھی آتا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ یعنی ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ہر بستی میں سے ایک جماعت دین کی تعلیم حاصل کرتی اور پھر وہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتی یعنی اُن کو احکام الٰہی سے خبردار کر کے اُن پر عمل کرنے کی تلقین کرتی آج کے

درس میں بھی اسی قسم کا حکم ہے۔ کہ تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی
جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اصلاح کے تین اصول

اس آیت کریمہ میں انسانی اصلاح کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں یَدْعُوْنَ اِلَی
الْخَیْرِ ہر وقت خیر کی دعوت دیتے رہیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی درست
رہ سکے۔ اور اس جماعت کی دوسری ڈیوٹی یہ ہو کہ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وہ نیکی کا حکم کرتی ہے۔ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی سے روکتی ہے
اگر ہر قوم میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی۔ تو تمام نظام درست ہو جائے گا اور قوم
اصلاح یافتہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فریضہ ادا نہیں ہو گا۔ تو ظاہر ہے قوم منتشر ہو کر
بربادی کی طرف جائے گی۔ پس نوع انسان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے ہی
حکم دے چکے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن پاک کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپس میں
اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔ اور بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو اور اپنے قول اور عمل سے کتاب اللہ
اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اب بیان دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کا درس دے کر قوم و ملت کو بیدار رکھنے اور اپنی خصوصیات کو باقی رکھنے کا اہتمام
فرمایا ہے۔

ایمان کے تین درجات

ایمان کے تین درجات سے تعلق مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے
روایت موجود ہے۔ یہ یزید کی خلافت کے بعد کا واقعہ ہے۔ یزید خود تو فاسق فاجر
ہی تھا۔ تاہم اس کے بعد اس کا بیٹا مسند خلافت پہ متمکن ہوا۔ جو کہ نیک آدمی تھا۔
مگر وہ دو تین ماہ سے زیادہ یہ بار نہ اٹھا سکا اور فوت ہو گیا اس کے بعد ۶۵ھ
میں مروان بن الحکم خلیفہ بنا۔ اس زمانہ میں ابھی صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ تابعین
میں بھی بڑے بڑے اہل علم لوگ تھے۔ ہوا یہ کہ عید کا دن تھا۔ خلیفہ وقت مروان حضرت
ابوسعید خدریؓ کا ہاتھ تھامے نماز عید کے لیے جا رہے تھے عید گاہ پہنچے تو مروان اپنا ہاتھ
چھڑا کر منبر پہ جانا چاہتا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہر چند روکا کہ عید کے دن پہلے
نماز اور بعد میں خطبہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ قبل از نماز عید کا خطبہ نہ دیں مگر مروان نہ

مانا اور منبر پر پہنچ کر خطبہ شروع کر دیا۔ اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکارا الصلوٰۃ قبل الخطبۃ یعنی خطبے سے پہلے نماز ہونی چاہیئے۔ مگر مروان پھر بھی نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ابو سعید خدریؓ نے کہا اما ھٰذا فقد قضٰی ما علیہ یعنی اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا۔ کیونکہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ مَنْ رَأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ جو کوئی بُرائی دیکھے تو اُسے ہاتھ سے روک دے۔ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی کر دے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو فَبِقَلْبِہٖ تو کم از کم دل ہی سے اسے بُرا جانے۔ فرمایا وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَلَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ یعنی اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے۔ کسی بُرائی کو محض دل سے بُرا جاننا ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے، تو پھر اُس کا ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ تم ضرور نیکی کا کام کرتے رہو اور بُرائی سے روکتے رہو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے لَیُوْشِکَنَّ اللّٰہُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عِقَابًا تو منتظر رہو کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کر دے۔ ثُمَّ لَتَدْعُنَّہٗ فَلَا یَسْتَجِیْبُ لَکُمْ پھر تم دعائیں کرتے رہو گے۔ مگر اللہ قبول نہیں کرے گا۔ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے۔

مفسر قرآن امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تبلیغ دین کا کام فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک گروہ

یا جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ سب کے سب مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ کام تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہوتا تو نماز، روزہ وغیرہ کی طرح فرض عین ہوتا۔ فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کر لیں تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص بھی جہاد کرنے والا نہیں ہوگا تو ساری قوم قابل مؤاخذہ ہوگی اور اگر جہاد کے قابل بعض لوگ اس فرض کو ادا کرتے رہیں گے تو ساری قوم کی طرف سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اسی طرح اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا معاملہ ہے۔ بنیادی تعلیم کے متعلق تو حضور علیہ السلام نے فرمایا طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ کہ یہ ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے۔ یہ ضروریات دین میں شامل ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان اپنا عقیدہ اور عمل درست کرتا ہے مگر مفصل تعلیم فرض بالکفایہ ہے۔ کچھ لوگ بھی اگر دین کی مفصل تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ بلیے عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، تو یہ تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کریگا۔ اس طرح مردے کا غسل، کفن دفن اور اس کی نماز جنازہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے یہ امور انجام دے دیئے تو سب لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا، تو سارے کے سارے بستی والے گنہگار ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ جس قوم میں برائیوں کا ارتکاب ہو رہا ہو اور قوم کے لوگ قادر ہونے کے باوجود برائی کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔ کہ برائی سے منع نہ کرنے کی بیماری سب سے پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ جب اس قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ابتداء میں بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جب وہ باز نہ آئے، تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ

اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ جاری رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو بندر قرار دے کر عذاب میں مبتلا کر دیا۔ الغرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض بالکفایہ ہے۔ اور اگر امت میں سے کچھ لوگ بھی اس کا بار اٹھالیں تو یہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے مکلفین

امام غزالی فرماتے ہیں کہ برائی کو بزور طاقت روکنا حکومت وقت کا کام ہے کیونکہ اس کے پاس وسائل اور طاقت ہوتی ہے، اور زبان سے روکنا علمائے کرام کا کام ہے۔ جب کہیں برائی دیکھیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ خاموش تماشائی نہ بنیں بلکہ اس کے خلاف آواز اٹھائیں اور احتجاج کریں۔ فرماتے ہیں کہ ایمان کے آخری درجے میں عوام الناس آتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ کم از کم دل سے ہی برائی کو برائی سمجھیں اور نیکی کی حوصلہ افزائی کریں۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ جب تجھے نیکی اچھی لگے اور برائی بری محسوس ہو تو سمجھ لے کہ تیرے اندر ایمان باقی ہے اور اگر اس کے خلاف ہے۔ تو آدمی ایمان سے خالی ہو گیا ہے۔

بعض مفسرین اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ برائی کو طاقت سے روکنے کے لئے حکومت کے علاوہ بعض دوسرے لوگ بھی مکلف ہیں۔ انسان اپنے گھر میں یا اپنے ماحول میں جہاں بھی برائی کو بزور طاقت روک سکتا ہے۔ وہاں وہ ایسا کرنے کا پابند ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسے شخص کو اپنے گھر میں یا حلقہ اثر میں اختیار حاصل ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ تم میں سے ہر شخص اپنے حلقہ اثر میں حاکم ہے اور تم سے اپنی رعیت کے متعلق باز پرس ہو گی۔ لہذا ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ جہاں بھی طاقت پاتا ہے، برائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس شخص نے غفلت کا مظاہرہ کیا۔ تو مجرم ٹھہرے گا۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف کے بھی مختلف درجات ہیں جو حکم جس درجے کا ہو گا، اس پر عمل کرنا بھی اسی درجے میں داخل ہو گا۔ مثلاً نماز، روزہ،

فرض ہے، تو وہاں نماز اور روزہ کا حکم کرنا بھی فرض ہوگا۔ اور نوافل وغیرہ جیسے مستحب امور میں ان کا حکم کرنا بھی مستحب کے درجے میں ہوگا، فرض واجب نہیں ہوگا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں قدرت ہونے میں یہ شرط بھی داخل ہے کہ وہ مسائلِ دین سے واقف بھی ہو۔ اگر کوئی شخص دینی مسائل کو جانتا ہی نہیں تو عمل کیسے کرائے گا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جاہل لوگوں کا وعظ سننا بھی درست نہیں۔ ایسا شخص جھوٹی روایتیں بیان کر کے غلط مسئلے پیش کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، لہٰذا اس کے وعظ سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی حاشیئے میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انسان کے لیے صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا دے۔ یا منکرات کی اصلاح کے لیے ایسے وسائل استعمال کرے جن سے مزید منکرات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ بعض اوقات نرمی کی بجائے سختی یا سختی کی بجائے نرمی اختیار کرنے سے بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وسیع تر معنوں میں ایک آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اس کام کے لیے مذکورہ شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

الغرض! فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیئے۔ جو ہر وقت خیر کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کی تلقین کرے، اور برے کاموں سے منع کرے۔ فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ ایسا فریضہ ادا کرنے والے لوگ اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور انہیں ہی کمال حاصل ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ فلاح یافتہ ہو جائیں گے۔

درسِ ہفت ۳۷ | آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

ترجمہ :۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، بہرحال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پس عذاب چکھو، یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ اور بہرحال وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جہان والوں پر ﴿۱۰۸﴾ اور

اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے (۱۰۹)

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں اہل کتاب کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہوا، اور اللہ کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ امتِ مسلمہ میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہیئے جو نیک کاموں کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کا حکم کرتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں۔ اس طرح جماعت کا نظم بھی قائم رہے گا اور لوگ گمراہی سے بھی بچ جائیں گے اب اہل ایمان سے مزید خطاب ہو رہا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم بھی آپس میں تفرقہ کا شکار نہ ہو جانا۔ اہل کتاب نے واضح احکام آجانے کے باوجود اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفرقہ ڈالا۔ ان کے الگ الگ گروہ بن گئے۔ خود ساختہ عقیدے وضع ہو گئے اور اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے اے اہل ایمان! تم ایسا نہ کرنا۔

تفرقہ فی الدین

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جو متفرق ہو گئے، گروہوں میں بٹ گئے اور انہوں نے اختلاف کیا۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ واضح احکام و دلائل آجانے کے بعد، یہ اختلاف کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ انہوں نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل کے لیے دیدہ دانستہ اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ایسے لوگ خدا کے نزدیک بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مفسر قرآن ہیں۔ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے نقشبندی طریقہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ جان جاناں کے طریقہ پر بیعت کی تھی اور پھر انہی کے نام سے آپ نے تفسیر مظہری لکھی۔ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر بڑے عرصہ تک قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ تھی۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے

دس جلدوں میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت مرزا جانِ جاناںؒ کو رافضیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ امام ولی اللہؒ کے شاگرد اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید باصفا تھے۔

اس آیت کے متعلق امام ابن کثیرؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے، وہ اصولِ دین کا اختلاف ہے کیونکہ قطعی اصولوں میں اختلاف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے اختلاف سے دین کا عقیدہ ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اصولِ دین میں توحید، رسالت اور قیامت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ فروعات میں اختلاف روا ہے۔ مگر ایسا اختلاف بھی اگر نفسانی خواہشات کے تابع کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔ ایسی چیزیں جو فروعات میں شمار ہوتی ہیں، مگر امت میں متفق علیہ ہیں، ان میں بھی اختلاف کرنا اصولِ دین میں اختلاف کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔ کہ موزہ یا موٹی جراب پر مسح کرنا تو جائز ہے۔ سلف صالحین اس پر متفق ہیں۔ مگر خالی پاؤں پہ بوقت وضو مسح درست نہیں ہے۔ یہ نہ تو حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے۔ مگر اس متفقہ مسئلہ کے خلاف روافض ننگے پاؤں پر بھی مسح کرتے ہیں۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ ایسے مجمع علیہ مسائل میں اختلاف کرنا بذاتِ خود گمراہی ہے۔ اہلِ بدعت بھی بعض متفقہ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ایسے ہی اختلافات سے منع کیا گیا ہے۔

صحابہ روشن منارے ہیں

البتہ نفسانیت سے مبرا فروعی اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی موجود تھے۔ تحقیق و تجسس کے لیے اختلاف ائمہ دین میں بھی پایا جاتا ہے انکا مقصد ترجیح پہلو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف روا ہے۔ بعض محدثین میں بھی فروعی اختلاف رہا ہے مگر یہ اختلاف تلاشِ حقیقت کے لیے ہوتا تھا، اس کو گمراہی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق دارقطنیؒ اور ابن عبدالبرؒ وغیرہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ یا محمد اِنَّ اصحٰبک عندی کا لنجوم آپ کے صحابہؓ میرے نزدیک ستاروں کی مانند ہیں بعضھا اقویٰ من بعض ، ایک دوسری روایت آتی ہے بعضھا اضوء من بعض ، یعنی بعض ستاروں کی روشنی بعض کی نسبت زیادہ ہے مگر سب ہی روشن ہیں ، کوئی ستارہ تاریک نہیں ہے۔ کُلٌّ نُوْرٌ ان صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِمَّا عَلَیْہِ جس شخص نے کسی ایک صحابی کے طریقے کو اختیار کر لیا ، وہ ہدایت پر ہے مقصد یہ کہ صحابہؓ کے فروعی اختلاف کے باوجود جس نے کسی بھی طریقے کو اپنا لیا تو وہ ہدایت پر ہی ہوگا۔ اگر کسی دوسرے شخص نے دوسرے صحابی کی بات کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا تو وہ بھی درست ہوگا۔ اور ایسا شخص ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ مَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْکِتٰبِ جب تمہارے پاس کتاب اللہ سے کوئی چیز پیش کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے لَا عُذْرَ لِاَحَدٍ فِیْ تَرْکِہٖ اس کو ترک کرنے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقصد یہ کہ قرآن پاک کے حکم کو ہر حالت میں ماننا پڑے گا ، اس کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ اور اگر قرآن پاک میں کسی معاملہ کی وضاحت موجود نہ ہو ، تو فرمایا فَفِیْ سُنَّتِیْ نبی تو حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ میں تلاش کرو ، وہاں سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر وہاں پر بھی کوئی چیز تشنہ رہے تو فرمایا ، فَمَا قَالَ اَصْحَابِیْ میرے صحابہ کی بات کو مان لو ، یہ بھی تمہارے لیے حجت ہوگی اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ تم جس صحابی کی بات مان کر اس پر عمل کر لو ، ہدایت پا جاؤ گے۔ اور یاد رکھو ! اِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَکُمْ رَحْمَۃٌ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے باعث رحمت ہے۔ جس مسئلہ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اس میں

اللہ نے تمہارے لیے سہولت رکھ دی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمد کے فرزند امام قاسم ابن محمدؒ بڑے پایہ کے امام تھے۔ آپ تابعین کے دور کے فقہائے سبعہ (سات بڑے فقہاء) میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اِخْتِلَافُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةٌ لِعِبَادِ اللّٰہِ اصحاب محمد کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف بالکل روا بلکہ امت کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ چاروں آئمہ دین جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، اُن کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے کیونکہ نہ گروہ اصول دین میں ہے اور نہ ہی بربنائے نفسانیت ہے۔ پانچواں طبقہ محدثین ظاہریہ کا ہے۔ جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے مگر یہ سب کے سب اہل حق ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تجسس کی بنا پر ہے نہ کہ تعصب اور ضد کی بنا پر۔

مسلک امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی وہی ہے، جو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امام طحاویؒ نے طحاوی شریف کے مقدمہ میں لکھا ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں، اگر وہاں پر مسئلہ کا حل نہ ملے، تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی نہ پائیں، تو جس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، اُس کو بلاچون وچرا مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، تو پھر امام صاحب زیادہ راجح پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحابہؓ کے قول و عمل میں بھی کوئی چیز نہ ملے، تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں، آپ کے نزدیک اجتہاد چوتھے درجہ پر آتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس معاملہ میں امام صاحبؒ کو بدنام کرتے ہیں، کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ امام طحاویؒ لکھتے ہیں۔ کہ امام ابوحنیفہؒ تو ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ اعلیٰ درجے کی حدیث کو نظر انداز کر دیں۔ ابن حزم ظاہریؒ نے اس کی مثال قہقہہ والی حدیث سے دی ہے۔ اس ضعیف حدیث میں آتا ہے

کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں ہنس پڑے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے بلاوجہ قیاس نہیں کیا۔ اُن کا اجتہاد ایسے مسائل میں واقع ہوا ہے، جہاں روایت میں اختلاف پایا گیا ہے۔ یا صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہو سکی۔

اختلاف رحمت

جائز فروعی اختلاف تو باعث رحمت ہے۔ مگر بعض ضدی اور متعصب قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں۔ اور پھر جب ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھٹول کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاتاریوں کے زمانہ میں حنفی اور شافعی مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور قتل و غارت گری تک نوبت پہنچی۔ اس قسم کا اختلاف یقیناً یہودیوں والا اختلاف ہے۔ یہ وہ اختلاف نہیں ہے جسے حضور علیہ السلام اور تابعین کی زبان سے باعث رحمت کہا گیا ہے۔ بلکہ اس قسم کا اختلاف باعث زحمت ہے۔ جو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی روایت میں ہے اِنَّ اَھْلَ الْکِتٰبَیْنِ افْتَرَقُوْا دو کتابوں یعنی تورات اور انجیل کی طرف نسبت کرنے والوں نے اپنی پارٹیاں اور گروہ بنا لیے۔ یہ لوگ ثنتین و سبعین یعنی بہتر ۷۲ فرقے بن گئے۔ نیز فرمایا و تفترق امتی علی ثلٰث و سبعین میری اس امت کے تہتر ۷۳ فرقے بن جائیں گے۔ مگر یاد رکھو کُلُّھُمْ فی النار اِلَّا واحدۃ ایک فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا حضور! وہ ناجی فرقہ کون سا ہو گا، فرمایا وہ جماعت ہو گی جس کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضور علیہ السلام کی سنت اور صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے اُن کا عقیدہ اور عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہو گا یہی لوگ ناجی ہیں۔

بدعات کی کثرت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سیخرج اقوام عنقریب میری

امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے تتجاری بهم تلك الاهواء ان میں خواہشات اور بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی کما یتجاری الکلب بصاحبہ جس طرح باؤلے کتے کے کاٹنے سے بیماری سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ لا یبقی منه عرق ولا مفصل الا دخله کوئی رگ اور جوڑ ایسا نہیں ہوگا جس میں یہ سرایت نہ کر جائے۔ بدعت ایسی بُری چیز ہے کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صحابہ کرام اور بڑے بڑے فقہاء کے اٹل فیصلے نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتے۔

آج اپنے ارد گرد نظر اٹھا کر دیکھ لیں، سنت کا متلاشی کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ نظر آئے گا۔ ورنہ ہر موقع پہ لوگ بدعات کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا موقع ہو، یا فوتیدگی کا، کوئی خوشی کا موقع ہو یا غمی کا ہر جگہ بدعات کی بھرمار ہے بارہ ربیع الاوّل کے نام پہ عوام سے لے کر حکومتی سطح تک جو کچھ گلی کوچوں اور ایوانوں تک کیا گیا ہے، کیا یہی اسلام ہے۔ صحابہ کرامؓ اور آئمہ دینؒ کے زمانے تک تو کسی کو جلوس نکالنے، چراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے کی نہ سوجھی، یہ تمام بدعات تو ساتویں صدی میں شروع ہوئیں۔ خاص طور پہ قابل غور بات یہ کہ نبی علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیع الاوّل کی یکم، دو، چھ نو، دس اور بارہ کی مختلف روایات ہیں۔ مورخین کسی ایک تاریخ پہ متفق نہیں ہو سکے البتہ وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاول متفق علیہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لوگ وفات کی تاریخ کو جشن مناتے ہیں۔ اب تو حکومت بھی ان بدعات میں حصہ دار بن گئی ہے۔ ؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب محکمہ اوقاف نے مزاروں کو اپنی تحویل میں لیا، تو توقع پیدا ہوئی کہ شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے گی، مگر حکومت کے خزانے میں تو صرف آمدنی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ مزارات پہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھتی ہیں، پھول، اور پھولوں کی چادریں اٹھائی جاتی ہیں اور پھیر

غیر اللہ کی نذر چلتی ہے۔ سب کفر، شرک اور بدعات کی قبیح رسوم ہیں۔ جس چیز کو آج دین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، نہ اُس سے صحابہ کرامؓ واقف تھے، نہ تابعینؒ اور نہ چاروں امامؒ۔ پھر یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پہ اتفاق و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ شرک، کفر اور بدعت پہ اتفاق کا حکم نہیں دیا۔ اس معاملہ میں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا ہے۔ کسی صحیح چیز پہ اتفاق سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے، بدعات پر عمل پیرا ہونے سے مزید خرابیاں پیدا ہوں گی اور ملت مزید کمزور ہو گی۔

فرمایا اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ حالانکہ اُن کے پاس کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آ چکی تھیں۔ آج توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی دہائی دی جاتی ہے، اُن کو مصیبت میں پکارا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کا واضح پیغام موجود ہے مگر اپنے پیٹ کی خاطر اہلِ اسلام میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہے، گروہ اور پارٹیاں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ خواہشات نفسانی کی پیروی میں ہو رہا ہے، ان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایسے لوگ یقیناً خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

روشن اور سیاہ چہرے

فرمایا يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے۔ یقیناً اہلِ ایمان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ البتہ کفر، شرک، بدعت اور معصیت میں ملوث لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اُس دن جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن سے کہا جائے گا اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور اعمال میں بھی۔ اگر عقیدہ بگڑ گیا، تو ایمان میں کفر پیدا ہوا اور اگر اعمال میں کفر کیا، تو اعمال کفار جیسے ہو گئے۔ فرمایا اس کی سزا یہ ہے

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ اُس کفر کا بدلہ چکھو، جس کا ارتکاب کرتے تھے۔

فرمایا وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے۔ پھر فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یاد رکھو! وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ذرہ بھر بھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو کچھ ملیگا بندوں کے اپنے اعمال کا ثمرہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کہ بے عمل کو اچھا بدلہ دے دیا جائے۔ یا کم جرم کے مجرم کو زیادہ سزا دی جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص جرم کرکے سزا سے بچ بھی نہیں سکیگا۔ اُسے اپنے جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔

رجوعِ الی اللہ

فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہر چیز پر اُسی کا تصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اور اس کے بنائے ہوئے آسمان کے نیچے رہنے اور اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے والا اس کے خلاف کیسے کچھ کر سکیگا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا۔ سنت کو ترک کریگا، دین میں رخنہ اندازی کریگا، تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریگا۔ کیونکہ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب نے اُس کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ تمام معاملات کا فیصلہ وہیں ہوگا۔

درس نود و ہشت ۹۸ آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جن کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے فائدے کے لیے۔ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بُری باتوں سے منع کرتے ہو، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو البتہ یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا، اُن میں سے بعض ایمان والے ہیں اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں (۱۱۰) وہ تم کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر زبان سے ستانا۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے، تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے، پھر اُن کی مدد نہ کی جائے گی (۱۱۱)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی باتوں کو ماننے سے منع فرمایا اور اس کے نقصان کا تذکرہ بھی کیا، پھر اللہ سے کما حقہٗ ڈرنے کا حکم دیا اور قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کی۔ تفرقہ بازی کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ تمہارے درمیان ہر وقت ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دیتے رہیں، معروف کا حکم کرتے رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ اُن کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور واضح احکامات آجانے کے بعد اختلاف کیا۔ یہ لوگ ناکام ہیں اور خدا کے

عذاب کے مستحق بھی۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے رد میں کئی چیزیں بیان فرمائیں۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا۔ اہل کتاب اپنے قبلہ کو افضل قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی فضیلت کا تذکرہ فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ لوگوں کی عبادت کے لیے اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف سب سے افضل ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا کہ تم نافرمانی کس طرح کرو گے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم المرتبت رسول موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کا تذکرہ ہوا کہ آسمانی کتابوں میں یہ سب سے افضل کتاب ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اب حضور علیہ السلام کی امت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کہ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ یہ چاروں چیزیں یعنی بیت اللہ شریف، پیغمبر اعظم، قرآن الحکیم اور امت محمدیہ کا تذکرہ سورۃ البقرہ میں بھی ہو چکا ہے اب پھر ان کو دہرایا جا رہا ہے۔

بہترین امت

ارشاد ہوتا ہے۔ اے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ تم بہترین امت ہو۔ کُنْتُمْ ماضی بعید کا صیغہ ہے امام بیضاویؒ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس بات تذکرہ ماضی میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور لوح محفوظ میں بھی یہ بات موجود ہے۔ کہ اللہ کے ہاں تم سب سے بہتر امت ہو، اس کا فیصلہ روز ازل سے ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السّٰبِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ہم دنیا میں تو سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہیں ہوں گے کوئی دوسرا نبی داخل نہیں ہو گا۔ اسی طرح جب تک حضور خاتم المرسلین کی امت بہشت میں نہیں جائے گی کوئی دوسری امت

وہاں نہیں جائے گی۔ البتہ کتاب پہلی امتوں کو پہلے دی گئی اور ہم بعد میں آئے ہیں لیکن ہم سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں قیامت کے دن۔ سورۃ البقرہ میں بھی آچکا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ! ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔ وسط کا معنی درمیان ہوتا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الامور اوسطھا بہترین کام وہ ہیں جو درمیانے ہوں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی امت امت وسط ہونے کے لحاظ سے بھی باقی امتوں سے افضل ہے۔

امر بالمعروف

فرمایا یہ ایسی امت ہے اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جس کو لوگوں کے فائدے کے لیے نکالا گیا ہے، ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ تین طریقوں سے لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کہ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو۔ یہاں پر مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم نیکی کا حکم دیتے ہو، یہ نہیں فرمایا کہ نیکی کا حکم دو، یہ گذشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم کرے۔ اس مقام پر انداز بیان یہ ہے کہ تمہاری صفت ہی یہ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اب رہی یہ بات کہ نیکی کیا ہے۔ تو توحید سے لے کر ادنیٰ درجے کی اچھی چیزیں سب نیکی میں آجاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا سب سے افضل نیکی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ حضور! کونسا عمل افضل ہے، فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ پر ایمان لانا، توحید کو ماننا۔ اس کے بعد دوسرے اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ ہیں۔ گویا لوگوں کو ایمان اور توحید کی دعوت دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مومن اپنے ایمان کے تقاضے سے ایک روڑا یا پتھر بھی راستے سے ہٹا دے تاکہ کسی راہ گزر کو ٹھوکر نہ لگے، تو وہ بھی

نیکی شمار ہو گی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا نیکی کی کسی چھوٹی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ چھوٹی چھوٹی نیکیاں مل کر قیامت کے دن پہاڑ بن جائیں گی۔ اسی طرح کسی برائی کو بھی حقیر اور کم تر نہیں سمجھنا چاہیئے، کیونکہ یہ اکٹھی ہو کر بہت بڑا ذخیرہ بن جائیں گی۔ غرض فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہاری صفت یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔

نہی عن المنکر

فرمایا تمہاری دوسری صفت یہ ہے وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ تم بری باتوں سے منع کرتے ہو۔ بری چیزوں میں کفر و شرک سے لیکر بدعات رسومات قبیحہ، فسق و فجور، ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنے کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ کہ روکنا کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے، کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں موجود ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مال جان اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ تبلیغ کا کام زبانی جہاد ہے۔ اگر توحید، ایمان اور دیگر نیکی کی باتیں پھیلانے کے لیے کوئی مضمون لکھا جائے، رسالہ جاری کیا جائے، کوئی دستاویز تیار کی جائے یا کتاب لکھی جائے، یہ سب قلم کے ذریعے جہاد ہے

اگر صاحب استطاعت ہے تو طاقت کے ذریعے بھی برائی کو روک سکتا ہے۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں آ چکی ہے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ امر بالمعروف فرض امور میں فرض ہوتا ہے، واجب امور میں واجب، سنت امور میں سنت اور مستحب امور میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اگر آدمی مایوس ہو تو زبانی جہاد کو ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی کو تجربہ کی بنا پر یقین ہے کہ اس کی بات کوئی نہیں سنے گا، تو زبانی جہاد کو ترک کرنے کی بھی اجازت ہے اس کے باوجود اگر وہ زبانی جہاد جاری رکھتا ہے۔ تو بہت بڑے اجر کا مستحق ہو گا۔ البتہ جو صاحب اقتدار ہے، اس کا فرض ہے۔ کہ وہ برائی کو طاقت سے

روکے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو مجرم ٹھہرے گا۔ اور قابل مواخذہ ہو گا۔

آج کے دور میں نئی نئی برائیوں نے جنم لیا ہے۔ نئی تہذیب نے گندے انڈے دیئے ہیں۔ فوٹو گرافی، مجسمہ سازی، سینما، وڈیو کیسٹ، ٹیلیویژن، وی سی آر وغیرہ موجودہ دور کی پیداوار ہیں۔ اب کھیلوں کی نئی بیماری آئی ہے، کرکٹ، ہاکی وغیرہ کا قومی اور بین الاقوامی سطح پر خوب چرچا ہے۔ حکومت سرپرستی کر رہی ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں کے جاری کردہ کھیل آج پوری دنیا میں چھا چکے ہیں، کئی کئی دن متواتر کھیل جاری رہتا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں یا پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ کامیابی پر مبارک بادیں دی جاتی ہیں، مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ صدر اور وزیر اعظم ٹیم کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے ہیں۔ کھیلوں پر بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں، ذرا اندازہ لگائیں کہ اس سے کونسا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض لہو ولعب اور فضول خرچی ہے۔ یہی وقت اور روپیہ مظلوم کی مدد کرنے اور تکلیف زدہ کی تکلیف دور کرنے پر خرچ کرو۔ لوگوں کو قبیح رسومات اور کفر و شرک سے باہر نکالنے پر خرچ کرو۔ یہاں تو الٹے ہی ہو رہا ہے۔ قبریں پختہ بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد تو یہ ہے لا تجصصوا تجصصوا قبریں مت بناؤ، مگر سارا میٹریل سیمنٹ، بجری، اینٹ حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ شریعت میں قبروں کو پختہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ یہی دولت کسی نیکی کے کام میں لگتی تو امت کا فائدہ ہوتا۔ سینما، تھیٹر، ٹیلی ویژن کی جتنی بہتات ہوگی، اتنی ہی فحاشی پھیلے گی، قوم و ملت کو کیا فائدہ ہوگا۔ سینما دیکھ کر کبھی نیکی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں جس کام کی بنیاد ہی لہو و لعب پر ہو، لوگوں کو غافل بنانے اور خدا اور رسول کے احکام سے برگشتہ کرنے پر ہو، اس سے کیا تربیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں سے چوری، زنا، ڈاکہ، عریانی اور بے حیائی کی تعلیم ہی حاصل ہو گی۔ اگر تربیت حاصل کرنا ہے تو کسی نیک مجلس میں جاؤ، کسی خدا کے بندے کی بیعت اختیار کرو، نیکی وہاں سے ملے گی، جس چیز کو آج ترقی کا نام دیا جا رہا ہے

وہ تو سراسر منکرات میں شامل ہے جس کو رد کرنا صاحب اختیار کے لیے ضروری ہے۔
حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم خیر الامت بننا چاہتے ہو، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری کرو۔ ہر شخص کا دل نور ایمان سے منور ہو، تب نیکی حاصل ہو گی۔ برائیوں کا ارتکاب کر کے خیر الامت کا لقب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ایمان باللہ

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم بہتر امت ہو جسکو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں آ چکا ہے۔ کہ اللہ نے تمہیں امت وسط بنایا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ "تاکہ تم دوسرے لوگوں پہ گواہ ہو جاؤ۔ شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں" تاکہ تم دوسرے لوگوں کے معلم بن جاؤ"۔ گویا رسول تمہارا معلم ہے، اور تم دوسرے لوگوں کے معلم ہو۔ تاکہ تم دیگر اقوام اور مذاہب کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ اگر تم خود ہی کفر، شرک اور بدعات میں ڈوب گئے۔ تو باقی دنیا کو ہدایت کے راستے پہ کون لائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے بہتر امت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ اور اللہ پہ ایمان رکھتے ہو۔ اللہ پہ ایمان لانے کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو دین اور شریعت ہمیں نبی آخر الزمان علیہ السلام کے توسط سے ملا ہے اس کی تمام جزئیات پہ ہمارا ایمان ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری ہم پر لازم ہے۔ جو شخص اللہ پہ ایمان لانے کا دعویدار ہے مگر قرآن و سنت کے احکام کو نہیں مانتا، وہ کیسا مومن ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو بھی فرمائی وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ اگر اہل کتاب بھی اللہ پہ ایمان لے آتے، تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اللہ پہ ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان اور قرآن حکیم اور پوری شریعت اسلامیہ پہ ایمان لاتے۔ مگر یہ لوگ تو دانستہ کفر میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب بگاڑ لی ہے، عقیدہ خراب کر لیا ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ اہل ایمان سے ان کو ضد ہے۔ انہوں نے تعصب کی بنا پر کفر کا

سے اختیار کیا۔ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ اللہ پر ایمان لے آتے۔

پھر فرمایا: مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ان میں سے بعض لوگ ایماندار بھی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانے میں مدینے کے دس بڑے یہودی علماء میں سے صرف عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے بعض ساتھی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے مگر وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل رہی یہود و نصاریٰ کی اکثریت آج بھی فسق پر ہے۔ نزول قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ لوگ ابھی تک کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں۔ بناوٹی انجیل پر ان کا ایمان ہے۔ یہودی ان سے بھی زیادہ خیانت میں مبتلا ہیں۔ ان میں مکاری اور بے ایمانی پائی جاتی ہے۔ انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کی مخالفت میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آئیں۔ ان کی اکثریت فاسق کی ہے۔ ہر زمانے میں خال خال ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تعصب سے پاک ہوں۔ یہ لوگ تھوڑی سی توجہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی دولت عطا فرما دیں۔

اہل ایمان کو تسلی

اہل کتاب کی خصلت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى اہل کتاب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے مگر زبانی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سازشیں کیں مگر اللہ نے ہر سازش کو ناکام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے بھی فرما دیا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان پر قائم رہے، تو غالب تم ہی ہو گے۔ اہل کتاب تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں تم خود ایمان کو چھوڑ بیٹھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے

اگر خدا تمہیں رسوا کرے تو پھر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔

فرمایا وَإِن يُقَاتِلُوكُمْ اگر اہل کتاب تم سے لڑائی کریں۔ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے۔ تم سے لڑنے کی ہمت نہیں پائیں گے۔ سورۃ حشر میں بھی آتا ہے تم ان کی طرف سے پریشان نہ ہو، یہ تمہارے ساتھ کھلم کھلا جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر لڑیا کوئی وقت آ بھی جائے تو یہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ پھر ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ ناکام و نامراد ہوں گے۔

درسِ قرآن نمبر ۳۹ — آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اُن پر ذلت مسلط کی گئی ہے، جہاں کہیں وہ پائے جائیں، مگر اللہ کی رسی کے ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، اور مسلط کی گئی اُن پر مسکنت، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ حد سے بڑھنے والے تھے ﴿۱۱۲﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک امت ایسی بھی ہے، جو سیدھے راستے پر قائم ہے۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ کرتے

ہوتے ہیں (۱۱۳) وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی لوگ نیک لوگوں میں ہیں (۱۱۴) اور جو بھی وہ نیکی کا کام کریں گے، اُس کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے اُن لوگوں سے جو متقی ہیں (۱۱۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے، کہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس کے بعد اہلِ کتاب سے شکوہ کیا گیا کہ اگر وہ بھی نبی آخر الزمان پر ایمان لے آتے، تو بہترین امت میں شامل ہو جاتے، اور یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا۔ مگر وہ اپنے باطل عقیدے پر اڑے رہے۔ پھر فرمایا ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں مگر اکثر نافرمان ہیں۔ پھر اہلِ ایمان کو تسلی دی گئی کہ ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔ یہ لوگ تمہیں زبانی حد تک تو ستائیں گے مگر تمہارا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔ اگر تمہارے مقابلے میں آئیں گے پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ چنانچہ نزولِ قرآن کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو شکست ہوئی، مدینے کے اطراف میں آباد یہودی قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع ذلیل و خوار ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں نے شکستِ فاش کھائی، شام اور مصر کے علاقے اِن سے پاک ہوئے۔ اور جب تک مسلمانوں میں صلاحیت اور دینی کا جذبہ قائم رہا، وہ یہودیوں پر غالب رہے۔ پھر ساتویں صدی میں مسلمانوں کا انحطاط شروع ہوا، جو گذشتہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے

یہودیوں کی ذلت

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب خصوصاً یہودیوں کے متعلق فرمایا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا اُن پر ذلت مسلط کر دی گئی، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ جب سے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے اور برائیوں میں ملوث ہوئے ہیں اُس وقت سے ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ قرآن میں یہودیوں کی ذلت کا ذکر

بہت سے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے اُن کی رسوائی کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہودی سیاسی عروج اور اقتدار سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں انہیں اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اس سے پہلے اُن کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں، مگر اب اس سے محروم ہیں۔ اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں آیْنَ مَا ثُقِفُوْا کا یہی مطلب ہے کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہیں ذلیل و خوار ہو کر ہی گذر اوقات کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلت کی دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ لوگ عزتِ نفس سے محروم رہے ہیں۔ کہ دولتمند ہونے کے باوجود دغابازیوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مال سے محبت، ہر کام میں سازش اور ہر قوم سے مکاری اور چالاکی ان کی خصوصیت رہی ہے۔ ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ ایک جگہ شرارت کی تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو وہاں سے نکالے گئے۔ گذشتہ تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک نصاریٰ سے بھی ان کی ایسی ہی اَن بن تھی۔ جیسے مسلمانوں کے ساتھ۔ یہودی کبھی عیسائیوں کے ماتحت رہے، کبھی مسلمانوں کے اور کبھی دیگر اقوام کے دستِ نگر رہے۔

حبل اللہ اور حبل الناس

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جہاں بھی پائے جائیں، ان پر ذلت و رسوائی مسلط ہو گی اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ہاں! اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو رسوائی سے بچ جائیں گے، بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ اللہ کی رسی سے مراد تورات کی وہ بچی کھچی رسمیں ہیں جن پر یہ لوگ عمل کرتے رہتے ہیں۔ گویا تورات سے کس حد تک وابستگی کی بنا پر یہ دنیا میں جیسی کیسی زندگی گذار رہے ہیں، اگر اتنا بھی نہ ہوتا، تو یہ لوگ صفحۂ ہستی سے مکمل طور پر مٹ چکے ہوتے، بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا عہد و پیمان ہے، لہٰذا اگر یہ ایمان قبول کر لیں۔ تو عزت کی زندگی گذار سکتے ہیں۔

فرمایا یہودیوں کے دنیا میں زندہ رہنے کی دوسری صورت یہ ہے۔

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کرکے ان کی ماتحتی میں رہنا
قبول کریں، تو پھر بھی ذلت سے بچ جائیں گے۔ بعض مفسرین نے حَبْلٍ مِّنَ
اللّٰہ کا ترجمہ اللہ کی دستاویز اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا ترجمہ لوگوں کی دستاویز
کیا ہے مقصد ایک ہی ہے۔ کہ یا تورات سے کسی حد تک لگاؤ کی وجہ سے یا پھر
دوسری اقوام کے ساتھ عہد و پیمان کرکے گزر اوقات کر سکیں گے۔ دوسرے
لوگوں کی ماتحتی قبول کرنا ہوگی اور ان کی رعیت بن کر رہنا پڑے گا، شاہ عبدالقادر
محدث دہلوی بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے حبل کا معنیٰ ذمہ کیا ہے یعنی
اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی امان میں لے لے یا مسلمان
ان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائیں تو ذلت سے بچ سکیں گے۔ بعض مفسرین
فرماتے ہیں کہ ناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ اگر کوئی دوسری قوم بھی ان کی پشت پناہی
کرنے لگے، تو بھی رسوائی سے بچے رہیں گے۔

محروم اقتدار

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ گزشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہودی اقتدار سے محروم
رہے ہیں، اور ہمیشہ دیگر اقوام کے ماتحت رہ کر وقت گزارا ہے۔ ان کی سابقہ تاریخ
پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تجارت کے بہانے جہاں بھی قدم جمانے
کی کوشش کی، ہمیشہ تکلیف اٹھائی۔ جرمن قوم نے ان کو خوب مارا، لوگ جرمنوں
کو بدنام کرتے تھے۔ کہ انہوں نے یہودیوں سے اچھا سلوک نہیں کیا، مگر وہ کہتے
تھے کہ تمہیں ان کی شرارتوں کا علم نہیں ہے، یہ سازشی لوگ ہیں ان کو ہر وقت شرارت
ہی سوجھتی ہے۔ جہاں بھی رہتے ہیں لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ یہ لوگ
ترکی میں ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر اسلامی سلطنتیں ان سے ہمیشہ تکلیف
اٹھاتی رہی ہیں۔ مسلمان ان کو رعایا سمجھ کر ان سے نرمی برتتے رہے مگر یہ اپنی فطرت
سے کبھی باز نہ آئے۔

اب موجودہ زمانے میں صورت حال مختلف ہے۔ تقریباً چالیس سال قبل
اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور یہودیوں کو ٹھکانا نصیب ہوا۔ اس پر پیشگوئیاں

ہونے لگے ہیں کہ کیا قرآن پاک کا دعویٰ معاذ اللہ غلط ثابت ہوا ہے۔ کہ یہودیوں پر ذلت مسلط کر دی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے۔ کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں، اُن کا موجودہ اقتدار محض حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی بدولت ہے۔ ناس سے مراد غیر مسلم طاقتیں ہیں۔ جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں۔ آج یہودی انہی کے دستاویزیہ سے زندہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے، جسے اردگرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اسرائیل کا قیام ان چاروں عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر آج یہ قومیں اسرائیل سے اپنا سایہ اٹھا لیں، تو یہودی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ اس سازش میں مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے اردگرد مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے تل ابیب کی بجائے بیت المقدس کو دار الخلافہ بنایا گیا ہے۔ جولان کی پہاڑیوں پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، اور پھر انہیں اسرائیلی اسمبلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ قرار دے لیا ہے، حالانکہ یہ شامی علاقہ ہے، مگر اس ساری کارروائی میں امریکہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ وہ اسرائیل کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے مگر دانستہ اُس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس ہیں۔ امریکہ بھی اپنے مفاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے، اُدھر روس کا مفاد بھی اسی میں ہے۔ کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل کا یہ شاخسانہ قائم رہے۔ پہلی تین طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی دریدہ ایک دوسرے کی مخالف ہیں مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو پہلے ہی دہریہ اور منکر خدا ہے، اُسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں اُس کا اپنا مفاد وابستہ ہو، وہاں وہ ہر کارروائی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔
بہر حال اسرائیلی حکومت کے قیام اور اُس کی پشت پناہی میں سب شریک ہیں۔

مسلمانوں کی زبوں حالی

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے پچاس کے قریب خود مختار حکومتیں ہیں مگر ان عیسائی اور اشتراکی طاقتوں نے انہیں اس قدر بے بس کر رکھا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ قیام پاکستان کے وقت مسلمان ممالک مدد کر سکتے تھے مگر نہیں کی گئی۔ آج کابل کے مجاہدین آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر ہماری اپنی حکومت ہمیں سرحد پار جا کر مجاہدین کی مدد کرنے سے روکے گی۔ حقیقت یہی ہے کہ یہودی حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی وجہ سے نہ صرف خود زندہ ہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ بیت المقدس کی توہین ہو رہی ہے۔ بیس لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال دیا گیا ہے۔ بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں

کچھ اردن میں پڑے ہیں، کچھ لبنان میں ہیں مگر وہاں بھی آئے دن ان کے خیموں پر بمباری ہوتی رہتی ہے۔ ان کی بچیاں جیلوں میں گل سڑ رہی ہیں۔ یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں تاکہ انہیں عیسائی بنایا جا سکے۔ مگر دنیا بھر کے مسلمان بے بس ہیں۔ سپر پاورز مسلمانوں کے راستے میں حائل ہیں مگر یہ ہیں کہ پھر بھی انہی کے گن گاتے ہیں۔ انہی کے طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں، وہ تو مسلمانوں کو عیش و عشرت کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔ نئے نئے فیشن، ٹیلی ویژن، وی سی آر، بڑی بڑی کوٹھیاں اور کاریں، کھیل اور تماشے سب کچھ مسلمانوں کو خواب غفلت میں سلانے کے لیے کیا جا رہا ہے تاکہ یہ اپنے پاؤں پہ کھڑے نہ ہو سکیں۔ اپنی مارکیٹ کی خاطر صنعتی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں آج تک ہم جہازوں کے معمولی پرزے تک درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ مسلمان عرب کا ہو یا عجم کا سب ایک ہی ڈگر پہ چل رہے ہیں۔ غیر اقوام کے اس قدر دست نگر ہو چکے ہیں کہ ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔

غضب الٰہی

بہر حال ہمارا ایمان ہے کہ یہودیوں پہ ذلت ہمیشہ کے لیے مسلط کی گئی ہے۔ اگرچہ اس وقت ان کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی ہے مگر صحیح حدیث کے

مطابق ایک وقت آنے والا ہے جب ان کو شجر و حجر بھی پناہ نہیں دیں گے اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوگا، تو وہ درخت پکار کر کہیگا، اے مسلمان! یہودی یہاں چھپا ہے، اس کو پکڑو۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر ایسا دور ضرور آنے والا ہے۔ فرمایا ان پر ذلت و رسوائی مسلط کی گئی ہے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے کیونکہ نافرمانیاں کرتے کرتے ان کی ذہنیت ہی بگڑ گئی وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ان پر مسکینی وارد کر دی گئی۔ اکثر یہودی اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے ان کا یہی وطیرہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کیا ہے۔ گذشتہ ادوار میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کے یہودی اس کارنامے پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے اور خدا کے نبیوں کے قاتل ہیں، ظاہر ہے، وہ غضب ہی لے کر لوٹیں گے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اور یہ حد سے بڑھنے والے لوگ تھے۔

سعید روحیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی اکثریت تو نافرمان ہی ہے تاہم یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں لَيْسُوْا سَوَآءً ان میں سے کچھ فیصدی اچھے بھی ہیں ان میں نیک بخت اور سعید روحیں بھی ہیں مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ اہل کتاب میں سے ایک گروہ سیدھے راستے پر بھی قائم ہے۔ ان اچھے لوگوں کا کام یہ ہے يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ایمان قبول کرتے ہیں۔ اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے

میں نجران کے چالیس؎ عربی النسل عیسائیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں کے اکتیس۳۱ مزید باشندے بھی ایمان لائے۔ اسی طرح روم میں آٹھ آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔ مدینے کے حقیقت پسند لوگوں نے بھی اسلام کو لبیک کہا، عبداللہ بن سلامؓ تو حضور علیہ السلام کی پہلی زیارت کرنے پر ہی اسلام سے مشرف ہو گیا۔ مدینے کی اکثریت مشرکوں کی تھی مگر بعض شرک کو بُرا سمجھتے تھے۔ مدینے کے اطراف میں یہودی آباد تھے۔ ان میں کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں، ان میں براء بن معرورؓ کا نام آتا ہے۔ محمد ابن مسلمہؓ وغیرہؓ جنابت کا غسل کرتے تھے اور توحید کا تصور بھی رکھتے تھے۔ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق سُنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ بعد کے دور میں بھی بعض یورپین عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں برطانیہ کا مسٹر کویلیم ہے جس کا نام عبداللہ کویلیم رکھا گیا۔ موجودہ زمانے میں محمد اسد ہے، یہ جرمنی کا یہودی تھا مگر اللہ نے سمجھ عطا کی۔ اب وہ فرانس میں ہے۔ اور دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ پاکستان میں بھی رہ چکا ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ موجودہ دور کا محمد پکتھالؒ تمرکی میں ملازم تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا، اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ غرضیکہ سارے کے سارے اہل کتاب بدبخت نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ سمجھدار لوگ بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کے علاوہ وَهُمْ يَسْجُدُونَ یہ لوگ اللہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کی سچائی کا علم ہوتا ہے۔ فوراً ایمان قبول کرتے ہیں۔ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ پھر نہ صرف خود ایمان لاتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ اور برائی سے روکتے ہیں یعنی تبلیغ دین کا کام

؎ ابوسعود ص۲۶۳ ج۱ (فیاض)

بھی کرتے ہیں۔ اور پھر اُن کی حالت یہ ہو جاتی ہے وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے لگتے ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہی لوگ صالح ہیں۔ یہ اچھے لوگوں کی تعریف بھی ہو گئی۔

فرمایا وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ جو بھی نیکی کا کام کریں گے، انکی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نیکی کو قبول کر کے بہتر اجر عطا فرمائیں گے۔ بلکہ حدیث شریف کے مطابق ایسے لوگوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے، ایک اجر اس ایمان کا ہو گا اور دوسرا اجر حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہو گا۔ اس طرح وہ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ اللہ تعالیٰ متقیوں یعنی اُس سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے علم میں ہے۔ کہ کون لوگ ایسے ہیں، جو کفر و شرک کی برائیوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔

درسِ چہل ۴۰ | آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی، اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اس کی جو خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں مثل اس ہوا کے ہے جس میں شدید سردی ہے، جا پہنچی ہے ایسی قوم کے کھیت کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس اس کو ہلاک کر دیا، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۱۷﴾

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی عداوت کا ذکر کر کے ان کی مذمت بیان فرمائی۔ پھر فرمایا اُن میں سے سارے کے سارے برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض اہلِ کتاب منصف مزاج بھی ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی قدر کرتا ہے اور تمام متقیوں کی نیت، ارادے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔
اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے۔ پہلے اہلِ کتاب کی مذمت بیان ہوئی اور وہ وجوہات بھی بیان ہوئیں جن کی وجہ

سے وہ سرکشی کرتے تھے۔ پھر ان میں سے بعض کی مدح کا تذکرہ ہوا، اور اب کفر کرنے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا: ایسے لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، سب کا ایک ہی معاملہ ہے

مال و اولاد کا فتنہ

تاہم اس آیت میں اہل کتاب کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا، توحید کو اختیار نہ کیا، حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ایمان کے دیگر اجزاء کی بھی تصدیق نہ کی، اُن کے متعلق فرمایا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ایسے لوگوں کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ یہ چیزیں انہیں اللہ کے غضب سے بچا نہ سکیں گی۔ دنیا میں انسان بعض اوقات مال کے ذریعہ بچ جاتے ہیں اور بعض اوقات اولاد بھی بچاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے، مگر اللہ کی بارگاہ میں یہ دونوں چیزیں کام نہ آئیں گی۔ عام طور پر یہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ اکثر لوگ انہی دو چیزوں یعنی مال اور اولاد کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بیشک تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ سے مراد آزمائش ہے۔ انسان ان چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان اور آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، حلال و حرام کی حدود کو توڑتے ہیں، اور اس طرح مال اور اولاد ان کے لیے ذریعہ آزمائش بن جاتے ہیں۔ پھر جب اس آزمائش میں پورے نہیں اترتے تو ان پر وبال آجاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی تمہارے مال اور اولاد تمہیں خدا کا قرب نہیں دلا سکتے، قرب الٰہی تو ایمان، توحید اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے، مگر لوگ اس چیز کو بھول کر مال و اولاد کی محبت میں جائز اور ناجائز کی تمیز نہیں رکھتے۔ لہٰذا انہیں اللہ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے یہ چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد

ہے کہ اولاد انسان کے حق میں بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔ اسی کی خاطر انسان مال خرچ نہیں کرتا اور جہاد میں شریک نہیں ہوتا کہ اولاد کی حفاظت کون کرے گا۔ اسی کی خاطر نیکی کے دوسرے کاموں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ مال کی محبت کی وجہ سے بہت ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیحین کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ

مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر ہے۔ کہ تم پر دنیا وسیع کر دی جائیگی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو گے جس طرح ان لوگوں نے کی، پھر وہ تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

مقصد یہ کہ دنیا کے معاملے میں تم ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے اور پھر وہ تم کو ہلاک کر دیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے، کہ مال انسان کا اچھا ساتھی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے اللہ کا اور اس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور اگر حق ادا نہیں کرتا، تو یہی مال اس کے لیے وبال جان ہے۔ مال کی جتنی بہتات ہوگی، آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، فتنے بھی اتنے ہی زیادہ بپا ہوں گے۔ مال کے فتنہ کی وجہ سے ہی اسلام کے نام لیوا بدنی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ فضول امور میں خرچ

کرنے میں دوسری اقوام سے آگے ہیں۔ دولت تو ہے مگر صحیح جگہ پر خرچ نہیں ہوتی غلط جگہ پر خرچ ہو کر فتنہ بن جاتی ہے۔

حیاداری

اخلاق کے متعلق بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا ہر دین کا کوئی مخصوص اخلاق ہوتا ہے وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ اور اسلام کا خلق حیا ہے۔ جب تک لوگوں میں حیاداری موجود ہے، اخلاق موجود ہے۔ جب حیا ہی نہ رہی تو اخلاق کا جنازہ نکل گیا۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک وغیرہ میں پہلے انبیاء کی تعلیم سے یہ بات اخذ کی گئی ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب حیا کا دامن چھوڑ دیا جو چاہو کرتے پھرو، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مصری شاعر شوقی نے کہا ہے۔ ؎

اِنَّمَا الْاُمَمُ بِالْاَخْلَاقِ مَا بَقِیَتْ

فَاِذَا ذَهَبَتْ اَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوْا

امتیں اخلاق کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ جب اُن میں اخلاق ختم ہو جائے تو امتیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں کسی امت کا زندہ رہنا یا ختم ہو جانا کچھ مفید نہیں رہتا۔ نبی آخر الزمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں دنیا پر غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے اسلام زمین پر نیکی کو رائج کیا۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا انسان کے حق میں مال اور اولاد دو بڑی آزمائشیں ہیں۔ لوگ انہی کی وجہ سے ایمان اور نیکی سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ فرمایا ان چیزوں سے حد سے زیادہ محبت کرنے والوں کا انجام یہ ہوگا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

کفار کا مہلک انفاق

اگلی آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کفار اس دنیا میں جو مال خرچ کرتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے۔ کیا اللہ کے ہاں اس قسم کے خرچ

کا کوئی فائدہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ مَا یُنفِقُونَ فِی هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مثال اُس کی جو خرچ کرتے ہیں اہلِ ایمان اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں یقیناً بہتر ملے گا مگر کافروں کے ساتھ معاملہ کیسے ہوگا بُرے کاموں میں خرچ کرنے کے علاوہ وہ لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں، سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے تعمیر کرتے ہیں، پُل اور سرائیں بنواتے ہیں، اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق نیکی کے دوسرے کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے خرچ کیے ہوئے مال کی مثال ایسی ہے۔ كَمَثَلِ رِیحٍ فِیهَا صِرٌّ جیسے ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو۔ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوٓا اَنفُسَهُمْ جو سرد ہوا ایسی قوم کی کھیتی پر آئی ہو جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ کھیت پک کر تیار ہو رہا ہے، اناج سے بھرا پڑا ہے۔ خوب لہلہا رہا ہے۔ اتنے میں سخت ٹھنڈی ہوا آتی ہے فَاَهْلَكَتْهُ اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اچھی بھلی کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کے مالک منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ فرمایا کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ اس دنیا میں رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کر کے خوش ہو رہے ہیں کہ اُن کا خرچ کیا ہوا مال انہیں بہت فائدہ دے گا مگر حقیقت میں اللہ کے ہاں اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جس طرح کھیتی کا مالک اناج کی آس لگائے بیٹھا تھا مگر یخ ہوا نے اسے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ کرنے والے کافر امید کریں گے کہ مال خرچ کرنے کے عوض اُن کو اجرِ عظیم ملیگا، مگر اُن کا یہ سارا کیا کرایا یکدم ضائع ہو جائے گا۔ اور اُن کے لیے کچھ مفید نہ ہوگا۔

دنیا میں شہرت

فرمایا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر سے محروم کر کے اُن پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ وَلٰكِنْ اَنفُسَهُمْ یَظْلِمُونَ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی مقبولیت کے

لیے ایمان، صحیح عقیدہ اور اعمالِ صالحہ کی شرط لگائی ہے۔ دوسرے مقام پر
فرمایا فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" اجر اس کو ملے گا
جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ انجام دے گا جس کا ایمان ہی درست نہیں ہے
جس کا عقیدہ ہی صحیح نہیں، جو توحید پر قائم نہیں، اس کے نیک اعمال بھی آخرت
میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ ایسے لوگوں نے بدعقیدگی اختیار کر کے اپنے اندر مہلک
مادہ پیدا کر لیا ہے، جو ان کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر رہا ہے۔ البتہ اُن کے
دنیا میں اچھے کام اُن کے لیے دنیا میں ہی عزت، شہرت، وجاہت اور وقار کا
باعث بن سکتے ہیں۔ یہ چیزیں تو اُن کو دنیا میں ہی حاصل ہو جاتی ہیں، لہٰذا آخرت
میں اُن کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کافروں کے علاوہ منافقوں کا بھی
یہی حال ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ منافقوں کا خرچ کردہ مال اُن کے
لیے کیوں مفید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اُس کو کیوں قبول نہیں کرتے، اس واسطے
کہ اُن کے دل و دماغ ناپاک ہیں، اُن کے دل نفاق سے بھرے ہوئے
ہیں اور اُن کے اخلاق بگڑ چکے ہیں۔ یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے۔ کہ اُن کا
عقیدہ فاسد ہے، اس لیے اُن کے نیکی کے کام بھی آخرت میں بے سود ہوں گے
البتہ اس دنیا میں اُن کا بدلہ انہیں عزت و شہرت کی صورت میں مل جائے گا۔

بدی کا اثر نیکی پر

کفر، شرک اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں، جن کا اثر انسان کی نیکیوں پر پڑتا
ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص ایک دفعہ
شراب پی لیتا ہے، چالیس دن تک اُس کی نیکیاں یعنی نماز وغیرہ قبول نہیں ہوتی
اگرچہ اس کے ذمہ سے نماز ادا تو سمجھی جائے گی مگر وہ بارگاہِ الٰہی میں اُس وقت
تک قبول نہیں ہوگی جب تک شرابی صدقِ دل سے توبہ نہ کر لے۔ ایک اور صحیح
حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص حرام کا ایک لقمہ
پیٹ میں ڈالتا ہے، چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی حرام
کا اتنا شدید اثر ہوتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے تو ان پر احسان کیا، جسم دیا، صحت و توانائی دی، حواس ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا، عقل و شعور جیسی نعمت دی، انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ ان تمام اسباب کی فراہمی کے بعد بھی اگر کوئی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی۔ کیونکہ "وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ" اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا "وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ" اللہ تو اپنے بندوں پر زیادتی کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے۔ یہ تو خود انسان ہیں "وَلٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے ایمان اور عقیدے کو خراب کرتے ہیں برے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا یہ برے اعمال تمہاری اپنی کمائی ہے اب اس کا بھگتان کرو۔ اگر نیکی انجام دی ہے۔ تو اللہ فرمائے گا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں نیکی کی توفیق بخشی جس کا آج اچھا بدلہ مل رہا ہے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خرچ کردہ مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر کے بات سمجھا دی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

درسِ چہل و یک ۴۱ آیت ۱۱۸

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مخلص دوست، نہ بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو۔ وہ تمہارے حق میں خرابی پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں مشقت میں مبتلا کرے۔ تحقیق دشمنی اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو کچھ اُن کے سینے چھپاتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے۔ تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾

ربطِ آیات

اہلِ کتاب کی خرابی، دشمنی اور عداوت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ اُن کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ جو مال وہ اسلام دشمنی کے لیے یا نیکی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں وہ بھی رائیگاں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا۔ کہ جس طرح کسی عمدہ فصل کو ٹھنڈی ہوا، تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کفر کرنے والوں کے خرچ کردہ مال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ عقیدے کی خرابی اور معاصی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب

آج کے درس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ مسلمان اہل کتاب کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ان کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں

مخلص دوست

ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست نہ بناؤ۔ یہاں پر بطانہ کا لفظ آیا ہے جو کہ خاص الخاص راز دار دوست کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے بطانة الرجل بھی بولا جاتا ہے۔ عربی زبان میں بطانة استر یعنی کوٹ کے اندر لگائے جانے والے کپڑے کو بھی کہتے ہیں گویا یہ ایسی چیز ہے جو داخلی طور پر استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق فرمایا الانصار شعار والناس دثار یعنی انصار میرے لیے بمنزلہ شعار یعنی اندر پہنے کپڑے کے ہیں اور باقی لوگ دثار یعنی باہر والے کپڑے چادر، کمبل وغیرہ کی مانند ہیں۔ اس لحاظ سے شعار اور بطانة ہم معنی لفظ ہیں۔ اور یہ نہایت ہی مخلص دوست کے لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ اور مولانا شیخ الہندؒ نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ من دونکم میں اہل کتاب کافر مشرک آتے ہیں بعض مفسرین نے منافقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔

مدینے میں دو مشہور قبائل اوس اور خزرج آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے اللہ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ اپنی پرانی دشمنی ترک کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان قبائل کے مدینے کے یہودیوں سے دیرینہ تعلقات تھے جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے رہے۔ مگر یہودی چونکہ ایمان نہیں لائے تھے اس لیے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج والوں کو بھی منع فرما دیا کہ یہودیوں کے ساتھ دوستی نہ رکھیں، کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے گویا

یہ آیت اوس اور خزرج والوں کے حق میں نازل ہوئی۔
مفسرین کرام نے اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے حضرت عبادۃ بن صامت ؓ انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص ؓ نے حضرت عبادۃ ؓ کو مقوقس سے گفتگو کرنے کے لیے نمائندہ نامزد کیا تھا۔ آپ سیاہ رنگ کے دس بالشت قد کے آدمی تھے۔ بڑے عظیم الشان تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُن کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کر لوں۔ یہ واقعہ جنگ احد یا جنگ خندق کا ہے۔ نبی علیہ السلام نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ اِن سے خیر کی توقع عبث ہے۔ اِن سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا۔ لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا مومن کے سوا کسی سے رفاقت نہ کرو۔ غیر مومن کی رفاقت سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہٰذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

فساد انگیزی

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لیے منع کیا گیا ہے۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وہ تمہارے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ خبال عربی میں فساد کو کہا جاتا ہے۔ غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوگی کہ مومنوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچائیں۔ انہیں تمہاری خیر خواہی ہرگز منظور نہیں۔ اُن سے رازداری قائم کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں جگہ نقصان ہوگا۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے، کہ اہل کتاب ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا اُن کو اِس دُنیا میں عزت اور ترقی نصیب ہو، وہ تو چاہتے ہیں، کہ مسلمان اُن سے زیادہ پستی میں چلے جائیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہل ہنود اور دہریوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں کی

ترقی اُن کو بھی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا ایک مومن کی دوستی ایک غیر مومن کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے لیے کم از کم نظریات تو یکساں ہونے چاہئیں مگر ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تو صورت حال یہ ہے "لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ بلکہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"۔ غیر مسلم کفر کو پسند کرتے ہیں، جب کہ اہل اسلام کا منتہائے مقصود محض رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں گروہوں کی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

اخلاقی رواداری

البتہ کسی کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا الگ چیز ہے۔ اس قسم کے اشارات سورۃ ہذا کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ ممتحنہ میں بھی ملتے ہیں۔ اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم جزیہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔ ذمیوں کی مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں، مذہبی آزادی کے علاوہ کاروبار اور تجارت میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ذمی کو تنگ کرے گا، میں قیامت کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کروں گا۔ آپ نے ذمیوں کو اتنے حقوق دیے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا اُن کے ساتھ دوستانہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مخلص دوستی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی۔ کسی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا تذکرہ آگے اس سورۃ میں بھی اور اس کے بعد بھی آئے گا۔

کلیدی اسامیوں پر تقرری

غیر مسلموں سے دوستی اور راز داری کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لہٰذا کوئی راز کی بات اُن تک نہیں پہنچنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیے امام ابوبکر جصاصؒ

فرماتے ہیں۔ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں کسی کلیدی خدمت پر فائز نہیں کرنا چاہیئے، انہیں نہ وزیر بنانا چاہیئے، نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہیئے۔ جمہوریت میں تو ایسا درست ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے، کسی عیسائی، یہودی، ہندو یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنا دیا جائے، تو معاملہ بگڑ جائیگا۔ جب کارنیلیس کو وزیر قانون بنایا گیا تھا، تو ہم نے اسی وقت کہا تھا کہ جو شخص اسلامی قانون پر ایمان ہی نہیں رکھتا اس کو وزیر قانون کیسے بنایا گیا ہے، پارلیمنٹ کا غیر مسلم ممبر اسلامی قانون کی قانون سازی میں کیسے حصہ لے سکتا ہے، مگر یہ بات حکومت کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب ایک غیر مسلم کو مقرر کرنا چاہا تھا، مگر آپ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا جسے خدا نے دور کیا تم اُسے کیوں قریب کرنا چاہتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔ در تفسیر احکام القرآن میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ کہ وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔ بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں، مگر وہ شخص ایمان نہ لایا اور آپ نے اُسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپ زخمی ہو گئے تو اُسے پھر بلا کر ایمان اور عہدہ کی پیشکش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آپ نے اُسے آزاد کر دیا مگر کوئی عہدہ نہ دیا۔ اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ اسلام میں جبر نہیں ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا اور دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اگر ایسا ہوگا، تو اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

غیر مسلموں کی خصلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے "وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ" اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دیتا۔ ان کی دلی

خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار رہیں۔ اور وہ جو قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ سو ان کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات ان کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کوشش کریں کہ ان کی اسلام کے ساتھ دشمنی مخفی رہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے جو ان کی اندرونی خباثت کا مظہر ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو اندرا گاندھی کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہنود اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے برخلاف ہی رہیں گے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے یہ لوگ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے ایک انگریز نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ مسلمانوں کے آخری نبی تو بادشاہ تھے وہ تو لونڈیوں کے ساتھ کھیلتے رہتے تھے (العیاذ باللہ) ایک اور انگریز نے کوئی چالیس سال پہلے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا۔ کوئی اپنے اونٹ کا نام محمد رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ذہنی کوفت ہو۔ ایک اور خبیث نے اپنے رسالے میں حضرت علیؓ کے متعلق لنگور کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بہرحال اس قسم کی اذیت ناک باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قرآن پاک کے متعلق بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔ اسے رجعت پسندانہ کتاب کا نام دیا گیا ہے ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا وزیر اعظم گلیڈسٹون تھا، اس نے قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا، کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے دنیا مہذب نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کتاب کو ختم کرنا ہوگا (نعوذ باللہ) متحدہ ہندوستان کے صوبجات متحدہ کا گورنر سر ولیم میور نہ صرف عیسائی تھا بلکہ بہت بڑا پادری تھا۔ اس نے کہا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں۔ ایک محمد کا قرآن اور دوسری اس کی تلوار جس کے ساتھ وہ جہاد کرتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت اُنکی

کتاب (LIFE OF MOHAMMAD) (سوانح محمدؐ) میں موجود ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں، جو اہل اسلام کے لیے نہایت تکلیف دہ ہیں۔ بات وہی ہے، کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی مسلمانوں کی خیرخواہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کی اندرونی خباثت بسا اوقات ان کی زبانوں پہ تو آتی رہتی ہے مگر وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ط جو کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاظت ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہٰذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان پہ سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پہ اعتماد کرو گے ان کو وزیر مشیر بناؤ گے، بڑے بڑے عہدوں پہ فائز کرو گے تو پھر بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔

درس چہل و دو ۴۲ آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰

هَآ أَنتُمْ أُوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ عَضُّواْ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُواْ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُواْ بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۗ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ: سنو بات لوگو! تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصے کی وجہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجیے! آپ کہہ دیجیے تم اپنے ہی غصے سے مرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے ﴿۱۱۹﴾ اے اہل ایمان! اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو اس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائے گی۔ بیشک اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے اس کا جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ﴿۱۲۰﴾

اہل کتاب کی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب

مشرکین اور منافقین سے دوستی کرنے سے منع فرما دیا۔ اور خبردار کر دیا کہ ان کو اپنے دلی راز داں نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اس کو پسند کرتے ہیں اُن کی اسلام دشمنی بسا اوقات ان کی زبانوں پر آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے خلاف جو بغض و عناد ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے، تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام احکام کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو، تو ان کو سمجھ جاؤ اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی ان کو راز سے آگاہ کرو، انہیں نہ وزیر اور مشیر بھی نہ بناؤ، کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں ان تک پہنچتی ہیں، جو تمہارے نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے، لہٰذا ان کی ہر وقت کوشش یہ ہو گی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہو کر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔

اسی سورۃ میں تیسرے پارہ میں احکام بیان ہو چکے ہیں، کہ مومن کی دلی دوستی کسی صورت میں بھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذمیوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، ان سے نیکی اور احسان کا سلوک روا ہے۔ جو غیر مسلم مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں، نہ وہ اپنے وطن سے مسلمانوں کو ملک بدر کرتے ہیں، ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرو تاہم دلی دوستی اور رازداری ان کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

افشائے راز

حاطب بن ابی بلتعہؓ بلند پایہ صحابی رسول ہیں۔ آپ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر یہ ایک معاملہ میں لغزش کھا گئے۔ ان کے بچے ابھی تک مکہ میں تھے قریش مکہ کی طرف سے اپنے بچوں کے لیے خیر سگالی کے جذبات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ آور ہونے کا راز مکہ والوں کو

پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت کو اس غرض کے لیے خط دیکر مکہ روانہ کیا۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کی خبر بذریعہ وحی ہوئی تو آپ نے سوار بھیج کر اُس عورت کو راستے میں ہی جا لیا اور اُس سے خط برآمد کر لیا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھ گچھ ہوئی، انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اللہ کے رسول نے اُس کی تصدیق کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کی آیات نازل فرمائیں "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ" اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ اُن کو راز کی باتیں مت بتاؤ۔ اب تو معافی ہو گئی ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ آج ہمارے گرد و پیش یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کافر، عیسائی، یہودی اور دہریہ طاقتیں مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں دخیل ہو رہی ہیں۔ مسلمان اپنی نااتفاقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اغیار کو رازداں بنایا جا رہا ہے۔ اُن سے مشورے طلب ہوتے ہیں، اور پھر وہی لوگ اندرونی راز حاصل کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اُن کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ انہی کے دام میں گرفتار رہیں۔

خلافتِ اسلامیہ

اس وقت دنیا میں پچاس کے قریب اسلامی حکومتیں ہیں مگر کوئی بھی اپنی رائے میں آزاد نہیں ہے۔ سب غیر مسلموں کے دستِ نگر ہیں، تمام اہم امور انہی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ جب سے خلافتِ ترکی کا خاتمہ ہوا ہے مسلمانوں کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ مصر کا ایک انگریز اپنے ملازم سے کہہ رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے خلیفہ سے بہت خائف ہیں۔ جب کوئی شکایت خلیفہ کے پیش ہوتی ہے وہ اُس کے تدارک کی فوراً کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کفار کو ہزیمت اٹھانا پڑتی ہے۔ اگر خلافت کی طاقت نہ ہوتی، تو ہم مسلمانوں کو بہت ذلیل کرتے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب خلافتِ اسلامیہ بالکل کمزور ہو چکی

تھی، اور جب یہ اپنے عروج پر تھی، تو کسی کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں اور مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب مسلمان اپنے مشن کو ترک کر چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اب دنیا میں اُن کو عزت کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ اب وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے پر چل رہے ہیں، کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت ہو یا تجارت، ہر چیز میں غیر مسلم دخیل ہیں، حتیٰ کہ تہذیب اور فیشن بھی اُنہی کا اپنا لیا گیا ہے۔ وقار تو اُن قوموں کو ہوتا ہے، جو اپنے نظریے پر قائم ہوں۔ مسلمان جب تک اپنے مشن پہ قائم رہے انہیں دنیا میں عزت و وقار حاصل تھا، مگر اب ہم نے غیروں سے مشورے طلب کر کے خود اُن کو اپنا رازدار بنا لیا ہے، وہ ہمیں اچھا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ہماری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اقوام کے ساتھ قلبی دوستی قائم نہیں کرنی چاہیئے۔

یکطرفہ محبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ اے ایمان والو! تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو، وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ مطلب یہ کہ تم تو عیسائیوں، یہودیوں، انگریزوں اور امریکیوں کو اپنا رازدار بنا رہے ہو، ان کو مشیر بنا رکھا ہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو، مگر وہ تم سے دل لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے ساتھ تمہاری محبت یکطرفہ ہے۔ محبت ہمیشہ جانبین کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ "تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے"۔ لہٰذا صرف تمہاری طرف سے یکطرفہ محبت کوئی محبت نہیں، وہ تو اللہ، اس کے رسول اور قرآن پاک کے شدید ترین دشمن ہیں "لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ" مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں۔ اس کے بعد مشرکین اور نصاریٰ کا نمبر آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہو گی۔

ایمان بالکتب

فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ تم یعنی اہل ایمان تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک سب برابر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب، جس نبی پر نازل فرمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں نازل ہوئی ہو، اہل ایمان اس کو برحق مانتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں مگر اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے۔ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے رہے ہیں۔ فرانس کا ایک انگریز نولڈک نامی ہوا ہے، اس نے کہا کہ محمد پر مرگی کا دورہ پڑتا تھا (العیاذ باللہ) اور اس دوران بڑبڑانے سے جو کچھ اُن کے منہ سے نکلتا تھا اس کو جمع کر کے قرآن بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جوانی کے دور میں حضور علیہ السلام کی ملاقات نسطورا نامی راہب سے ہوئی تھی۔ اس نے جو باتیں آپ کو سکھائیں، وہ قرآن بنا کر پیش کر دیا گیا، کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لیے سب سے اعلیٰ کتاب قرآن کریم ہے۔ ان حالات میں جب کہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی نہیں ہے، تو ان کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ ان کو رازداری کی بات نہ بتا دینا، ورنہ وہ نقصان پہنچائیں گے۔

منافقین کا اظہار خفگی

آگے اللہ تعالیٰ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا جب وہ تمہیں یعنی مسلمانوں سے ملتے

آپ تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ اور جب الگ ہوتے ہیں، تو غصے کے مارے انگلیوں کو چبتے ہیں۔ جب کسی انسان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع ہو جائے تو اُسے نہایت افسوس ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی بے بسی کے طور پر غصے میں دانت پیستا ہے، اور کبھی ہاتھوں کی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹتا ہے اور ہاتھ کی پشت پر دانت نصب کر دیتا ہے ایسا شایت غصے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے یہودی بظاہر تو تمہارے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں مگر جب تم سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو تمہاری ہر کامیابی اُن کو سخت گراں گزرتی ہے۔ اور وہ غصے کے مارے دانت پیستے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ لوگ آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف غصے سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اس صورتحال میں قُلْ آپ اُن سے کہہ دیں مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ تم اپنے ہی غصے کی آگ میں جل مرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی سے قطع تعلق کرنا ہو، تو اُسے کوئی چبھتی ہوئی بات کر دینی چاہیئے تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اب یہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں رہ سکتا۔ ہم تمام آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ ہم تمام انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں مگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ لہٰذا اُن کو یہ دل شکن بات کہہ دی گئی کہ جس غیظ و غضب کا اظہار تم مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہو، خود اُسی غصے سے مر جاؤ۔ فرمایا اگرچہ تم بظاہر ایمان کا اظہار کرتے ہو مگر یاد رکھو! اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز یعنی اُن میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب واقف ہے، وہ جانتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام، اہل ایمان اور اللہ کی کتاب قرآن پاک کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے، تمہاری کچھ خباثت تو

تمہاری زبانوں سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر جس چیز کو تم چھپاتے ہو، اللہ سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ پھر اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا اے ایمان والو! اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ اگر تمہیں کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے، تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پہ گراں گزرتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے شکست ہو جائے، کچھ آدمی مارے جائیں۔ مالی نقصان ہو جائے، تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد و غمخوار ہوں گے۔ المومن اخو المومن ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو۔ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول سے لاتعلقی کا اظہار کرو۔ ان سے دوستی نقصان کا باعث ہوگی۔

دفاع کا طریقہ

فرمایا اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر رسانی کا دفاع دو طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے وَاِنْ تَصْبِرُوْا اگر تم صبر کرو۔ مومن کے لیے صبر ایک بہت بڑا دفاع ہے۔ صبر ملت ابراہیمی کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ میں ملت ابراہیمی کے اصولوں کی تشریح آچکی ہے توحید، ایمان، ذکر، شکر، صبر، شعائر اللہ کی تعظیم، نماز، طہارت وغیرہ کا بیان مختلف دروس میں آچکا ہے۔ صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی ہر موقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت میں صبر، خواہشات نفسانیہ پہ قابو پانے میں صبر انسان کو حد اعتدال سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے

اور پھر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ اُن کو قیامت کے دن بغیر حساب کے اجر عظیم عطا کرے گا۔

فرمایا دفاع کا دوسرا طریقہ وَتَتَّقُوْا ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ اختیار کیے رکھو گے۔ گناہ سے بچتے رہو گے، تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہو گا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا دشمنانِ اسلام کی کوئی مکاری اور حیلہ سازی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ نقصان وہاں ہو گا۔ جہاں صبر اور تقویٰ کا فقدان ہو گا۔ صابرین کا نمونہ دیکھنا ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ پر ایک نظر ڈال لو۔ وہ تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر تھے۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر تم بھی صبر اور تقویٰ کے اوزار زیب تن کر سکتے ہو جن کے ذریعے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ ہر مقام پر تمہارے حق میں بہتر فیصلہ کرتا چلا جائے گا۔ اس نے بدر میں تمہارے حق میں فیصلہ دیا، فتح مکہ میں تمہاری مدد کی۔ تبوک میں تمہیں فتح عطا کی۔ ہاں بعض اوقات نیکوکاروں کو بھی تکلیف آ جاتی ہے اس سے گھبرا کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مومن کے لیے ایسی تکلیف یقیناً اس کے رفع درجات اور نجات کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ بظاہر نقصان ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایک مومن آدمی نفع میں ہی رہتا ہے الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصول بتا دیے کہ اپنے علاوہ غیروں کو رازدار نہ بناؤ۔ اُن کی مکاریوں کا دفاع صبر اور تقویٰ کے ساتھ کرو، تو تم ہمیشہ مامون رہو گے۔ البتہ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اُن کی شرارتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہے گی، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

درس چہل و سہ ۴۳

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

ترجمہ: اور جب آپ صبح کے وقت نکلے اپنے گھر سے، آپ ٹھکانے مقرر کرتے تھے ایمان والوں کے لیے لڑائی کے واسطے، اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے (۱۲۱) جب خیال کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ ہی اُن کا ولی ہے، اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں (۱۲۲)

ربطِ آیات

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کی دشمنی اور عناد کا تذکرہ کر کے اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی ممانعت فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ جو عناد اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یاد دلایا کہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو مگر اہلِ کتاب قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، فرمایا ان حالات میں تمہاری اہلِ کتاب کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اگر ان سے قریبی تعلقات قائم کیے گئے تو وہ اہلِ اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اے ایمان والو! اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو گے، تو اہلِ کتاب اپنی تمام تر عداوت کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

صبر اور تقوے

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے آیت کریمہ
اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھ کر سنا دی۔
آپ کا مطلب یہ تھا کہ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچاؤ اور
عدل و انصاف پر قیام ہے۔ عدل ایک بنیادی اصول ہے جس پر تمام
بنی نوع انسان کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ عادل لوگ ہی دنیا میں اچھا نظام
قائم کر سکتے ہیں۔ اسی عدل کی بدولت اچھی حکومت اور اچھی سوسائٹی معرضِ وجود
میں آتی ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوگا، وہاں نہ حکومت اچھی ہوگی نہ سوسائٹی۔
لہٰذا مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے، کہ اگر انہیں شکست ہو جائے یا کوئی نقصان اٹھانا
پڑے تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے تقوے اور صبر میں خرابی پیدا ہوگئی ہے
وہ ان زرین اصولوں پر قائم نہیں رہ سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر
تم ان اصولوں پر قائم رہو گے تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب
نہیں ہوگی۔

اب آج کے درس میں دو واقعات کی طرف اشارہ کر کے مثال بیان
کی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو! بدر کے میدان میں اہلِ ایمان نے اللہ کی ذات پر
مکمل بھروسہ کیا، تقوے اور صبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ نے انہیں فتح
عطا کی، حالانکہ تعداد کے لحاظ سے مسلمان قلیل تھے، اور سامان حرب کی بھی
شدید قلت تھی۔ دوسری طرف احد کے میدان میں مسلمانوں کی تعداد بدر کی
نسبت زیادہ تھی، مگر صبر اور تقوے میں کمی آنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہونا
پڑا۔ آگے جنگ احد کے واقعات تفصیلاً آ رہے ہیں۔ اور اس موقع پر مسلمانوں
کی طرف سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، کہ آئندہ ایسی چیز
کا اعادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

جنگ اُحد کا پس منظر

رمضان ۲ھ میں جنگ بدر لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی شاندار
فتح عطا کی، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ قریش مکہ اپنی اس شکست

سے سخت شکست خوردہ ہوئے اور اُن کے دلوں میں انتقام کا جذبہ بھڑکنے لگا۔ ابوسفیان کے جس تجارتی قافلہ کی حفاظت کے نام پر یہ جنگ لڑی گئی، اُس کا سارا منافع مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جنگ بدر میں بڑے بڑے آئمہ کفر مارے گئے تھے، کسی کا باپ مارا گیا، کسی کا بیٹا قتل ہوا، سب غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ لہٰذا وہ پوری تیاری کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔

صحابہؓ سے مشورہ

جب اس حملہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو جمع کر کے اُن کا مشورہ طلب کیا کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے یا شہر سے باہر کھلے میدان میں۔ اس معاملہ میں واضح طور پر دو رائیں تھیں۔ نوجوان طبقہ خصوصاً وہ صحابہؓ جو جنگ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے، اُن میں جوش و ولولہ تھا اور وہ دشمن کا مقابلہ باہر نکل کر کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی اکثریت تھی۔ تاہم انصار کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے۔ اُن کا خیال تھا کہ مجاہدین کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شہر کی جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں۔ وہ پتھروں کی بارش کر کے بھی غنیم کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے تجربہ بھی یہی تھا کہ شہر پر حملہ آور ہونے والوں کو چنداں کامیابی نہیں ہوتی رہی تھی، لہٰذا ان لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے بھی اندرون شہر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی۔ چونکہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لیے عام اصول "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کے مطابق آپ نے مشورہ طلب کیا اور اکثریت رائے کے مطابق شہر سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یاد رہے کہ مشورہ کرنا اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، جو بات مشورے سے کی جاتی ہے اُس میں نقصان نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مشورہ ہر کس و ناکس سے نہیں ہوتا بلکہ دانا، سمجھدار، متقی

اور صائب الرائے لوگوں سے ہوتا ہے۔ یہ ایک الگ اصول ہے جس کی تشریح اسی سورۃ میں آگے آ رہی ہے۔

حضور علیہ السلام کے خواب

اس دوران حضور علیہ السلام نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر بھی خود آپ نے بیان فرما دی۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے خواب میں ایک ذبح شدہ گائے دیکھی جس کی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں خیر حاصل ہوگی۔ خواب کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار کو حرکت دی تو وہ ٹوٹ گئی اور اس میں دندانے پڑ گئے، اس کی تعبیر یہ ہے۔ کہ ہمیں ہزیمت ہوگی۔ مورخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ تلوار میں دندانے پڑنے کی تعبیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کا ایک شخص شہید ہوگا، چنانچہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ اس خواب کی تعبیر بنے۔ خواب کا تیسرا جزو حضور نے یہ فرمایا کہ میں نے ایک محفوظ مقام پہ زرہ میں ہاتھ ڈالا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ الغرض، نبی علیہ السلام کی ذاتی رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی مگر آپ نے اکثریت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ بہرحال حضور علیہ السلام گھر تشریف لے گئے اور پھر زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ بعض صحابہؓ نے اس بات پہ ندامت کا اظہار کیا۔ کہ انہوں نے آپ کی ذاتی رائے پہ عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی رائے کے مطابق بہتر یہی ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر ہی کیا جائے، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں ہے۔ کہ وہ ہتھیار پہن کر رک جائے، لہٰذا اب باہر نکل کر ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔

شوال کی ۱۲ یا ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا، حضور علیہ السلام نے جمعہ کی نماز مدینہ منورہ میں ادا کی اور اپنے جانثاروں کے ساتھ اُحد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابتدا میں آپ کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا مگر جیسا کہ آگے اشارات ملتے ہیں، اس میں سے تین سو آدمی راستے میں سے واپس چلے گئے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عبداللہ بن ابی نے بعض لوگوں کو جنگ سے بدگمان کر دیا۔ ایک تو اس کی شہر میں لڑنے کی رائے

سے اتفاق نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے گروہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیش نظر ان کو کمزور سمجھتا تھا، لہٰذا اُس نے بزعم خود ہلاکت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ منافق نہیں تھے مگر چونکہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے، اس لیے اُس کے کہنے میں آ گئے۔ بہرحال ان میں سے بہت سے لوگ منافق تھے جو عبداللہ بن ابی کی طرح بظاہر تو ایمان لا چکے تھے مگر اندر سے منافق تھے۔ باقی سات سو افراد کا لشکر احد کے دامن میں صبح کے وقت پہنچا، اور آپ نے اگلے دن صبح کی نماز وہیں ادا کی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَاِذْ غَدَوْتَ اُس وقت کو دھیان میں لائیں جب آپ صبح کے وقت نکلے مِنْ اَهْلِكَ اپنے گھر سے۔ جس دن آپ احد کے لیے روانہ ہوئے، اُس روز آپ کا قیام اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پر تھا اور وہیں سے آپ ہتھیار بند ہو کر نکلے تھے اسی سے مفسرین کرام یہ استدلال کرتے ہیں کہ ام المومنین حضور علیہ السلام کے اہلبیت میں شامل ہیں۔ برخلاف اس کے روافض حضرت عائشہؓ کو نہ صرف اہلبیت سے خارج کرتے ہیں بلکہ آپ کو نعوذ باللہ منافق سمجھتے ہیں۔ یہاں پر اَهْلِكَ کے لفظ نے شیعوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے۔

میدانِ احد میں پہنچ کر حضور علیہ السلام تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے لیے مومنوں کے ٹھکانے مقرر کرتے تھے جگہ مقرر کرنا، ڈیوٹی لگانا، جنگ کے تقاضوں کے مطابق صف بندی کرنا وغیرہ سب چیزیں تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ میں آ گئی ہیں۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ احد میں بھی کمان خود حضور علیہ السلام نے کی، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کمانڈر نہیں تھا۔ آپ نے میدان جنگ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جبل احد پانچ چھ میل میں پھیلا ہوا لمبا چوڑا پہاڑ ہے، آپ نے جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کے ایک درے کے اوپر عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر

فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ وہ خوب جم کے رہیں کہیں دشمن پشت پر سے حملہ نہ کرے۔ اگر ایسی صورت ہو تو اُن پر تیروں کی بارش کر دینا اور اپنی جگہ کسی صورت میں بھی نہ چھوڑنا۔ مگر اس جماعت سے سخت غلطی ہو گئی جس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ بہر حال یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہید کے طور پر یہاں فرما دی اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

توکل علی اللہ

مدینے کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے۔ ایک اوس خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا خزرج سے۔ عبداللہ بن ابی ان قبیلوں پر بھی اثر انداز ہوا۔ اور انہیں جنگ احد میں شرکت سے روکنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر اس طرح کیا اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی دکھانے کا ارادہ کیا۔ قریب تھا کہ یہ دو قبیلے عبداللہ بن ابی کے کہنے پر مسلمانوں سے الگ ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ اُن کی دستگیری فرمائی اور وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ نے اُن کی تعریف فرمائی ہے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اللہ تعالیٰ ہی اُن کا کارساز ہے۔ اُس نے عین موقع پر اُن کی مدد فرمائی اور وہ غلطی سے بچ گئے، ورنہ منافقین کی صف میں شامل ہو جاتے۔ اللہ نے فرمایا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اہل ایمان کو چاہیئے کہ اللہ پر ہی مکمل بھروسہ رکھیں، فتح و شکست اُسی مالک الملک کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اُس پر بھروسہ کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش کرے۔ اسلحہ جمع کرے، تیاری تیار کر کے میدان جنگ میں اُترے اور پھر نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دے۔ فتح و نصرت اُسی کی طرف سے ہوگی۔ مومنوں کو ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا چاہیئے۔ کمزوروں، مجبوروں، اور بے سہارا لوگوں کو اللہ کی مدد پر بھروسہ کر کے میدان عمل میں اترنا چاہیئے۔ مسلمان جب تک اس اصول پر عمل کرتے رہے کامیاب ہوتے رہے جب صبر اور تقویٰ کا دامن چھوٹ گیا تو نقصان اٹھانا پڑا۔

درس چہل و چہار ۴۴   آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ الربع

ترجمہ: اور البتہ تحقیق اللہ نے مدد کی تمہاری بدر کے مقام پر اور تم نہایت کمزور اور بے سرو سامان تھے، پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کرسکو ﴿۱۲۳﴾ اور جب آپ ایمان والوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تم کو مدد پہنچائے تمہارا پروردگار تین ہزار اترے ہوئے فرشتوں سے ﴿۱۲۴﴾ کیوں نہیں، اگر تم صبر کرتے رہو گے اور ڈرتے رہو گے، اور تمہارے دشمن اسی وقت تمہارے پاس آجائیں، تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

ربط آیات: گزشتہ آیت میں غزوہ احد کا ذکر تھا اور آمدہ آیات بھی احد ہی سے متعلق ہیں، تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کا بطور مثال ذکر فرمایا ہے کہ دیکھو! بدر کے موقع پر تم بے سرو سامانی کی حالت میں تھے، افرادی قوت

بھی کم تھی، رسد بھی بالکل قلیل تھی، مگر تمہارے صبر اور تقوے کے درجہ کمال کی وجہ
سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقتور دشمن پر عظیم فتح نصیب فرمائی۔ اور اب احد
کے موقع پر تمہاری پوزیشن بہت بہتر تھی۔ مگر صبر اور تقویٰ کی کمی اور بعض
غلطیوں کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں مسلمانوں کی کمزوری اُن کے
قائد کی قیادت کے کسی نقص کی بناء پر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کی کمان تو خود اللہ کا
رسول کر رہا تھا، بلکہ یہ نقصان دوسرے مسلمانوں کے خود اپنے پیدا کردہ اسباب
کی بناء پر ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کو رفع
کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آئندہ کے لیے مستعد رہنے کی تلقین کی ہے۔ سابقہ
غلطیوں کی معافی کا ذکر بھی موجود ہے۔ بہرحال اس سورۃ میں غزوہ احد کے متعلق
بہت سی تفصیلات آگئی ہیں۔

غزوہ بدر

جیسا کہ پہلے عرض کیا آج کے درس میں غزوہ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ
کی مدد کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ بدر کے مقام پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ بدر ایک جگہ کا نام ہے
جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے ستر یا اسی میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل جاہلیت
کے زمانے میں بدر بن قیس یا امام ابن کثیر کے مطابق بدر ابن نارین نامی ایک شخص نے
اس مقام پر کنواں کھدوایا تھا، جس کے نام پر اس کنویں کا نام بدر مشہور ہو گیا، اور اسی
نسبت سے اس جگہ کا نام بھی بدر ہی پڑ گیا۔ چار پانچ میل کا یہ ایک میدانی علاقہ ہے
جس کے اردگرد پہاڑیاں ہیں، تاہم ساحل سمندر سے قریب ہی ہے۔ اس مقام پر
بروز جمعہ سترہ ماہ رمضان ۲ھ میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک عظیم واقعہ
پیش آیا، جو مسلمانوں کے لیے ہجرت کے بعد سب سے اہم لڑائی تھی۔ اس
سے پہلے چھوٹی چھوٹی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں، تاہم یہ سب سے بڑا معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ
نے سورۃ انفال میں جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حق و باطل کے
درمیان عظیم فیصلے کا دن تھا، جب دنیا کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کی کس طرح

نصرت فرماتا ہے۔ جنگ کی تفصیلات سورۃ انفال میں آتی ہیں۔ امام بخاریؒ اور مسلم وغیرہ نے اپنی کتب میں مستقل باب باندھ کر مختلف جنگوں کا حال بیان کیا ہے اور وہ تمام احادیث جمع کی ہیں، جو اہل اسلام اور دشمنان اسلام کی لڑائیوں کے متعلق ہیں، امام بخاریؒ کی کتاب المغازی میں سب سے پہلے غزوہ بدر کا حال آتا ہے

دشمنوں کے ذریعے مدد

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بدر کے میدان میں مدد کر چکا ہے۔ اس حالت میں وَاَنۡتُمۡ اَذِلَّۃٌ کہ تم نہایت ہی کمزور تھے۔ اذلّۃ، ذلیل کی جمع ہے اور یہ لفظ عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی کمزور اور بے سروسامان ہوتا ہے۔ اور اس موقع سے یہی معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے، ستر اونٹ اور چند ایک شکستہ تلواریں تھیں، کچھ زرہیں بھی تھیں۔ مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ یا ۳۱۹ تھی، برخلاف اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس ایک سو زرہ دست گھوڑے، ماہر سوار ہر سپاہی کے پاس دو دو اونٹ اور سامان خورد و نوش کی فراوانی تھی۔ وہ سامان حرب و ضرب سے لیس تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کمزور اور بے سروسامان ہی تھے، اور یہی اذلّۃ کا معنی ہے۔

عربی زبان میں لفظ ذلیل نرم مزاج آدمی پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ "اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ" یعنی اہل ایمان مومنوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں پر سخت ہوتے ہیں۔ گویا مومن آپس میں "رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ" کا نقشہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے بڑے ہی نرم مزاج ہوتے ہیں۔ ذلیل کا ایک تیسرا معنی حقیر اور رسوا بھی ہوتا ہے۔ "وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ" اے باری تعالیٰ تو جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلیل و رسوا کرے۔ اس معنی کی مثال سورۃ نمل میں بھی ملتی ہے۔ ملکہ سبا نے اپنے درباریوں سے کہا تھا۔ کہ جب بادشاہ دوسر

ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً تو وہاں کے شرفا کو رسوا کر دیتے ہیں۔ بہرحال اس مقام پر اذلہ کا معنی کمزور اور بے سرو سامان ہی زیادہ مناسب ہے۔

تقویٰ اور شکر

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو یاد دلایا کہ اس نے تمہاری اس کمزوری اور بے سرو سامانی کی حالت میں عظیم الشان فتح عطا کی۔ غزوہ بدر دنیا کی تاریخ میں ناقابل فراموش جنگ کی حیثیت سے معروف ہے فرانسیسی اور انگریز اور بعض دیگر غیر مسلم مفکرین نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ مشرکین مکہ کے خلاف مسلمانوں کی یہ فتح مبین تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد کرا کر فتح عطا فرمائی۔ لہٰذا اے مسلمانو! فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اللہ سے ڈر جاؤ۔ تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچنا، حدود اللہ کی حفاظت کرنا اور عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس معیار پر پورا اترے گا وہ یقیناً شکر گزار ہوگا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک، بدعقیدہ لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے اس لیے وہ ناشکر گزار ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے جس کی تشریح میں نے عرض کر دی ہے۔

فرشتوں کے ذریعے مدد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ جب آپ ایمان والوں سے کہہ رہے تھے اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تین ہزار اترتے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی تعداد تو پہلے ہی زیادہ تھی۔ بعض نے یہ تعداد ایک ہزار لکھی ہے جو زیادہ مشہور ہے اور بعض نے پندرہ سو بھی لکھی ہے۔ اس کے باوجود وہاں یہ شور ہو گیا کہ کافروں کی مدد کے لیے کرز بن جابر مزید لشکر لا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خبر سے

مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ بشارت دی کہ مسلمان دشمن کی کثرت تعداد سے خوف نہ کھائیں، اللہ تمہاری مدد کے لیے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تین ہزار فرشتوں کا ذکر کیا، بلکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، بوقت ضرورت اللہ نے پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا بھی وعدہ فرمایا، مگر حقیقت میں صرف ایک ہزار فرشتوں سے ہی مدد دی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ انفال میں آئے گی۔ بہرحال چونکہ کافروں کو مزید کمک نہیں پہنچی تھی اس لیے اللہ نے صرف ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے ہی مشرکین کو شکست فاش دیدی۔

یہاں پر فرشتوں کے متعلق مُنزَلِین کا لفظ فرمایا ہے یعنی اتارے ہوئے، ظاہر ہے کہ یہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے اترے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ بدر کے میدان میں میں نے حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سفید پگڑی والے دو آدمیوں کو دیکھا، جو کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور گھوڑوں کو کہہ رہے تھے اَقْدِمْ حَیْزُوْمُ اے حیزوم! آگے بڑھ۔ اتنے میں میں نے ایک کافر مرا ہوا دیکھا۔ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسے لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے یہ کون ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے۔ ان فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ اللہ نے سورۃ انفال میں بیان فرمایا ہے۔

بہرحال یہاں پر اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ وہ ہمت نہ ہاریں، بلکہ نصرت الٰہی پر بھروسہ رکھیں۔ نیز فرمایا بَلٰۤی کیوں نہیں اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم صبر کرتے رہو۔ بدر کی جنگ میں واقعی مسلمانوں نے صبر کا عظیم مظاہرہ کیا۔ صبر اور بے قراری متضاد چیزیں ہیں۔ صبر روح کی صفت ہے اور بے قراری نفس کی صفت ہے۔ جب روح کی صفت، نفس کی صفت پر غالب

آجاتے۔ تو انسان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر بہت بڑی صفت ہے۔ اور اس کا امتحان مصیبت کے وقت، اطاعت کرنے کے وقت پر اور معاصی کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے۔ یہ قمت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اسی لیے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے رہو گے وَ تَتَّقُوْا اور تقویٰ اختیار کرتے رہو گے۔ تقویٰ کے متعلق بھی بہت کچھ بیان ہو چکا۔ اگر انسان کو تقویٰ کی دولت حاصل ہو جائے، تو اس کے لیے شریعت کے احکام پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم صفت ہے۔ جسے حاصل ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا وَ يَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا اگر دشمن تمہارے مقابلے میں اچانک آجائیں، دشمن کو پیچھے سے مزید کمک پہنچ جائے تو پھر بھی تم جی نہ ہارنا گھبرانا نہیں، يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اللہ تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا۔ مطلب یہ کہ اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائیگی، تو ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی فوج بھی بڑھا دیگا۔ اس لیے ہمت نہ ہاریں۔

آگے ان فرشتوں کی صفت بیان کی مُسَوِّمِيْنَ وہ نشان لگانے والے ہوں گے۔ ہر قوم کے اپنے جنگی نشان ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ٹینک، توپ، بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ تمام آلاتِ حرب پر مخصوص نشان ہوتے ہیں اسی طرح قدیم زمانے میں شناخت کے لیے گھوڑوں پر فوجی نشان ہوا کرتے تھے۔ اس سورۃ کے ابتدار میں بھی یہ لفظ آیا تھا وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ یعنی نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ الغرض! مسومین سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ایسے فرشتوں سے مدد فرمائے گا، جو دشمن پر، اُس کے گھوڑوں پر اور سامانِ حرب پر نشان لگائیں گے تاکہ انہیں تباہ و برباد کیا جاسکے۔ مسومین سے مراد فرشتوں کی اپنی نشانیاں بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں فرشتوں کی نشانی سفید عمامے تھے۔ جب کہ احد کے میدان میں ان کی نشانی

سرخ عنوان سے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ صبر اور تقوے کا پھل یہ ہے کہ اللہ نے بدر میں فتح نصیب فرمائی، رہا غزوہ احد کا معاملہ، تو وہاں مجاہدین سے کچھ کوتاہی ہو گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب آگے فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ ہے۔

درس چہل و پنج ۴۵ — آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں بنائی اللہ نے (تمہاری یہ امداد فرشتوں کے نزول سے) مگر تمہارے لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو غالب ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے (۱۲۶) تاکہ قطع کر دے ایک گروہ کو ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا اُن کو ذلیل کر دے پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں (۱۲۷) اے پیغمبر! نہیں ہے آپ کے لیے اس معاملہ میں کچھ اختیار۔ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے یا اُن کو سزا دے کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں (۱۲۸) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ بخشتا ہے جس کو چاہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے (۱۲۹)

ربط آیات

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے اس مقام پر اصل تذکرہ تو غزوہ احد کا ہے۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر غزوہ بدر کا ذکر بھی کر دیا ہے تاکہ اہل اسلام کو تسلی رہے کہ جس مالک الملک نے انہیں نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر عظیم فتح سے نوازا تھا، وہ اپنے بندوں کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑیگا۔ واقعہ بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کی بشارت سنائی، پھر تین ہزار کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مشرکین کی جمعیت میں اچانک اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا، جو اپنے گھوڑوں کو نشان لگانے والے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی حکمت بیان فرمائی ہے اور واضح کیا ہے۔ کہ فرشتوں کو اتارنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ براہ راست جنگ میں شریک ہوں گے، بلکہ جنگ تو بہر حال مسلمانوں نے ہی لڑنی ہے۔ سورۃ انفال میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ تاہم بدر کے متعلق فرمایا اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ "جب تم اپنے پروردگار کے سامنے فریاد کر رہے تھے، تو اللہ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتے اتار دیئے، اور تمہارے حق میں ایسے حالات پیدا فرما دیئے کہ تمہیں فتح مبین حاصل ہو گئی۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہے ان میں اللہ نے طاقت بھی بہت زیادہ رکھی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ بدر کے مقام پر حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ براہ راست لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ اکا دکا ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جن میں کافروں کو کچھ اذیت بھی پہنچائی گئی۔ تاہم من حیث الجماعت لڑائی کرنا اہل ایمان ہی کا کام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نزول ملائکہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے۔

مقصد نزول ملائکہ

ارشاد ہوتا ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کو اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ مگر تمہارے لیے خوشخبری۔ تاکہ تمہیں بشارت ہو کر اللہ کے

فرشتوں کی امداد تمہارے ساتھ ہے۔ تاہم فتح تو بہر صورت اللہ کے حکم سے ہی ہوگی بلکہ اطمینانِ قلب کے لیے یہی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے دنیا کی اس زندگی میں اس قسم کے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو حاکم اعلیٰ یا کسی بڑے چودھری کی حمایت حاصل ہو، تو اُسے دل میں تسلی ہوتی ہے۔ کہ کوئی بات نہیں، فلاں بڑی ہستی میرے ساتھ ہے۔ مجھے کیا پرواہ ہے۔ اس پر قیاس کر کے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ ایک عام انسان کی حمایت دوسرے کے لیے تسلی و تشفی کا باعث ہوتی ہے تو جس کا حمایتی اور طرفدار خود احکم الحاکمین ہو اُسے کس قدر سکون حاصل ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزولِ ملائکہ کا مقصد ایک تو تمہیں بشارت سنانا ہے اور دوسرا وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهٖ تاکہ تمہارے دل اطمینان حاصل کریں۔ اور تم کسی خوف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جہاں تک نصرتِ غیبی کا تعلق ہے وہ تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں موجود ہے۔ "اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر وحی نازل کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اُن کو حکم دیا۔ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اہلِ ایمان کے دلوں کو مضبوط کریں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اللہ کے ملائکہ تو پہلے بھی مومنوں کے دلوں میں اچھے خیالات القا کرتے رہے ہیں۔ جس طرح شیاطین وسوسہ اندازی کر کے انسان کو بُرے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں اسی طرح رحمت کے فرشتے اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں۔ بعض صحابہؓ نے فرشتوں کی تعریف کی کہ حضرت! ہم نے ایسی بات دیکھی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ذٰلِكَ مَدَدٌ مِّنَ السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے یہ فرشتے تیسرے آسمان سے نازل فرمائے ہیں۔ بہرحال فرشتوں کے آنے کا مقصد مسلمانوں کو بشارت دینا اور اُن کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا، نہ کہ براہِ راست جنگ میں شریک ہونا۔

نصرتِ الٰہی

غزوہ یرموک کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے اس جنگ کے لیے پانچ صحابہؓ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ اُن میں

ابوعبیدہ بن جراحؓ، خالد بن ولیدؓ، ابن حسنہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور عیاضؓ تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا۔ کہ بحیثیت مجموعی پوری فوج کی کمان حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس ہوگی تاہم باقی جرنیل اپنے اپنے دستوں کے سردار ہوں گے اور اپنے اپنے یونٹوں میں فوجی انتظامات کے ذمہ دار ہوں گے جب رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کچھ کمزوری محسوس کی، ان کے کئی مجاہد شہید ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے امیرالمومنین کو مزید کمک کے لیے خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ میں تمہاری راہنمائی اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو کہ اعز نصرۃ ہے یعنی جس کی نصرت سب پر غالب ہے۔ اور جس کا لشکر ہر وقت حاضر ہے۔ میں تمہاری راہنمائی اس خداوند قدوس کی طرف کرتا ہوں، جس نے مقام بدر پہ اپنے نبی اور ان کے ساتھیوں کو فتح عظیم سے نوازا۔ لہٰذا تم مدد کے لیے اسی مالک الملک کی طرف رجوع کرو، دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرو، مجھے دوبارہ خط نہ لکھنا۔ اللہ جل جلالہ نے بدر میں قلیل تعداد اور بے سروسامانی کی حالت میں تمہاری مدد کی تھی، وہ زیادہ نفری اور وافر ساز و سامان کے ساتھ کیوں تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ تم اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ میری طرف مراجعت نہ کرنا۔ اس روایت کے راوی حضرت عیاضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط جب مسلمانوں کو پہنچا، تو انہوں نے نصرت الٰہی پہ مکمل بھروسہ کرتے ہوئے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کو بیاکوک تک پیچھے دھکیل دیا۔ ان کے پاؤں پھر نہ جم سکے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اس فتح نے شام اور فلسطین کو ہمیشہ کے لیے رومیوں سے پاک کر دیا، اور یہ علاقے مرکز اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔ جو کہ غالب ہے، اور کمال حکمت کا مالک ہے۔

یہاں پھر وہی سوال دوبارہ ابھرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تو مسلمانوں کی بھرپور مدد فرمائی، لیکن احد کے میدان میں ایسا کیوں نہ ہوا۔ اس کا

جواب پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جب انسان پورے عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ جان کی بازی لگا دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوتی ہے مگر احد کے میدان میں مسلمانوں میں کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے ہمراہ تین سو آدمیوں کا لشکر پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض مجاہدین نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف اپنے مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی بھی ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ بہر حال اس کے بعد اللہ نے اہل اسلام کو مضبوط بھی کر دیا۔

کفار کی ناکامی

آگے اللہ تعالیٰ نے نصرت الٰہی کا نتیجہ بیان فرمایا کہ اللہ کی مدد اس لیے آئی لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ کفار کی جمعیت میں سے ایک گروہ کو قطع کر دے۔ ان کی کمر توڑ کر رکھ دے اور ان کے غرور کا سر نیچا کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ بدر میں ستر بڑے بڑے آئمۃ الکفر مارے گئے جن میں ان کا سرغنہ ابو جہل اور امیہ بھی شامل تھے۔ ایک گروہ تو مارا گیا، فرمایا أَوْ يَكْبِتَهُمْ یا ان کو ذلیل کر دے۔ چنانچہ ستر قتل ہوئے اور اتنے ہی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے۔ جو کہ مشرکین مکہ کے لیے نہایت ہی ذلت و رسوائی کی بات تھی۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا پڑا۔ اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ گئے سے نکلے تھے۔ کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے مگر خود پس کر رہ گئے۔ جو باقی بچ گئے فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ وہ سخت ناکام ہو کر لوٹے۔ مکے والے فتح کی خوشخبری سننے کے لیے انتظار کر رہے تھے۔ کہ انہیں ذلت اور رسوائی شکست کی خبر سننا پڑی۔

غزوہ احد میں آزمائش

غزوہ بدر کے مختصر تذکرے کے بعد روئے سخن پھر غزوہ احد کی طرف ہوتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی

بھی شامل تھے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم علیہ السلام زخمی
ہو گئے۔ ایک کافر نے تلوار سے وار کیا۔ آپ کا خود کٹ گیا اور سر کے نیچے
پیشانی میں زخم آگیا۔ دائیں طرف کے نیچے چار دانتوں میں سے دوسرا دانت بھی
ٹوٹ گیا۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ خون بند نہیں ہوتا تھا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے
کہ حضرت فاطمہؓ ڈھال میں پانی لاتی تھیں اور حضرت علیؓ زخم کو دھوتے تھے۔
پھر چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں رکھی تو خون بند ہوا۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام
نے کافروں کے حق میں بددعا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا
کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی
کر دیا۔ حالانکہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے
نے بددعا کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ
اس معاملہ میں آپ کے لیے کوئی چیز (یعنی اختیار) نہیں ہے۔ یعنی آپ کو
عذاب اور حکومت میں اختیار نہیں ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق عطا کرنے یا کسی کو کفر پر
ڈٹے رہنے دے، یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے۔ آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ آپ
کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کا دامن تھامنا ہے۔ کسی کو منزل مقصود تک
پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام تو ہے وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دیں۔ کسی کی کامیابی
یا ناکامی اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ آج کل لوگوں نے غلط عقیدے
بنا رکھے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں۔ نہیں بھائی! اللہ نے
صراحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ اختیار آپ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔
اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ
آپ اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ بلکہ ہدایت دینا تو اللہ
کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو آپ اپنے مشفق مربی اور خدمت گزار
چچا ابو طالب کو دوزخ سے بچا لیتے۔ مگر اللہ نے یہ اختیار آپ کو عطا نہیں کیا۔

جزا اور سزا اللہ کے ہاتھ میں ہے

یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ یا ان کو سزا دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آگے چل کر ایمان کی دولت سے مشرف ہونے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے خلاف بددعا کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی لوگ جنہوں نے آپ کو اور اہل اسلام کو سخت اذیتیں پہنچائیں بعد میں اسلام لے آئے۔ چنانچہ ابو سفیانؓ، عکرمہؓ بن ابوجہل، خالد بن ولیدؓ، صفوانؓ بن امیہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ انہی لوگوں میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نوازا سب کو ایمان کی دولت عطا کی۔ ابو سفیانؓ اور عکرمہؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ اور صفوانؓ بن امیہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ اور اسی طرح بعض دوسرے لوگ بھی حضور علیہ السلام کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے، اور کون ہے جو دائمی سزا کا مستحق ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، وہ سزا کے مستوجب ٹھہرے۔ انہی کے متعلق فرمایا فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بددعا کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض دوسرے مواقع پر حضور علیہ السلام کی بددعا کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ ان لوگوں نے آپ پر بہت زیادتی کی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا، تو آپ رک گئے۔ کیونکہ کسی کو ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کو بددعا سے روک دیا گیا۔

فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے۔ ہر چیز پر اسی کا تصرف ہے، ہر ہر مقام پر حکم اور حکومت اللہ جل شانہٗ کی ہے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کے کام انجام دینے والے ہیں۔ آپ کو اپنے

کے ذمہ دار نہیں ہیں "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کریں بلکہ "اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ" آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ "اِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ" آپ کے ذمہ ہماری شریعت اور دین ان تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد "وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ" ان سے حساب ہم خود لیں گے۔

فرمایا چونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہے معاف فرمائے۔ توبہ کی توفیق عنایت کرے اور وہ لوگ ایمان قبول کر لیں تو ان کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر بخشش کے مستحق بن گئے۔ اور پھر جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا۔ ان کے متعلق فرمایا وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کو چاہے سزا دے۔ آپ پر اس ضمن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے بددعا نہ کریں۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ جس کو چاہے گا، توبہ کی توفیق دے کر اس کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیگا۔

درس چہل و شش ۴۶ | آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت کھاؤ سود دُگنے پر دُگنا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ (۱۳۰) اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱) اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲) اور سبقت کرو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے۔ وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے (۱۳۳) وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں، اور وہ جو غصے کو دبا تے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۳۴)

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد کا ذکر فرمایا۔ اور اس ضمن میں

اہل ایمان کی تسلی کے لیے غزوہ بدر کا تذکرہ بھی ہوا۔ کہ اُس جنگ میں اللہ نے اپنی خاص مہربانی سے اہل ایمان کے اطمینان اور بشارت کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ مگر غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہوگئی تھی لہذا اُس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر احد کی جنگ میں شریک ہونے والے مشرکین کے حق میں بددُعا کرنے سے اللہ نے منع فرما دیا۔ بدر میں کامیابی کا راز بتایا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا۔ اور صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ کامیابی عطا فرمائی۔ ان غزوات کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے درمیان میں سود کی حرمت کا حکم نازل فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ سود اور انفاق فی سبیل اللہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ اوّل الذکر سے اخلاق بگڑتا ہے اور ثانی الذکر سے اخلاق میں عمدگی آتی ہے۔ لہٰذا دونوں چیزوں کو اکٹھا بیان فرما کر ترہیب و ترغیب کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

حرمت سود

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً مت کھاؤ سود دُگنے پر دگنا۔ یہاں پر لَا تَاْكُلُوْا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی کھانا ہے۔ تو کیا سود کھانا ہی حرام ہے اور اس کا لینا دینا جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ چونکہ کھانا ایک اہم چیز ہے اس لیے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ورنہ مراد لینا دینا ہی ہے۔ جس طرح کسی چیز کا کھانا حرام ہے اُسی طرح اُس کا پہننا بھی حرام ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سود کی رقم سے خریدکر دہ غلہ تو حرام ہوگا اسی رقم سے لیا گیا کپڑا حلال ہو۔ سود خواہ کسی بھی شکل و صورت میں ہو، حرام ہی ہوگا۔ لہذا لَا تَاْكُلُوْا سے مراد صرف کھانا ہی حرام نہیں ہوگا بلکہ سود کا استعمال ہر صورت میں حرام ہوگا۔

دوسری خاص چیز جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ وہ دُگنے کی قید ہے۔ کہ دگنے پر دگنا سود نہ کھاؤ۔ یہ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً اس لیے فرمایا کہ عربوں میں بھی ڈبل سود یعنی سود مرکب یا سود در سود کا رواج موجود تھا اور یہ سود کی بدترین صورت ہے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ سنگل سود یا سود مفرد بھی اُسی طرح حرام ہے جس طرح سود مرکب۔ سود کا ذکر سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام خواہ وہ سود مفرد
ہو یا مرکب۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقی سود وہ ہوتا ہے۔ جو
ادھار دی گئی رقم پر حاصل کیا جائے۔ یہ سود خواہ نقدی کی صورت میں ہو یا سونا چاندی
یا اجناس کی شکل میں وصول کیا جائے بہر حال حرام ہے۔ حدیث شریف میں
آتا ہے۔ کہ ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے میں زیادتی یا ادھار کے ساتھ
بیع کرنا حرام ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سود مرکب کیسے ہوتا ہے۔ تو اس کی
صورت آج بھی ویسی ہی ہے جیسے اس زمانے میں تھی جس کا تذکرہ قرآن پاک
نے کیا ہے۔ کوئی رقم کسی خاص مدت کے لیے سود پر لی جاتی ہے۔ مقررہ مدت
میں اگر اصل رقم مع سود واپس نہ کی جا سکے تو سود کو اصل زر میں شامل کر کے کل
رقم کو اصل شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر اس رقم پر سود کی مقررہ شرح عاید کر دی جاتی
ہے۔ سود کی شرح عام طور پر سالانہ ہوتی ہے۔ ہر سال اصل رقم پر سود کا حساب
کر کے اُسے اصل زر میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس طرح کچھ عرصہ بعد قرض کی
اصل رقم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتی ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ اے ایمان والو!
دگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈر جاؤ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

جذبہ انتقام

غزوہ احد میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو بھی جسمانی تکلیف پہنچی۔ سر مبارک زخمی ہوا، دانت مبارک شہید ہوا، ستر صحابہؓ شہید
ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے درمیان سود کے تذکرہ کے
متعلق مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاد حضرت مولانا
شیخ الہندؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! غزوہ احد کے واقعہ کے درمیان
حرمت سود کی آیت کا کیا محل ہے۔ تو فرمایا بعض اوقات ربط آیات کو سمجھنے
کے لیے بڑے تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ غزوہ احد
میں جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو ان کے دل میں جذبہ انتقام بھڑک اٹھا چنانچہ

بعض روایات میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے عہد کیا کہ اگر آئندہ ہم کفار پر غالب آئے تو ان سے دوہرا انتقام لیں گے۔ کافروں نے ہمارے شہداء کے ساتھ بڑی تذلیل کا کام کیا ہے۔ ان کے چہرے مسخ کیے، لہٰذا ہم بھی ان سے سخت انتقام لیں گے۔ تو مولانا فرماتے ہیں، کہ اسی جذبہ انتقام کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت سود کو غزوہ احد کے واقعہ میں لائے ہیں۔ جس طرح سود انسان کا اخلاق بگاڑتا ہے اسی طرح جذبہ انتقام بھی بداخلاقی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں کیونکہ سود اور انتقام ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے سبب اصل مقصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے اسی آج کے درس میں آگے انفاق فی سبیل اللہ کی آیت بھی آرہی ہے۔

سودخوری اور انفاق دو متضاد چیزیں ہیں۔ سودخوری سے انسانی اخلاق فاسد ہوتا ہے اور انفاق فی سبیل اخلاق عالیہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس قوم میں زنا اور سودخوری جیسی بیماریاں پیدا ہو جائیں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہوگا۔ کیونکہ یہ اخلاقی بیماریاں خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

ڈرانے والی آیات

سودخوری سے ممانعت کے بعد فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ اس آگ سے ڈر جاؤ، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ بالذات کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، مگر اس آیت میں ایمان والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آگ سے بچ جائیں۔ اسی ضمن میں تفسیر مدارک والے لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہ ہے جس میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اہل ایمان بھی کافروں والے کام کریں گے، کفر، شرک، بدعت اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں سکیں گے۔

کامیابی کا راز

آگے اہل ایمان کو دوزخ سے بچنے اور کامیابی حاصل کرنے کا راز بتایا جا رہا ہے
وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو لَعَلَّکُمْ
تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی
کامیابی کی کنجی ہے۔ غزوۂ احد میں اسی چیز کی کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں
کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ نے پچاس آدمیوں کے ایک دستہ کو
پہاڑ کی چوٹی پر مقرر فرمایا تھا۔ اور واضح حکم دیا تھا کہ خواہ فتح ہو یا شکست تمہیں
ہر صورت میں اس محاذ پر قائم رہنا ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ میں
مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ تو وہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ اللہ
اور اس کے رسول کی اطاعت میں یہی کوتاہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو
عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ لہٰذا اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا
بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہمیشہ مقدم رکھنا یہی کامیابی کا راز ہے اور
اسی کی بدولت تم پر رحم کیا جائے گا۔

نیکی میں سبقت

نیز فرمایا وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اور سبقت کرو اور دوڑو
اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول
کا اتباع کرو گے، ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے، صبر کا دامن تھامے رکھو گے
تو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے بخشش کی بشارت ہے۔ اور پھر
بخشش کا نتیجہ ہوگا وَجَنَّۃٍ کہ تمہیں جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل جائے گا۔
اور وہ جنت ایسی ہوگی جسے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے باغ پر بھی قیاس
نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ وہ اتنی وسیع ہے کہ اس کا عرض یعنی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کے
برابر ہوگا۔ یہاں پر آسمان و زمین کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ انسانی ذہن میں
زمین و آسمان سے وسیع کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا انہی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔
ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جنت آسمانوں اور زمین سے

کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اس کے نیچے سے لے کر اُوپر تک آٹھ طبقات ہیں اور سب سے بالائی طبقے کا نام جنت الفردوس ہے اس میں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی ایسی نعمتیں جو اس وقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتیں۔ اور یہ سب کچھ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ان متقیوں کے لیے ہے۔ جو اللہ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اپنے اندر وہ صفات پیدا کرو، جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ تم جنت کے حقدار بن سکو۔

نیکی میں سبقت کرنے کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ سَابِقُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا یعنی سات چیزیں پیش آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال انجام دے لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔ وہ سات چیزیں کونسی ہیں۔ فرمایا مَا يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ اِلَّا غِنًى مُّطْغِيًا ایسی دولت مندی آجائے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔ عام طور پہ دیکھا گیا ہے۔ کہ لوگ ناداری کی حالت میں دین دار ہوتے ہیں جب مال آجاتا ہے۔ تو بغاوت پہ اتر آتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ایسی دولت مندی آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کر لو۔ فرمایا اَوْ فَقْرًا مُّنْسِيًا یا ایسا فقر لاحق ہو جائے جو سب کچھ فراموش کرا دے، ناداری کی حالت میں بعض اوقات انسان متفکر اور مغموم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیکی کے کام بھول جاتے ہیں۔ ایسی حالت وارد ہونے سے پہلے نیکی میں سبقت حاصل کر لو۔ تیسری چیز فرمایا اَوْ مَرَضًا مُّفْسِدًا یا ایسی بیماری آجائے جو انسان کو فساد میں ڈال دے۔ بیماری میں بھی انسان نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔ چوتھی چیز فرمایا اَوْ هَرَمًا مُّفَنِّدًا یا ایسا بڑھاپا آجائے جو انسان کو عقل و فہم سے عاری کر دے۔ اسی لیے بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جو انسان کے قویٰ کو کمزور کر دیتا ہے پانچویں چیز فرمایا اَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا یا موت ہی آکر انسان کا فیصلہ کر دے۔ پھر تو اعمال کی دنیا ختم ہو گئی۔ اب مزید نیکی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ چھٹی چیز فرمایا اَوِ الدَّجَّالَ یا دجال وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُّنْتَظَرُ اور دجال

تو بڑی بری چیز ہے جس کا انتظار کیا جارہا ہے۔ دجال کا ظہور ہوگا، تو بڑے فتنے برپا ہوں گے۔ لہٰذا اس کے ظہور سے پہلے نیکی کرلو۔ اور ساتویں چیز فرمایا اَوِ السَّاعَةُ یا پھر قیامت برپا ہوجائے۔ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ اور قیامت تو بڑی کڑوی اور تلخ ہے۔ اس کے بعد تو ہر چیز فنا ہوجائے گی۔ اور پھر حساب کتاب شروع ہوجائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان سات چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیکی میں سبقت کرلو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے متقین کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا ان کی پہلی صفت یہ ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وہ خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ یہی چیز ہے جو سود کی جڑ کو کاٹتی ہے۔ ایک طرف سود خور کسی غریب کی غربت سے فائدہ اٹھا کر قرضے پر سود در سود وصول کرتا ہے، اور دوسری طرف اہل ایمان ہیں کہ وہ لیے غربا و مساکین پر ہمیشہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود خواہ آسائش میں ہوں یا تکلیف میں مبتلا ہوں، ان کی طرف سے انفاق فی سبیل اللہ جاری رہتا ہے اور یہی وہ عالی اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سبب ہے۔

متقین کی صفات

متقین کی دوسری صفت ہے وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وہ غصے پر قابو پانے والے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ بعض اوقات انسان غصے کی حالت میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ اور وہ کچھ کر بیٹھتا ہے۔ جس پر بعد میں ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ غصے کی حالت میں جوش انتقام میں مبتلا ہونے کی بجائے، اس پر قابو پالینا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے متقین کی صفات میں شمار کیا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں آتا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ" ایمان والے وہ ہیں کہ دیگر صفات کے علاوہ ان میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب ان پر سرکشی کی جاتی ہے۔ تو وہ انتقام پر آمادہ ہوجاتے ہیں وہ تو انتقام کی بات ہے۔ اور یہاں غصے پر

نا لپسند نے کی بات ہو رہی ہے کہ اہل ایمان غصے کو پی جاتے ہیں یہاں پر دو باتیں متعارض معلوم ہوتی ہیں یعنی ایک طرف تو مومن انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف غصے کو دبا لیتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انتقام لینے والی بات کافروں اور نافرمانوں کے بارہ میں ہے۔ جب وہ کوئی غلط کام کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں بھی آچکا ہے اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔ جب کہ مومنوں کے لیے نرم دل ہیں۔ مفسرین ایک دوسری توجیہہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظلم اور زیادتی پر ڈٹا ہوا ہے۔ اس کو معافی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاف کرنے سے مزید خرابی پیدا ہوگی۔ البتہ جو شخص تائب ہو جائے اس سے انتقام لینا جائز نہیں ہے۔

فرمایا متقین کی تیسری صفت یہ ہے۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ مفسرین کرام نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت امام حسینؓ کے فرزند امام زین العابدینؒ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ وضو فرما رہے تھے۔ لونڈی پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے لوٹے کا پانی آپ پر گر پڑا۔ آپ کے کپڑے بھیگ گئے۔ لونڈی کی غلطی تھی۔ جب اس نے آپ کو غصے کی حالت میں دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ یہ سن کر آپ غصے کو پی گئے اور فرمایا میں تم سے کوئی انتقام نہیں لوں گا۔ لونڈی صاحب علم تھی۔ کہنے لگی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غصے کو دبا دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ لونڈی نے مزید جرأت کر کے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھ دیا۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا جا تو آزاد ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے کہ لونڈی نے غلطی

کی مگر آپ نے اس کے ساتھ انتہائی درجے کی نیکی کی۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے۔
کہ اپنے ایسی صفات پیدا کریں جن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس
کے برخلاف سود کی لعنت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جو انتہائی درجے کی بداخلاقی
کا سبب ہے۔

درس چہل و ہشت ۴۸

آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے۔ اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور وہ اصرار نہیں کرتے اس پر جو انہوں نے کیا۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ یہی لوگ ہیں کہ اُن کا بدلہ یہ ہے۔ کہ اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی اور باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہونگی۔ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۱۳۶﴾ تحقیق گزر چکے ہیں تم سے پہلے واقعات، پس چلو پھرو زمین میں، دیکھو کیسے ہوا جھٹلانے والوں کا انجام ﴿۱۳۷﴾ یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾

اس سے پیشتر سود خوری کی ممانعت کا تذکرہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے
دوزخ سے بچاؤ کا ذکر کیا۔ اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تاکہ لوگوں پہ رحم کیا جائے
پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت، مغفرت اور بخشش طلب کرنے میں سبقت حاصل
کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہشت جن متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان کے اوصاف
کو بیان فرمایا یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے
خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں، غصے کو
دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ
نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔ اب ان آیات میں دوسرے درجے کے لوگوں
کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ان کے لیے بھی فلاح ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو برائی کرنے
کے بعد اس پہ نادم ہوتے ہیں آئندہ اس پہ اصرار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے
لوگوں کو بھی معاف فرما دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اور وہ لوگ
جو کوئی فحش بات کر گزرتے ہیں اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یا انہوں نے اپنی
جانوں پہ ظلم کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فحش بات سے مراد کبیرہ گناہ ہے
اور جانوں پہ ظلم کرنے سے مراد صغیرہ گناہ ہے۔ مقصد یہ کہ جن لوگوں نے
خواہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو یا صغیرہ گناہ کا۔ کبیرہ گناہ کی مثال زنا چوری وغیرہ
ہے اور صغیرہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، یا اس کو ہاتھ لگا دینا۔ واقعات میں آتا
ہے کہ ایک شخص نے غیر عورت کا بوسہ لے لیا۔ یہ بھی صغیرہ گناہ میں شامل
ہے۔ غرض ارتکاب گناہ کے بعد ذَكَرُوا اللّٰهَ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یاد
کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اس کی وعید سے ڈر جانا، اور اس کے
جلال اور عظمت کو یاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ارتکاب پہ سخت وعید
فرمائی ہے۔ اس سے ڈر کر وہ اپنے کیے پہ نادم ہو جاتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوْا
لِذُنُوْبِهِمْ وہ بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کے لیے۔ اور یہ اچھی

صفت ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے كُلُّكُمْ خَطَّاؤُونَ تم میں سے ہر شخص خطاکار اور گنہگار ہے کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو سرزد ہوتا ہی رہتا ہے مگر فرمایا خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ بہترین خطاکار وہ ہیں جو خطا کے بعد توبہ کر لیتے ہیں توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اچھے انسان کی یہی صفت ہے کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔ اسی میں انسان کی کامیابی ہے۔

استغفار کی برکات

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان کا قول ہے۔ اَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ میں نے لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے تباہ کر دیا ہے۔ میں اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہوں جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوتے ہیں۔ وَاَهْلَكُوْنِيْ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَبِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مجھے لوگوں نے تباہ کر دیا استغفار کرنے سے اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے۔ یعنی جب لوگ استغفار کرتے ہیں اور افضل ترین ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں تو میرا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں انہیں گناہوں کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں مگر وہ مذکورہ دو اوصاف کی وجہ سے بچ جاتے ہیں جس کی وجہ سے میں تباہ اور ناکام ہو جاتا ہوں۔

فرمایا وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ وہی مالک و مختار ہے۔ اُس کی حکمت و قدرت میں کسی کو دخل نہیں۔ انسان گناہ کرتے ہیں مگر وہ بھی غفور الرحیم ہے۔ معاف کرنے کے لیے اُسے ایک بہانہ چاہیے وہ قادر مطلق ہے اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اتنے بڑے پاپی کو کیوں معاف کر دیا ہے۔

لہ ابن ماجہ صفحہ ۳۱۳ (فیاض)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسے گناہگاروں کو استغفار کرنے پر اس لیے معاف
فرما دیتا ہے وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا کہ وہ غلطی کر کے اس پر اصرار
نہیں کرتے گناہ کر کے سچے دل سے معافی مانگ لی، پھر اس گناہ کے قریب
نہیں جاتے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں لا کبیرۃ بالاستغفار اگر انسان معافی
مانگ لے تو پھر کبیرہ گناہ بھی کچھ نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ولا صغیرۃ
مع الاصرار اور اگر گناہ پر اصرار کرے گا، تو پھر صغیرہ گناہ بھی پہاڑ بن جائے گا۔ لہذا
گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اصلاح کے لیے آمادہ رہنا چاہیئے۔
اور ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ استغفار کی مثال صابن کی ہے
جس طرح صابن کپڑوں کی میل کچیل دور کر دیتا ہے، اسی طرح استغفار
دلوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ استغفار کو لازم پکڑو۔ گناہ پر اصرار کرنے سے انسان ضدی اور معاند بن
جاتا ہے۔ اس میں اصلاح کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں کدورت اور تاریکی
پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں زنگ لگ جاتا ہے، اور جب وہ اصرار کی وجہ سے
پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کا اترنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا غلطی پر اصرار نہیں کرنا
چاہیئے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی ہیں یعنی نیکی اور برائی میں تمیز کرنا
کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہر انسان اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے باوجود اگر
غلطی پر اصرار کرتا ہے تو اس کے لیے تباہی ہے۔ اور جو لوگ گناہ پر اصرار نہیں کرتے
بلکہ معافی مانگ کر پاک صاف ہو جاتے ہیں۔ فرمایا أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم
مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ۔ ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ان کے لیے ان
کے رب کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے۔ انہیں نجات کا پروانہ حاصل
ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ان کیلئے وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،
یہ باغات رہائش کے لیے نہایت قرینے سے سجائے گئے ہوں گے۔

ان میں ہر قسم کی آسائش اور پھلوں کی فراوانی ہوگی۔ کامیاب لوگوں کا ٹھکانا وہاں عارضی نہیں ہوگا بلکہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، نہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور فرمایا کہ قانون خداوندی یہی ہے۔ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے یہ خوب اجر ہے۔

عمل بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد فلاح کا دارو مدار عمل پر ہے۔ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کو مرتبہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا۔ لہذا نیک اعمال کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے معزز اور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے۔ یہ اُن کی دائمی زندگی ہوگی اور اسکی نعمتیں بھی دائمی ہونگی۔

نشانات عبرت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ لوگوں کے جستہ جستہ واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔ اسی لیے فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے بھی واقعات گزر چکے ہیں۔ ان میں اہل ایمان اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔ اور نافرمانوں کو ملنے والی سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ زمین میں چلو پھرو۔ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات کے عملی نشانات تمہیں جگہ جگہ ملیں گے آپ کو پتہ چلے گا کہ نافرمانوں کا کیا حشر ہوا، کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے آگھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ سب نشانات عبرت ہیں جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔ لہذا عبرت کے لیے سفر اختیار کرنا اچھی بات کی علامت ہے۔

پرانے نشانات کے تحفظ کو آج بھی بعض صورتیں موجود ہیں مگر اُن سے

مقصود عبرت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض استعجاب ہے جو کہ پسندیدہ چیز نہیں۔ انگریزوں نے آثار قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے مگر کس مقصد کے لیے؟ محض یہ جاننے کے لیے کہ کس زمانے میں کونسا طرز زندگی پایا جاتا تھا۔ پرانے زمانے کی عمارات، اوزار، برتن، سکے وغیرہ اُس زمانے کی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے نام پر محفوظ کیے جاتے ہیں، پرانی مورتیوں اور مجسموں کو بحفاظت رکھا گیا ہے۔ اس سے انسانیت کی کیا خدمت ہوتی ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جاتی، اُن کے اذہان و قلوب کو زندہ کیا جاتا، مگر ایسا تو مقصود ہی نہیں ہے۔ سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے بیشمار دولت صرف کی جا رہی ہے مگر انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے اس کا عشر عشیر بھی خرچ نہیں کیا جاتا۔ سائنس نے جہاں بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں وہاں بہت سی تباہی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں۔ ایک طرف آسمانوں تک پرواز کی جا رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کی تباہی کے لیے جدید ترین ہتھیار بھی ایجاد کیے جا رہے ہیں۔

بہرحال زمین میں عبرت کے لیے سفر کرنا چاہیئے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اور اگر ہم بھی اُن کے نقش قدم پر چلیں گے، تو ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ یہ عام لوگوں کے لیے بیان، وضاحت یا سٹیٹمنٹ (STATEMENT) ہے۔ اُن کو قانون قدرت بتلایا گیا ہے۔ کہ فلاح و تقویٰ کا راستہ یہ ہے، اور تخریب کا راستہ وہ ہے۔ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ اللہ کی یہ آیات متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت کا ذریعہ ہیں۔ اور متقین وہ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور جلال ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ حدود و شرائع کی حفاظت کرتے ہیں، قرآن پاک سے یہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

درس چہل و ہشت ۴۸ آیت ۱۳۹ تا ۱۴۳

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۱۳۹) إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (۱۴۰) وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ (۱۴۱) أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (۱۴۲) وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ (۱۴۳)

ترجمہ: اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی بلند رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو (۱۳۹)
اگر پہنچا ہے تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان لوگوں کو بھی زخم اس جیسا۔ اور یہ زمانے
کے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالےٰ
ممتاز کر دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنا لے تم میں سے شہید۔ اور اللہ
ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا (۱۴۰) اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کر دے
ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور مٹا دے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو (۱۴۱)
کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور ابھی تک اللہ نے
ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔ اور ظاہر نہیں کیا ان

لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا (۱۴۲) اور البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اس سے ملتے۔ پس بیشک تم نے دیکھ لیا اس کو۔ اور تم آنکھوں کے سامنے اس کو تک رہے ہو (۱۴۳)

ربطِ آیات

غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں میں جو کمزوری واقع ہوگئی تھی اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نازل فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سود خوری سے منع فرمایا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ غصے کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی۔ ہر خوشی اور تکلیف میں راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور پھر اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تائب ہونے کا طریقہ بتلایا۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید کو یاد کر کے اس سے بخشش طلب کرے، گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ایسی برائی سے رک جائے، اس پر اصرار نہ کرے۔ جو کوئی ان احکام پر عمل پیرا ہو گا اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش نصیب ہو گی اور اللہ کی ہر نعمت اس کے شامل حال ہو گی۔

مسلمانوں کی حوصلہ افزائی

آج کی آیات میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ کہ اگر کسی وقت کوئی کمزوری واقع ہو جائے، کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو انسان کو دل نہیں ہار دینا چاہیئے، کہ جہاد سے ہی منہ موڑ لے۔ بلکہ اُسے نئے ولولے اور نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد کی تیاری کرنی چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا اور سست نہ ہو جاؤ۔ عربی زبان میں وھن سستی اور کمزوری کو کہا جاتا ہے۔ اور دین کے معاملہ میں یعنی جہاد کرنے یا کسی دوسری نیکی کرنے کے سلسلے میں وہن کو اختیار کرنا اچھی صفت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وہن کی مذمت آئی ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے اندر وہن پیدا ہو جائے گا، تو تمہاری حالت تنزل اور پستی میں چلی جائے گی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا حضور! وھن کیا چیز ہے۔ فرمایا حب الدنیا وکراھیۃ الموت یعنی جب لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے کراہت پیدا

ہو جائے گی، تو تم نہایت پستی میں چلے جاؤ گے۔ مقصد یہ کہ وہن کو اختیار نہ کرو دین کے معاملہ میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

فرمایا وَلَا تَحْزَنُوْا اور جو نقصان ہو چکا ہے۔ اُس پر غمگین نہ ہو۔ جو زخم غزوہ احد میں لگ چکا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے ہیں۔ خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پہ غمگین نہ ہو اور نہ سستی دکھاؤ۔ یہ درست ہے کہ اس موقع پہ بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس وقتی شکست میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری بالآخر کامیابی پہ منتج ہوں گی۔ لہذا یاد رکھو! وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان پہ قائم رہے تو دشمن کے مقابلے میں تم ہی بلند رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ وعدہ ہے۔ کہ ایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو اور وہ تمہیں دشمن پہ غالب کر دیگا۔

اصول کے طور پہ یہ بات سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اہل اسلام کو جب کبھی کوئی پریشانی لاحق ہو جائے، تو انہیں فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ایمان کے تقاضے میں کہاں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ لازماً کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی۔ قادسیہ کی جنگ کے سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ دوران جنگ جب بعض مورچوں پہ مسلمانوں کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے مجاہدین کو جمع فرمایا اور کہا، اے لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ کمزوری کسی گناہ کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ضرور ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ جس کی ہمیں تلافی کرنی چاہیئے۔ آؤ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین دن رات تک متواتر جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے فتح عظیم عطا فرمائی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ایمان پہ قائم رہے۔ تو تم ہی غالب رہو گے۔

حالات میں تغیر و تبدل

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

قَرْحٌ اگر تمہیں غزوۂ احد میں زخم پہنچا ہے۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت ستر صحابہ کرامؓ
شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔ تو یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں جو صرف
تمہیں پہنچی ہے۔ اس قسم کا زخم کافروں کو تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔ فَقَدْ
مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ جنگ بدر میں ان کے بھی ستر سرکردہ آدمی مارے
گئے تھے اور ستر ہی قیدی بنے۔ پھر ان کو فدیہ دینا پڑا اور بڑی ذلت اٹھانا
پڑی۔ یاد رکھو! انسان کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت
اور مصلحت کے مطابق حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بخاری شریف
میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیانؓ
سے پوچھا کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان معاملات کیسے رہتے ہیں۔ ان کے
ساتھ کبھی جنگ بھی ہوئی ہے۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ تو ابوسفیانؓ نے
جواب دیا الحرب سجال بیننا و بینہم یعنی ہمارے اور ان کے
درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کی مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول کنویں
میں ڈال کر پانی نکال لیا اور کبھی کسی نے۔ یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی ہم غالب
آجاتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب آتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کا معاملہ
ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست
مگر بالآخر اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ اے مسلمانو! احد کی عارضی شکست سے گھبراؤ نہیں۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا
بَيْنَ النَّاسِ یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔
ہمیشہ ایک سی حالت نہیں رہتی کہ ہمیشہ فتح ہو یا ہمیشہ شکست ہو۔ بلکہ یہ دونوں
چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر اب تکلیف پہنچی ہے۔ تو اس کا اچھا بدلہ ملے گا

آزمائش اور اسکی حکمت

تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔
امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہاں پر لِيَعْلَمَ سے مراد

محض جاننا نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم تو ازلی ابدی ہے۔ اس مقام پر یہ لفظ علم ظہور کا معنیٰ دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں اور حق کے راستے کو ترک نہیں کرتے۔

غزوہ احد کی وقتی شکست کی دوسری حکمت یہ ہے وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ اور تاکہ تم میں شہید بنائے جو لوگ بوجہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کی انتہائی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ حق میں جہاد کی سعادت نصیب کرے اور وہ بھی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے مرتبہ شہادت پہ فائز ہوں۔ چنانچہ اُن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی سراسر نفع کا سودا تھا۔ فرمایا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبوب خدا بننے کے لیے ایمان اور نیکی کی ضرورت ہے۔ شرک اور کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں کبھی محبوب نہیں بن سکتے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اگر کسی وقت اہل اسلام کو شکست ہو جائے، اُن پر غیر مسلم غالب آ جائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا۔ کہ مسلمان اللہ کی نگاہ میں گر گئے ہیں۔ اور کافر محبوب بن گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ انسانیت کے تقاضے کے مطابق کمی بیشی ہو سکتی ہے مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کا دشمن کافر اور مشرک اس کا محبوب ہرگز نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر اس دنیا میں کافر خوشحال ہو سکتا ہے اُسے کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے اُسے استدراج کہتے ہیں۔ مگر آخرت میں کافر اُلٹا پکڑا جائے گا۔ اور اُسے کفر کا بدلہ چکانا ہوگا۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ محبت کے لائق اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اُس پر ایمان لائے۔ اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔

مومنوں کا تزکیۂ نفس

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی وقتی آزمائش کی تیسری حکمت یہ بیان فرمائی

ہے۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پاک کرے
ان کا تزکیہ نفس کرے۔ اصل پاکی تو روح اور جان کی پاکی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ
اس کو نسمہ کہتے ہیں۔ شاہ اسماعیل نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب عبقات میں لکھا ہے
کہ انسان کے نسمے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ عبادت، ریاضت، ذکر و اذکار
اسی مقصد کے لیے کیے جاتے۔ خصوصاً عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور
حج وغیرہ نسمہ کی پاکیزگی کا سبب بنتے ہیں۔ جہاد ایک اتنا بڑا عمل ہے جس
کے ذریعے انسان اپنے جسم و جان تک کو راہِ خدا میں لگا دیتا ہے۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں، کہ جہاد میں مومن کو لگنے والی ایک ٹھوکر یا اس کے جسم پر آنے والی
ایک ضرب اس کے نسمہ کو پاک کر کے اسے حظیرۃ القدس کا اہل بنا دیتی ہے
دشمن کی تلوار کا ایک وار حقوق العباد کے سوا اس کے تمام گناہوں کی معافی کا
ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچنے پر بھی اس کے بدلے
بہت سی فائدے کی چیزیں ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ کہ برصغیر میں مسلمانوں پر جب زوال
آیا، تو وہ دل برداشتہ نہیں ہوئے، بلکہ انگریز جیسی جابر طاقت کے سامنے
ڈٹ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے تنگ کیا، وہ طرح طرح کی
آزمائشوں میں مبتلا ہوئے۔ مگر دین کا دامن تھامے رہے۔ اور ایمان کی حقانیت
پر حرف نہیں آنے دیا۔ یہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے انسان کا نسمہ پاک ہوتا
ہے۔ اور وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر اس کے فیضان سے مستفید ہوتا ہے۔

فرمایا کفر و اسلام کے درمیان جنگ و جدال کا ایک مقصد تو مومنوں کا تزکیہ ہے
اور دوسرا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ اس کے ذریعے وہ کافروں کو مٹاتا ہے۔
کفر و اسلام کی بڑی جنگیں ہوئیں۔ کبھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کبھی کفار کا پلہ بھاری رہا۔
مگر حتمی نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ایسا مٹایا کہ پورے عرب کو کافروں سے
پاک کر دیا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مرا کز اسلام بن گئے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پہ چڑھائی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ مکے والے دیگر ممالک پر چڑھائی کریں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آدھی دنیا پہ اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعے کفر کو ملیامیٹ کر دیا۔

جہاد اور صبر

اہل ایمان کی کامیابی کے لیے جہاد اور صبر بہترین ہتھیار ہیں۔ جب تک انسان میں جذبہ قربانی پیدا نہ ہو اس کے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور پھر اگر تکلیف پہنچنے پہ صبر کا دامن چھوٹ جائے تو یہ بھی اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی اہمیت تنبیہ کے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اے اہل اسلام! اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کیا تم گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا۔ جان کی بازی لگانے والوں کا پتہ تو جب چلے گا، جب جہاد کا موقع آئے گا۔ جہاد کرنے والے لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب وہ دشمن کے مقابلے میں آئیں گے۔ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے جنت کا ٹکٹ نہیں مل جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ جہاد کا موقع فراہم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ وہ کون لوگ ہیں جو جان کی بازی بھی لگا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ یعنی ہم تمہیں مختلف الانواع آزمائشوں میں ڈال کر دیکھیں گے کہ تم میں سے کون ہیں جو ان آزمائشوں پہ پورا اترتے ہیں۔ خوف اور بھوک برداشت کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مال و جان کی قربانی بھی دینا ہو گا۔

فرمایا پہلی آزمائش تو یہ ہو گی۔ کہ جہاد کے لیے کون تلوار لے کر میدان میں اترتا ہے۔ اور پھر جب میدان جنگ میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ بھی دیکھنا ہے وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ کہ صبر کون کرتا ہے۔ تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ اسی لیے فرمایا۔ کہ تمہیں جنت میں داخل ہونے

موت کی تمنا

نہیں مل جائے گا۔ ابھی تو ہم نے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ظاہر ہی نہیں کیا۔
آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ تم موت آنے سے پہلے اس کی
تمنا کیا کرتے تھے۔ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے
جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکر لینے کے لیے بیتاب
رہتے تھے۔ اور خواہش کرتے تھے کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت
جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور
علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ حضور! ہم
دینِ حق کی خدمت کرتے رہیں گے وَلَمْ نَفِرَّ اور بھاگیں گے نہیں یہاں
تک کہ ہمیں موت آجائے۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول سے جو وعدہ کیا تھا،
اُسے نبھا کر دکھایا۔ انہوں نے جہاد کے میدانوں میں وہ معرکے دکھائے جو ہمیشہ
یادگار رہیں گے۔ اُن کی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر تھا، کہ انہوں نے
موت کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیرؓ معرکہ مصر میں شریک تھے۔ جب
قلعہ کا محاصرہ طول پکڑ گیا۔ تو فرمایا: اے لوگو! آؤ سب سے پہلے میں اپنی جان کا نذرانہ
پیش کرتا ہوں۔ مجھے ٹوکری میں ڈال کر رسی کے ذریعے قلعہ کے اندر اتار
دو۔ جب اندر پہنچ کر میں نعرۂ تکبیر بلند کروں، تو تم بھی باہر سے جواب دینا۔ اللہ کو منظور
ہوا تو ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا حضرت زبیرؓ کو اندر اتار دیا گیا۔ کچھ
اور لوگ بھی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے قلعہ میں داخل ہو کر تلوار چلانی شروع کر دی اور اندر
سے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی معرکے کا رن پڑا اور قلعہ فتح
ہو گیا۔ یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے ذریعے مسلمانوں نے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔
حضرت زبیرؓ یرموک کی لڑائی میں دشمن کی دو لاکھ کی تعداد کی فوج میں اکیلے
گھس گئے تھے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک
چلے گئے۔ بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے

خالی نہیں تھا۔ کندھے پر اتنا بڑا زخم کا نشان تھا کہ اس کا گڑھا بن گیا تھا جس میں بچے ہاتھ ڈال کر کھیلتے رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ تم جہاد اور شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ تو اب یہ موقع تمہیں فراہم کیا جا رہا ہے فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ جسے تم نے دیکھ لیا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم اپنی آنکھوں کے سامنے تک رہے ہو۔ لہٰذا اب جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو سینے سے لگا لو۔ آخر کار کامیابی تمہاری ہی ہو گی۔

درس چہل و نہم ۴۹ — آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ تحقیق گزر چکے ہیں اُن سے پہلے بھی رسول۔ کیا پس اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص پلٹے گا اپنی ایڑیوں پر، پس ہرگز وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے (۱۴۴) اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ایک مقرر کیا ہوا نوشتہ ہے۔ اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے، ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں اس میں سے۔ اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے، ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں۔ اور ہم شکر ادا کرنے والوں کا بدلہ دیں گے (۱۴۵)

ربط آیات

سلسلہ کلام غزوہ احد کے متعلق ہی چل رہا ہے۔ اس سے پہلے ارشاد ہو چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں سستی نہ دکھاؤ۔ اور کوئی تکلیف پہنچنے پر غمگین بھی نہ ہو۔ اگر تم ایمان کے تقاضوں پر پورا اترو گے تو غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا۔ تمہیں تکلیف پہنچنے پر رنجیدہ خاطر ہونا، تو اس قسم کی تکلیف تو دشمنوں کو بھی پہنچ

چکی ہے۔ فرمایا کہ ہم زمانے کے دنوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ کبھی کسی گروہ کا پلہ بھاری ہوتا ہے، کبھی کسی کا۔ اللہ تعالیٰ نے اذیت پہنچنے میں کبھی حکمت رکھی ہے۔ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔ اور بعض کو شہادت کے درجے پر فائز کرنا چاہتا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس میں کافروں کو بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ان سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مصلحت ہے کہ آزمائش میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو، اُن کی جانوں اور نفسوں کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ اور کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ ایسی آزمائشوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ جہاد اور صبر کرنے والے لوگوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تم دشمن کے ساتھ ٹکر لینے کے لیے بیتاب تھے۔ اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے۔ تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ثابت قدمی سے مقابلے پر آؤ۔

سانحۂ احد

آج کی اس آیت میں بھی اُس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو غزوۂ احد میں پیش آیا۔ جنگ کی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو پہاڑ کے درّے پر مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم نے اس درے کو نہیں چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ دشمن بھاگ نکلا۔ اس دوران کچھ مجاہدین نے کفار کا تعاقب کیا۔ اور بعض دوسرے مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ اس موقع پر درّے پر مامور تیراندازوں نے غلطی کی۔ حضور علیہ السلام کے حکم کے برخلاف ان کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اُتر کر مال غنیمت پر متوجہ ہو گئی۔ صرف دس آدمی مقررہ مقام پر باقی رہ گئے۔ اُس وقت دشمن کی کمان خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل اُس درے کو خالی پایا تو گھڑسواروں کی جماعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ بھاگ جانے والے مشرکین نے جب دیکھا کہ اُن کی فوج مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بھی پلٹ آئے۔ اور اس طرح اہل اسلام کفار کے دو لشکروں کے درمیان

آ گئے ۔ درے پر موجود دس آدمی پہلے ہی شہید ہو چکے تھے ۔ بہت سے دوسرے
مسلمان بھی شہید ہوئے ۔ عتبہ بن ابی وقاص نے حضور علیہ السلام پر پتھر پھینکا جس
سے خود میں لگی ہوئی دو کڑیاں حضور علیہ السلام کے رخسار مبارک میں دھنس گئیں ۔ آپ
شدید زخمی ہوئے ۔ ابن قمیہ نے نبی علیہ السلام پر حملہ کیا جس سے آپ کے دانت
مبارک شہید ہو گئے ۔ آپ کے جسم اطہر سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا ۔ حضرت
مصعب بن عمیرؓ حضور کا دفاع کر رہے تھے ۔ پرچم اسلام بھی اُن کے ہاتھ میں تھا
انہوں نے بھی اپنی جان حضور پر قربان کر دی ۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ اُس نے
خود حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے ۔

یہ سُن کر مسلمانوں میں بد دلی پھیل گئی ۔ بہت سے ہمت ہار بیٹھے ۔ بعض نے
تجویز کیا کہ عبداللہ بن ابی کو کہہ کر ابو سفیان سے امان حاصل کر لینی چاہیئے ۔ مگر بعض
دوسرے جانثاروں نے کہا کہ جب حضور علیہ السلام ہی ہم میں موجود نہ رہے تو
ہماری زندگیاں کس کام کی ہیں ۔ ہمیں بھی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جانا
چاہیئے ۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا انس بن نضرؓ بھی مجاہدین سے کہنے
لگے ۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں تو رب محمد تو زندہ ہے
ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا
چاہیئے ۔ یہ کہہ کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا ۔

اس موقع پر پورے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی ۔ سب لوگ اِدھر اُدھر بھاگ
گئے ۔ صرف سترہ[۱۷] یا پچیس[۲۵] آدمی ثابت قدم رہے ۔ اُن میں حضرات ابو بکرؓ ،
عمرؓ ، علیؓ ، طلحہؓ ، ابو طلحہؓ ، ابو دجانہؓ ، سعدؓ وغیرہ شامل تھے ۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام
کو زخمی حالت میں پہچانا اور لوگوں کو آواز دی کہ حضور علیہ السلام زندہ سلامت ہیں ۔
آپ نے اُسے آواز پست رکھنے کا حکم دیا ۔ پھر آپ نے فرمایا ۔ اللہ کے بندو !
تم کدھر بھاگ گئے ہو ۔ آپ کے ارشاد پر لوگ پھر اکٹھے ہو گئے ۔ انہوں نے
دشمن کا مقابلہ کیا اور دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ۔

ازلی ابدی صرف ذات خداوندی ہے

آج کی آیت میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیلنے سے جو بددلی
پیدا ہوگئی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ
اس قسم کے واقعات سے بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے
جو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ نہیں
ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ آپ رسول ہیں۔ خود خدا تو
نہیں جو ازلی ابدی ہستی ہے۔ بحیثیت رسول آپ کو بھی وہ آزمائشیں آسکتی
ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پہ آئیں۔ اللہ کے بہت سے رسول طبعی موت
کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے اور ان میں سے بہت سے کافروں
کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ لہذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سے،
پلٹ جانا ہرگز روا نہیں۔ نبی اور رسول کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے
والی ہے۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جو ازلی ابدی، حی اور قیوم ہے
لہذا کسی ایسی متوقع صورت میں اہل ایمان کو بددل نہیں ہونا چاہیئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اپنی
جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ بعض اوقات انسان اپنی جان دینے کے لیے
تیار ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیر و مرشد یا برگزیدہ ہستی کے متعلق بہت زیادہ حساس
ہوتے ہیں لہذا ان کی تکلیف کے مقابلے میں اپنی جان کی بازی لگا دینے
سے بھی گریز نہیں کرتے، جو لوگ راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے، ان میں کسی
قسم کی بددلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ اگر حضور علیہ السلام ہم میں موجود نہ
بھی رہیں، دین تو تب بھی قائم رہیگا۔ اور اس دین کے لیے محنت اور کوشش
کرنا اولین فرض ہوگا۔ دین تو منجانب اللہ ہی ہے۔ جو ازلی ابدی ذات ہے۔
لہذا اس دین کی حفاظت لازم ہے۔ لہذا راسخ العقیدہ مسلمان پھر اپنے پاؤں
پہ کھڑے ہوگئے۔

فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ آپ سے پہلے بہت...

سے رسول گذر چکے ہیں۔ اَفَاِنْ مَّاتَ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا کر اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں اَوْ قُتِلَ یا شہید کر دیئے جائیں اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ تو اے ایمان والو کیا تم اپنے الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ رسول کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد دین تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے تمہیں اپنے دین پہ قائم رہنا ہو گا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جب حضور علیہ السلام تم میں موجود نہیں رہیں گے۔ تو تم دین اسلام ترک کر کے پھر اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ فرمایا وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پہ پلٹے گا۔ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا پس وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دین سے مرتد ہو کر وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور یاد رکھو! وَسَيَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ اور ثواب عطا کرے گا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے مرزائیوں نے غلط استدلال کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے پہلے سب کے سب رسول گذر چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس سے وہ آپ کی موت ثابت کر کے اپنے جعلی مسیح مرزا قادیانی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق الرسل سے مراد سارے رسول نہیں بلکہ کچھ رسول گذر چکے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر الرسل سے سارے رسول بھی مراد لیے جائیں تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آسمان پہ اٹھایا جانا بھی گذر جانے کے مترادف ہے۔ اس دنیا سے تو وہ ایک دفعہ گذر کر ہی آسمان پہ گئے ہیں جہاں وہ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ مرزائیوں کا عقیدہ محض دجل، الحاد اور کفر ہے۔

اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔

دین پہ ثابت قدمی

اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے شکر کرنے والوں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہیں

اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ کہ یہاں شکر ادا کرنے سے مراد دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ امیر الشاکرین تھے کیونکہ وہ جنگ احد کے موقع پر ثابت قدم رہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جب صحابہ کرامؓ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے یہی آیت تلاوت کی تھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔۔۔ الایۃ۔ سب کو تسلی ہو گئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہنا ہی شکر گزاری کی علامت ہے اور سب سے بڑی نعمت ایمان ہے جسے نصیب ہو جائے۔ جو شخص ایمان پر ثابت قدم رہے گا۔ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آئیگی۔ یقیناً وہ شکر گزار ہوگا۔ احد کے میدان میں جب مسلمان کفار کے دو گروہوں کے درمیان گھر گئے۔ حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑ گئی تو کئی صحابہؓ تتر بتر ہو گئے۔ پھر جب آپ کو زندہ سلامت پا لیا گیا تو صحابہ کرامؓ دوبارہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اپنی لغزش پر نادم ہوئے اور پھر ثابت قدم ہو گئے۔ آگے آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس لغزش کو معاف فرما دیا۔ الغرض یہاں پر شکر گزاری سے مراد ایمان پر ثابت قدمی ہے۔

ابن قمیہ نے حضور علیہ السلام کا دفاع کرنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر کے حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑا دی تھی۔ آپ نے اُس بدبخت کے متعلق فرمایا تھا۔ خدا تیری جڑ اکھاڑ دے۔ اُس شخص کی سزا کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس لڑائی میں حضرت ابودجانہؓ نے اُس کا سر قلم کر دیا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ شخص کہیں پہاڑوں کے درمیان سفر کر رہا تھا۔ اچانک ایک جنگلی بکرا جسے عربی میں وعل کہتے ہیں نمودار ہوا، اور اس نے ابن قمیہ پر حملہ کر کے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اُس وقت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے دشمن تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید اور ابوسفیانؓ اور بعض دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے ہندہؓ کے بیٹے کو قتل کیا تھا،

اسے آپ سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ آپ کی شہادت پر ہندہؓ نے
حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ اور آپ کا مثلہ بنایا مگر وہ بھی ابو سفیانؓ کے
ساتھ ایمان لے آئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو اچھا بدلہ دیگا۔
مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی بددل نہیں ہونا چاہیئے کسی بڑی
سے بڑی ہستی کے فوت ہونے پر بھی جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ
بہر حال خدا کی مخلوق ہے اور اُسے ایک نہ ایک وقت پر فوت ہونا ہے۔ دنیا
میں کسی ہستی کو دوام نہیں۔ صرف ذاتِ خداوندی ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔

موت کا وقت مقرر ہے

فرمایا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کسی نفس کے
لیے یہ بات نہیں ہے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر شخص کی موت
اللہ کے حکم سے ہی واقع ہوگی۔ اور موت کیا ہے كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ایک مقرر
نوشتہ ہے موت اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں
آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور لوح محفوظ میں یہ چیز لکھی ہوئی ہے کہ فلاں شخص
اتنی عمر پائیگا اور فلاں وقت میں فلاں بیماری یا فلاں حادثہ میں اس کی موت
واقع ہوگی۔ مقصد یہ کہ جس طرح ایک عام امتی کی موت کا وقت مقرر ہے
اسی طرح اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اپنے اپنے وقت پر داعی اجل کو لبیک
کہتے رہے ہیں۔ مگر اُن کا لایا ہوا دین قائم رہا ہے۔ لہٰذا نبی کے بعد بھی اُس
کے دین پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ
دین کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا۔

طلب دنیا یا طلب آخرت

فرمایا ہر شخص کے لیے اجر و ثواب اسکی نیت اور ارادے کے مطابق
ملتا ہے وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ہم اُس کو دنیا میں سے ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ہے۔ کہ مطلوبہ
چیز مہیا نہیں کرتے بلکہ جتنا چاہتے ہیں اتنا دیتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں آتا

ہے عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ دنیا کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ
کی منشا ہے، جتنا چاہے عطا کرے۔ برخلاف اس کے وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
جو کوئی آخرت کے ثواب کا طلبگار ہے نُؤْتِهِ مِنْهَا ہم اُسے آخرت
میں سے بدلہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا کی خواہش کرتا ہے وہ غرض فانی
کے لیے کرتا ہے، جو چند روز بعد ختم ہو جانے والی ہے اور جو کوئی آخرت کی
خواہش کرتا ہے۔ تو اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا ہے، جو دائمی ہے آخرت
کی خواہش کے ذریعہ سے ہی انسان اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ جس سے
دین قائم ہوتا ہے۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی چیز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے
اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کامیابی کی دلیل ہے۔ اس خواہش کا مقصد وحید
یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا ممبر بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے۔

فرمایا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ہم شکر ادا کرنے والوں کو پورا پورا
بدلہ دیتے ہیں۔ اور شکر گزاری یہ ہے۔ کہ انسان ایمان، توحید، اطاعت اور فرمانبرداری
کے کاموں پہ ثابت قدم رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سب
سے پہلی ثابت قدمی حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوئی، جو براہ راست
حضور سے فیض یافتہ تھے۔ جو تھوڑی بہت کمزوریاں رہ گئیں تھیں، وہ بھی رفع
ہو گئیں۔ اُن کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پہ شکر گزار بن گئے۔
یہی لوگ ایمان کی دولت کے محافظ تھے ایمان ہی اُن کی سب سے قیمتی متاع تھی
جسے انہوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔ ایمان کے علاوہ باقی سب چیزیں
فانی اور بے حقیقت ہیں۔

درس نمبر ۵۰ — آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (۱۴۶) وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۱۴۷) فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱۴۸)

ع ۱۵

ترجمہ: اور بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ اُن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی۔ پس وہ ہمت نہیں ہارے اس پر جو بھی اُن کو اللہ کے راستے میں تکلیف پہنچی اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) جھکے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۴۶)

اور نہیں تھی اُن کی بات مگر یہ کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتی کو (بھی) بخش دے اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما (۱۴۷)

پس اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۴۸)

ربط آیات

غزوہ احد میں اہل اسلام کو نقصان اٹھانا پڑا تھا کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑ گئی اور مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ گذشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ ایسے مواقع پر ایمان پر مضبوط رہیں اور کمزوری کا اظہار

پیدا نہ ہوتے دین ۔ بات سمجھائی کہ اللہ کا رسول خدا نہیں ہے جو ازلی ابدی ہو ۔
بلکہ عام انسانوں کی طرح رسول نے بھی موت کا ذائقہ چکھنا ہے ۔ اگر اللہ کا رسول
تم میں موجود نہ رہے تو کیا تم دین کو چھوڑ جاؤ گے دین تو اللہ کا ہے ۔ جو حی اور قیوم
ہے قائم و دائم ہے ۔ لہذا اُس کے دین کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہنی چاہیئے ۔
آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء اور ان کے ساتھ شریک جہاد
لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ کہ وہ لوگ قربانیاں دیتے رہے کہ دین کی تقویت کا باعث
بنتے رہے لہذا وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہیں اُن کی اقتدا کرنی چاہیئے
سورۃ البقرہ میں اسرائیلی پیغمبر حزقیل علیہ السلام کا ذکر آ چکا ہے ۔ آپ کے پیروکاروں کی
ایک جماعت حضرت طالوتؑ کی سرکردگی میں دشمن سے نبرد آزما ہوئی ۔
ایسے ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ اور اللہ کے کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جنھوں نے
جنگ کی اس حالت میں مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ کہ اُن کے ساتھ کثیر تعداد
میں رب والے یا اللہ والے بھی شامل تھے ۔ مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے ۔ کہ
جہاد کا حکم صرف آخری امت کے لیے ہی مخصوص نہیں ۔ بلکہ سابقہ انبیاء کے
لیے بھی جہاد کا حکم اسی طرح تھا جس طرح نبی آخر الزمان اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے
لیے ہے ۔ حق اور باطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے ۔ لہذا ہر امت کے لیے
جہاد کرنا ضروری رہا ہے ۔ اے مسلمانو تسلی رکھو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے
دین کی بقا ہے ۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے
رِبِّيُّوْنَ کا لفظ اسی سورۃ کے آٹھویں رکوع میں بھی آ چکا ہے وہاں
بھی عرض کیا تھا کہ ربی یا ربانی سے مراد رب والے یا اللہ والے ہیں ۔ یہ وہ
لوگ ہیں جو اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
کو تسلیم کرتے ہیں ۔ سچے دین کی تعلیم پر عمل کرتے ۔ اخلاص اور صداقت سے متصف ہیں
یہی لوگ ربانی ہیں جن کی نسبت اپنے رب کی طرف ہے ۔ چونکہ یہ لوگ اپنے انبیاء

جہاد سنت انبیاء ہے

سکے بھی متبع ہیں اس لیے یہ ان کے صحابہ میں شمار ہوگئے۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ سچائی کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور بزدلی یا بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ان میں کسی قسم کی گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ربیون میں علمار فقہار اور دین میں سمجھ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں۔ کیونکہ انبیار کے متبع ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا "عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ" یعنی میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے متبع بھی بصیرت پر ہیں۔ انہیں دین کے کسی معاملہ میں اشتباہ نہیں۔ حقیقت حال ان پر آشکارا ہے۔ اور وہ اسی کا اتباع کرتے ہیں

مومن ثابت قدم رہتا ہے

فرمایا جن اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ کے راستے میں انہیں جو بھی تکلیف پہنچی اس پر انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ ان لوگوں پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں، مال ضائع ہوا، گھر بار چھوڑنا پڑا، آدمی شہید ہوئے مگر ان کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ دوسرے پارے میں ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے یوں کہا۔

وَقَالُوْا مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ہم اللہ کے راستے میں کیوں جہاد نہ کریں جب کہ ہمیں ملک بدر کیا گیا، اور ہماری اولاد ہم سے چھین لی گئی۔ ہمارے بچوں کو غلام بنایا گیا اور ہماری بچیوں کو لونڈیاں بنا لیا گیا، لہٰذا ہم ضرور دشمن کے ساتھ جہاد کریں گے جب اس عزم بالجزم کے ساتھ میدان جہاد میں اترے تو پھر کسی مشکل سے مشکل وقت میں بھی انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وَمَا ضَعُفُوْا اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے وَمَا اسْتَكَانُوْا اور نہ وہ دشمن کے سامنے مغلوب ہوئے۔ استکانت کا معنی پست ہو جانا، دب جانا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ استکانت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انہوں نے زبان سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کی کمزوری یا پستی ظاہر ہوتی ہے۔

صبر بہترین حربہ ہے

فرمایا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح اُن لوگوں نے صبر کیا۔ اسی طرح تم بھی مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی خبر پہ دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔ ملت ابراہیمی میں صبر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے عبادات کی ادائیگی۔ اور مصائب ومشکلات اور نفسانی خواہشات کے مقابلہ کے لیے صبر ہی بہترین ذریعہ ہے۔ دوسرے پارہ میں گزر چکا ہے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ صبر اور نماز کے ذریعے مشکلات کا مقابلہ کرو جس قدر تعلق باللہ قائم ہو گا۔ اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کی مشکلات کا ذکر فرما کر اہل ایمان کو ثابت قدمی کی ترغیب دلائی۔ اور نصیحت کی کہ ایسے اوقات میں کمزوری اور سستی دکھانے کی بجائے تعلق باللہ کو مضبوط بنانا چاہیئے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ اے ایمان والو! دشمن سے ٹکر لینے کی تمنا نہ کرو۔ البتہ اِذَا لَقِیْتُمُوْ فَاصْبِرُوْا اور جب مڈھ بھیڑ ہو ہی جائے، تو پھر صبر کا دامن نہ چھوڑو وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّۃَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ یاد رکھو! جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ کمزوری دکھانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھو۔ کیونکہ جنت کا راستہ تلواروں کے سائے میں سے گزر کر جاتا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں۔ کہ بیماری کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی مومن کے لیے لائق نہیں کہ وہ بیماری کی خواہش کرے۔ ہاں اگر بیماری آ جائے، تو پھر واویلا کرنے کی بجائے صبر کرنا چاہیئے۔ اسی میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔

فرمایا صبر کے علاوہ مجاہدین کا دوسرا حربہ اُن کی دُعا ہے۔ جب وہ میدان جہاد میں اُترتے ہیں وَمَا کَانَ قَوْلَھُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا قوان کی زبان پہ

اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ وہ یوں کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دے دوسرے پارے میں گزر چکا ہے
حضرت طالوت کے ساتھیوں نے بھی یہی دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ! ہمارے
گناہوں کو بخش دے۔ یہاں پر بھی یہی الفاظ ہیں اللہ والوں کا ہمیشہ سے یہ شیوہ
رہا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے پروردگار
سے دعائیں کرتے ہیں۔ دعا اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس
کو مومن کسی وقت ترک نہیں کر سکتا۔ دعا عبادت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ بخود حضور
علیہ السلام انیس غزوات میں بنفس نفیس شریک ہوئے جن میں سے آٹھ
غزوات میں بالفعل لڑائی ہوئی۔ حضور نے مسلمانوں کو یہی دعا سکھائی اللھم
منزل الکتب مجری السحاب۔ ھازم الاحزاب اھزمھم
وانصرنا علیھم اے مالک الملک جو کتاب کو نازل فرماتا ہے اور
بادلوں کو اٹھاتا ہے، دشمنوں کے قدموں کو اکھاڑ دے اور ہماری مدد فرما۔
فتح مکہ کے دن آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْجَزَ
وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اس خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ
شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست
دی، وہی اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ آپ نے
مجاہدین کو سکھایا کہ میدان جنگ میں جا کر یوں دعا کیا کرو اَللّٰهُمَّ اٰمِنْ رَوْعَاتِنَا
اے اللہ! خوف کی حالت میں ہمیں امن نصیب فرما۔ وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا
اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما۔

جنگ کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دعائیں صحابہؓ
کو سکھائیں تاہم جو دعا یہاں قرآن پاک نے بیان کی ہے، وہ بڑی اہم دعا ہے۔
فرمایا کہ مجاہدین کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اے اللہ
ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، جنگ احد میں تھوڑی

سی کوتاہی ہوگئی تھی، اُسی لغزش کی معافی مانگی جا رہی ہے۔ وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا ہمارے معاملات میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ حدودِ اعتدال سے جو تجاوز ہوا ہے، ہم اُن کی بھی معافی مانگتے ہیں وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا اور ہمارے قدموں کو مضبوط فرما۔ ان میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور ہم تیرے دین کی سربلندی کے لیے ڈٹے رہیں۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اہلِ ایمان کے قدموں کو مضبوط کیا اُس کا ذکر سورۃ انفال میں آتا ہے وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان کی کیفیت طاری کر دی۔ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی برسایا تاکہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی نجاست (شیطان کی وسوسہ اندازی) کو دور کرے۔ تمہاری ہمت بندھ جائے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جم جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرشتوں سے بھی کہا أَنِّي مَعَكُمْ میں تمہارے ساتھ ہوں فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا پس تم اہلِ ایمان کے قدم مضبوط کرو۔ مقصد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے قدم مضبوط کر دے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔ اور اگر خدا کسی قوم کے قدم اکھاڑ دے۔ تو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مجاہدین کی دعا کا چوتھا جزو ہے وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ اے اللہ! کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ کیونکہ ہم تو تیرے دین کی خاطر جنگ لڑتے ہیں۔ اور کافر تیرے دین کی نافرمانی کا پیغام دنیا میں پہنچاتے ہیں۔ ہم تیری اطاعت اور فرمانبرداری کو دنیا میں غالب کرنا چاہتے ہیں، ہم مدد کے مستحق ہیں، لہٰذا ہماری مدد فرما۔ مجاہدین کی اس دعا میں ہمارے لیے بھی تعلیم ہے۔ کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی ہی دعا کرنی چاہیئے۔ جب بھی میدانِ جہاد میں اتریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی دعائیں کریں۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے مجاہدین کا تذکرہ کر کے ہمارے لیے مشعلِ راہ قائم کر دی۔

دنیا و آخرت کا ثواب

فرمایا جو لوگ اپنے انبیاء کی معیت میں جہاد کرنے والے تھے اور اُس کے حضور دعائیں مانگنے والے تھے فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا اُن کو شریعت نے دنیا کا ثواب عطا کیا یعنی انہیں دنیا میں فتح عطا کی جیسے سورۃ صف میں فرمایا وَّاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ جب دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو، تو مسلمان کی خواہش یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اُسے فتح نصیب فرمائے، تاکہ خدا کا دین غالب ہو۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا تاکہ اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ارادے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور مال غنیمت ہے مگر سب سے بڑی کامیابی اللہ کے کلمے کی بلندی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف دنیا کا ثواب عطا کیا بلکہ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت کا بہتر اجر بھی دیا اور یہ بہتر اجر اخروی کامیابی، نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً اللہ تعالیٰ نے بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا جنت کے سو درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بلند سے بلند درجہ عطا فرمائے گا۔ وہ مجاہدین جو دین کی اشاعت اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر میدان جہاد کی طرف چلتے ہیں، یہ کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ بہت بڑی بات ہے جس کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

فرمایا یاد رکھو! وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اُن سے محبت رکھتا ہے نیکی کے کاموں میں جہاد، دین کی اقامت، صبر، خدا کی فرمانبرداری، اطاعت رسول۔ دنیا میں حدود اللہ کا اجرا، مصائب پر صبر، بلند ہمتی، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہر وقت تیاری یہ سب باتیں شامل ہیں۔ اگر کبھی وقتی طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور

کافروں کو عارضی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس سے کافر اللہ کے محبوب نہیں بن سکتے بلکہ خدا کے محبوب ہمیشہ نیکی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا اتار چڑھاؤ محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کئی بہت سی مصلحتیں ہیں جن میں سے چار کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو ہی محبوب بناتا ہے۔

آل عمران ۳
لن تنالوا ۴
آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱
درس پنجاہ و یک ۵۱

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِى فِى قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا ۖ وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٥١﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تم کو پھیر دیں گے تمہاری ایڑیوں پر، پھر تم پلٹ جاؤ گے نقصان اٹھانے والے ہو کر (۱۴۹) بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مدد کرنے والا ہے (۱۵۰) عنقریب ہم ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کا بہت برا ٹھکانا ہے (۱۵۱)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کا نمونہ بیان فرمایا اور اہل ایمان کو ترغیب دی کہ وہ بھی انہی لوگوں کا طریقہ اختیار کریں جو سابقہ انبیاء کے متبعین نے اختیار کیا انہوں نے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور ثابت قدم رہے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی عطا کی اور دنیا و آخرت کا ثواب عطا کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں

اور صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور
ان کے ماننے والوں کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ برخلاف اس کے نافرمانوں
اور منافقین کے اقوال و افعال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ دشمن کے غلط پروپیگنڈا
سے اہل ایمان میں بددلی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا دشمن کی چالوں سے
ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے۔ جنگ احد کے واقعہ میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ
جب حضور علیہ السلام زخمی ہو کر گر گئے، تو مشرک حملہ آور نے مشہور کر دیا کہ نعوذ باللہ
آنحضرت علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس غلط پروپیگنڈہ کی بنا پر مسلمانوں میں بددلی پیدا
ہو گئی۔ منافقین کو موقع مل گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ہی ہمارے درمیان موجود نہیں رہے۔ تو پھر ہمیں ان کا دین چھوڑ کر اپنے پرانے دین
کی طرف لوٹ جانا چاہیئے۔ بعض نے کہا کہ ابوسفیان سے امان حاصل کر لینی
چاہیے یہ سب پروپیگنڈا تھا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالے
نے ایسی باتوں کا رد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ نے
فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ
خود خدا نہیں جو ازلی ابدی ہے۔ بلکہ وہ تو فانی ہیں۔ اگر موت یا شہادت کی بنا پر
وہ اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں تو کیا تم آپ کے لائے ہوئے دین کو
ترک کر دو گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین قیامت
تک قائم رہے گا۔ مسلمانوں کو منافقین کے پروپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔

عظیم نقصان

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اے ایمان والو اِنْ تُطِیْعُوا
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اگر تم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں میں شامل
ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ کہ وہ تمہیں پلٹا دیں گے
تمہاری ایڑیوں پر۔ مراد یہ کہ ان کی کوشش یہ ہو گی۔ کہ وہ تمہیں دین حق سے
دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا فَتَنْقَلِبُوْا
خٰسِرِیْنَ کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے بن کر پلٹ جاؤ گے۔ مقصد

کہ اپنے دین پہ قائم رہو۔ ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔ تمہیں وقتی طور پہ فتح ہو
یا شکست اپنے دین پہ ہر صورت میں قائم رہو۔ اگر تم نے دین کے پاکیزہ نظریات
کو ترک کر دیا۔ تو پھر کفر اور جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور یہ سب سے بڑا نقصان
ہوگا۔

لہٰذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے۔ کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں
ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھیر دیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے
کہ جس مومن کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا ہے اس کو اگر آگ کے شعلوں میں
بھی ڈال دیا جائے تو وہ کفر کی طرف پلٹنا پسند نہیں کرے گا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات
برداشت کرے گا مگر ایمان کو ترک کرنے پہ آمادہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے
کہ اے ایمان والو! "لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ" یعنی ایمان والوں کو چھوڑ
کر دوسروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ کافروں کو اپنے معاملات میں دخیل نہ ہونے
دو۔ ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ ان سے بھی بدتر
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى" آپ سے
یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین اختیار نہ کرو۔ اسی لیے
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے
کی تلقین کی ہے۔

مسلمانوں کے تنزل کی وجہ

اس وقت دنیا میں مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اس کی اسی ۸۰ فیصد وجہ کفار
کی مداخلت ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے قوانین، سیاست، تجارت، تعلیم، ملکی
وغیرہ میں دخیل ہیں۔ غیر مسلم کافر ہوں یا مشرک، یہودی ہوں یا نصرانی کمیونسٹ
ہوں یا دہریے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ اپنے
ملکوں میں تعلیم کے نام پہ اپنے شاگرد بنا کر بھیجتے ہیں جو مسلمانوں کے نظریات
کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ایک صالح آدمی مولوی شہاب الدین
کا بیٹا تھا جو کہ شیخ الہند کا شاگرد تھا۔ مگر یہ یہودیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اسمتھ کا شاگرد

تھا۔ جس نے اُس کے ذہن کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صدر ایوب کے زمانے میں اُس نے کتاب لکھی تھی جس میں قرآن پاک کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ پورے کا پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس میں آدھا یا کچھ کلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ مقصد یہ کہ غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو اپنے ہاں تعلیم دے کر اُن کے بنیادی نظریات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر انہی کے ہاتھوں ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ روس کیا کر رہا ہے۔ افغانستان اور ایران وغیرہ میں اپنے نظریات پھیلا رہا ہے مگر مسلمانوں کی آج زبوں حالی یہ ہے کہ اُن کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ رسوخ عقیدہ مفقود ہے۔ قرآن پہ غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیمات سے دلچسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین اور اخلاق دونوں بگڑ چکے ہیں۔ کفار ہمارے تمام معاملات میں دخیل ہیں۔ ترکی کے معاملات میں امریکہ دخل اندازی کر رہا ہے۔ عرب اُس کے مشورہ کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ترقی پذیر ممالک میں ایڈوائزر وہاں سے آتے ہیں۔ لہٰذا مسلمان ترقی کی بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ نے اس لیے خبردار کیا ہے کہ اگر اُن کی بات مانو گے تو وہ تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لے جائیں گے۔ عیسائی مشنریاں اس پر مستزاد ہیں۔ مسلمان ممالک میں خاص طور پہ کام کر رہی ہیں۔ تیس تیس سال تک کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا سکا مگر اُن کے نظریات اس قدر بگاڑ دیے گئے ہیں کہ وہ مسلمان بھی باقی نہیں رہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کریں۔ اپنے کام خود انجام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے کبھی آزاد نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا اغیار سے منہ موڑ کر صرف اللہ ہی پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے۔ مولا کے بہت سے معنی آتے ہیں جیسے آقا، سید، ناصر، معین، ساتھی، آزاد کیا ہوا غلام، چچا زاد بھائی وغیرہ

تفرقہ بیا کئیں معنی ہیں مگر یہاں پر مولا سے مراد مددگار ہے۔ خود اللہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنْتَ مَوْلٰنَا یہ لفظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ سیدنا اور مولانا۔ یعنی حضور ہمارے آقا، سردار اور راہنما ہیں تاہم اس مقام پر اہل اسلام کو تسلی دی کہ اغیار کی تمام تر سازشوں کے خلاف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس کی وحدانیت پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔ اس نے ہمیشہ اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اس نے تمہاری غزوہ بدر میں مدد فرمائی حالانکہ تم اس موقع پر بہت کمزور تھے۔ اس نے حنین کے موقع پر بھی تمہاری مدد فرمائی اس کی مدد ایسے طریقے سے شامل حال ہو جاتی ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام کا رعب

اہل اسلام کی مزید تسلی کے لیے فرمایا سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ہم کافروں کے دلوں میں عنقریب رعب ڈال دیں گے۔ جنگ احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ بظاہر کافروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے اکابر مسلمان شہید ہوئے مگر پھر کافر وہاں ٹھہر نہ سکے۔ انہیں واپس ہی جانا پڑا۔ ایک موقع پر ابوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تو تھے، ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ مگر ہم پھر بھی واپس پلٹ رہے ہیں۔ واپس جا کر ان کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس مکے لوٹ گئے۔ البتہ نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے زخمی صحابہؓ نے آٹھ میل تک کفار کا تعاقب کیا۔

فرمایا ان پر رعب اس لیے مسلط کر دیا بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں۔ اور شرک سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور جمعیت

بھی ہو تو وہ حیثیت میں ایسا ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ تعصب اور عناد کی وجہ سے
بہادری کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں مگر عقل اور بصیرت سے خالی ہوتے ہیں
برخلاف اس کے اگر مومن کو وقتی طور پر تکلیف بھی پہنچے تو وہ بصیرت اور
سمجھ پر ہوتا ہے۔ کافر اندھے ہوتے ہیں۔ ان میں وہن اور کمزوری پیدا ہو جاتی
ہے۔ وہ توہمات کے پرستار ہو گئے ہیں۔ مشرکین کا حال دیکھ لیں۔ ذرا ذرا
سی بات پر شگون لیتے ہیں۔ وہ خود اعتمادی
سے عاری ہوتے ہیں۔ اور کسی دہشت و شعبدے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بلا دلیل شرک

فرمایا یہ لوگ جس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ ایسا ہے مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهٖ سُلْطٰنًا جس کی اللہ نے کوئی سند یا دلیل نہیں اتاری۔ سلطان کا معنی غلبہ
برہان، دلیل وغیرہ ہے۔ صاحب اقتدار کو بھی سلطان کہتے ہیں یعنی طاقت
اور قوت والا۔ بہرحال یہاں سلطان کا معنی دلیل ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کی
کوئی دلیل نہیں بلکہ محض اپنے دادا یا باپ یا قوم کی اندھی تقلید ہے جس پر یہ لوگ مصر ہیں
اس کے برخلاف کفر کی تردید میں ہزاروں دلائل موجود ہیں۔ ان میں عقلی، نقلی، کتابی
سمعی، بصری ہر قسم کے دلائل موجود ہیں۔ انسان ذرا سا غور کرے تو اس کی سمجھ
میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ایک پتہ ہی لے لیں یا
گھاس کے ایک تنکے کی تخلیق پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آجاتی
اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قطعی طور پر فرما دیا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ان کے پاس
شرک کی کوئی دلیل نہیں محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اس
کا نتیجہ یہ ہے وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ
ہے۔ اور یاد رکھو! وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ظالموں کا ٹھکانہ بہت
برا ہے۔ کفر شرک کرنے والے سب سے بڑھ کر ظالم ہیں اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ
عَظِيْمٌ شرک ظلم عظیم ہے۔ یہ اول درجے کا ظلم ہے۔ اس کے بعد
حقوق ضائع کرنے والے اور لوگوں کی جان و مال کے تلف کنندہ درجہ

درجے کے مجرم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے سب سے بڑے مجرم ہیں، اُن کا اعتقاد فاسد ہے۔

درس پنجاہ و دو ۵۲ — آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا جب کہ تم اُن (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا کا ارادہ کرتے ہیں ... اور بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر پھیر دیا تم کو اُن سے تاکہ تم کو آزمائے

نہ ڈرے ۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے ۔ اور اللہ فضل والا ہے اہل ایمان پر ﴿۱۵۲﴾ جب کہ تم اُوپر جا رہے تھے اور کسی کی طرف نہیں پلٹتے تھے ۔ اور اللہ کا رسول تم کو پکارتا تھا پیچھے سے ، پس پہنچایا اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم تاکہ تم اُس چیز پر غم نہ کرو جو تم سے فوت ہو گئی ہے ۔ اور نہ اس پر جو تم کو پہنچی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ، جو تم کرتے ہو ﴿۱۵۳﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین کی بات ماننے سے منع فرمایا ۔ اور اس سے پہلے سابقہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنے کا حکم دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ اگر کافروں اور منافقوں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹا جاہلیت کی طرف لے جائیں گے ۔ اور تمہیں تمہارے پاکیزہ نظریات سے برگشتہ کر دیں گے جو کہ تمہارے لیے سخت نقصان کا باعث ہو گا ۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیئے ۔ وہی تمہارا آقا اور مددگار ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے ۔ کہ کفار و مشرکین کے نظریات باطل ہیں وہ وہم میں مبتلا ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دے گا ۔ وہ جہنم کے مستحق ہیں ، لہٰذا ان کی بات کسی طور تسلیم نہیں کرنا ۔

غزوہ احد سرسری جائزہ

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے ۔ کہ اے اہل ایمان ! اگر تم تقویٰ اور صبر کی راہ پر مستقیم رہو گے ، تو یقیناً تم کو مدد ہی حاصل ہو گی ۔ چنانچہ جنگ احد کے ابتدائی حصہ میں حالات مسلمانوں کے حق میں تھے ۔ کافر تعداد میں بھی زیادہ تھے ، اور اُدھر مسلمانوں کے ایک ہزار مجاہدین میں سے تین سو کا لشکر عبداللہ بن ابی منافق کی معیت میں پہلے ہی علیحدہ ہو گیا ۔ کافروں کے پاس سامان حرب کی بھی فراوانی تھی مگر مسلمانوں کے پاس محض واجبی سا سامان تھا ۔ اس کے باوجود ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور اللہ نے غلبہ

عطا فرمایا۔ بیس کے قریب کافر واصل بجہنم ہوئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور
وہ دور تک بھاگتے چلے گئے۔ مگر مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ
کا پانسہ پلٹ گیا اور اہل اسلام کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت
میں پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح
ہو یا شکست تم اپنے مورچے کو مت چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ نیچے
مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے دشمن بھاگ نکلا ہے، تو ان میں اختلاف رائے
پیدا ہوا کہ آیا انہیں اپنے مورچے کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
فرمان کے مطابق وہیں ڈٹے رہنا چاہیئے۔ ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے فرمان کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیئے۔ تاہم اکثریت کی رائے تھی کہ حضور
کا موجود رہنے کا حکم مسلمانوں کی فتح تک کے لیے تھا۔ اب جب کہ فتح حاصل ہوگئی
ہے تو اب وہاں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ تیر اندازوں کی اکثریت پہاڑ سے
نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئی۔ اور پہاڑی پر حضرت عبداللہؓ
کے ہمراہ صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے الحرب خدعۃ یعنی لڑائی داؤ پیچ
سے ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو کفار کے رسالے کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ
نے آزمایا، جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دستے کے
تین سو گھوڑ سواروں کے ہمراہ اس پہاڑی پر حملہ آور ہوئے جسے مسلمان تیر انداز چھوڑ
چکے تھے۔ پہاڑی پر موجود دس گیارہ مجاہدین کی جماعت حملہ کی تاب نہ لاتے
ہوئے شہید ہوگئی۔ کفار کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کا رسالہ
مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گیا ہے، تو وہ بھی واپس لوٹے اور اس طرح مسلمان
جو پہلے ہی قلیل تعداد میں تھے کفار کے دو لشکروں کے درمیان گھر گئے۔ ان
میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔

حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ اسی افراتفری میں شہید ہو گئے۔ خود حضور علیہ السلام کا رخسار مبارک زخمی ہوا۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ اور نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر سر مبارک میں داخل ہو گئیں۔ خون بہنے لگا۔ آپ علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کا دفاع کرنے والے دس میں سے نو مسلمان شہید ہو گئے۔ بعض مجاہدین نے زبردست جرأت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر نیزے اور تیر کے زخم آئے جس سے ہاتھ شل ہو گیا۔ ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو ڈھال بنا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔

مسلمانوں کو تنبیہ

ان حالات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ساتھ تسلی بھی دی ہے۔ کہ یہ واقعہ تمہارے لیے آزمائش تھی۔ اس ابتلا سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ جب تم اللہ کے حکم سے کافروں کو کاٹ رہے تھے ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ اور وہ وعدہ یہی تھا۔ کہ اگر تم تقویٰ اور صبر سے کام لو گے تو تمہاری مدد کی جائیگی۔ چنانچہ ابتدائے جنگ میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تم ان پر غالب آئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حس کا معنی محسوس کرنا، پشت پر مالش کرنا، کاٹنا، استیصال کرنا وغیرہ آتا ہے۔ یہاں پر کاٹنا یا استیصال کرنا زیادہ مناسب حال ہے۔ مقصد یہ کہ ابتدائے جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار پر غلبہ عطا کیا حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ اور تم نے آپس کے معاملہ میں جھگڑا کیا یعنی بعض نے کہا کہ ہمیں اس پہاڑی پر قائم رہنا چاہیئے۔ جب کہ دوسروں نے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا انہوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ جنگ کے موقع پر اختلاف رائے ہی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ پوری فوج کو

یک جان ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آگے سورۃ انفال میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپس میں تنازعہ نہ کیا کرو۔ اس سے تفرقہ پڑ کر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے فوج بزدل ہو جاتی ہے۔ اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ دشمن پر اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جنگ کے دوران مکمل یک جہتی کی فضا برقرار رہنی چاہیئے۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ حالت برقرار نہ رہ سکی تین سو افراد کا گروہ مدینے سے روانگی کے وقت ہی علٰحدہ ہو گیا تھا اس کے علاوہ مقام جنگ کے متعلق بھی مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور بعض دوسرے شہر کے اندر مورچہ بندی کرنا چاہتے تھے اور پھر آخری اختلاف یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ پچاس تیر اندازوں کی جماعت اپنے مورچہ پر قائم نہ رہی۔ درحقیقت یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی تھی۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَعَصَيْتُمْ اور تم نے نافرمانی کی مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جو تم پسند کرتے تھے۔ تمہاری پسندیدہ چیز تو فتح تھی جو تم نے دیکھ لی۔ دشمن بھاگ رہا تھا اور تم مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ اس کے بعد تم نے نافرمانی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

طلب دنیا اور طلب آخرت

فرمایا یہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو دنیا کے طالب تھے یہ انہی تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے جو مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ مال غنیمت کے اسی تعاقب کو حصول دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ اور تم میں سے بعض دوسرے تھے جو آخرت کے طالب تھے۔ پچاس میں سے صرف دس گیارہ آدمی رہ گئے تھے جو حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں مورچے پر قائم رہے اور شہید ہو گئے۔ بلاشبہ انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت

کو ترجیح دی۔ یہی لوگ آخرت کا ارادہ کرنے والے تھے۔ فرمایا ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ پھر تم کو اُن سے پھیر دیا۔ ابتداء میں تم کافروں پہ غالب آ چکے تھے مگر اُس نافرمانی کی وجہ سے تم کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ کافروں کے ایک لشکر نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور دوسرے لشکر نے واپس پلٹ کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوا۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔ مقصد یہ کہ میدانِ احد میں کفار کا جو پلہ بھاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی آزمائش تھی کہ وہ اس قسم کے نامساعد حالات میں بھی کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ انسانوں کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ کیا بعض صحابہ کرام واقعی دنیا کے طالب تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمام صحابہؓ سچے اور مخلص اہلِ ایمان تھے ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ اپنے مقربین کی معمولی سی لغزش کا بھی نوٹس لیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بڑے پائے کے ربانی لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ اس موقع پر اُن کا مالِ غنیمت کا تعاقب بھی محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت ہی کے لیے تھا۔ شرعی قانون کے مطابق مالِ غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود اُسے جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اُن صحابہؓ کا مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو حصہ سے محروم ہو جائیں گے، بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہی ادا کر رہے تھے۔ لہٰذا مالِ غنیمت کے تعاقب کو طلبِ دنیا سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ اُن کے دوسرے ساتھی جو مورچے پر قائم رہے اور غنیمت کا کچھ خیال نہ کیا، وہ دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے۔ گویا دونوں گروہ درحقیقت آخرت ہی کے طلبگار تھے۔ ایک گروہ دنیا کے راستے

آخرت کا طالب تھا اور دوسرا پہلو راست آخرت چاہتا تھا، دنیا سے رغبت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت مال غنیمت سامنے موجود تھا، اس لیے اسے طلب دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ صحابہ کرامؓ کی دنیاداری سے مراد وہ دنیا طلبی نہیں ہے جو ہماری اور بعد میں آنے والے لوگوں کی ہے۔ ہم لوگ دنیا کے خواہشمند بالذات ہیں جب کہ صحابہ کرامؓ طالب دنیا بالذات نہیں تھے۔ بلکہ طالب بالعرض تھے یعنی آخرت کی خاطر دنیا کے طالب تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تنبیہ فرمادی۔ یہ ایک آزمائش تھی۔

غلطی معاف ہوگئی

اس آزمائش کے بعد فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمادیا۔ ظاہر ہے۔ کہ جسے اللہ معاف فرمادے، وہ پاک ہوگیا۔ یہ غلطی کوئی قصداً یا عمداً نہیں ہوئی۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی جسے اللہ نے معاف کر دیا۔ صحابہؓ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو ڈرانا بھی ضروری ہے اور مال غنیمت اکٹھا کرنا بھی لازم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی اور ساتھ تسلی بھی دے دی کہ اللہ نے تمہاری غلطی معاف کر دی ہے کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر فضل کرنے والا ہے

مسلمانوں کو زبوں حالی

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ وہ سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے تھے ارشاد ہے إِذْ تُصْعِدُونَ جب تم اوپر جا رہے تھے صعود کا معنی اوپر چڑھنا بھی ہے اور دور چلے جانا بھی۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفار نے تم پر دو طرف سے حملہ کر دیا، تو تم دباؤ میں آ گئے اور ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ تم دور تک چلے گئے حتیٰ کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ کسی کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا آپ فرما رہے تھے إِلَيَّ يَا عِبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندو میری طرف آؤ، میں تو یہاں ہوں۔ حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ نے لوگوں میں

سخت بددلی پیدا کر دی تھی۔ کافروں کا دباؤ پڑا۔ تو مسلمان بھاگ نکلے اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ تمہیں غم پر غم دیا۔ ایک شکست کا غم، دوسرے حضور علیہ السلام کی شہادت کا غم تھا فرمایا یہ آزمائش اس لیے ڈالی گئی تھی لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ تاکہ تم اس چیز پہ غم نہ کرو جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ یہ تو ابتلا تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد کی اصلاح کے لیے اُسے سزا دیتا ہے مقصد تمہاری اصلاح تھا تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی سے بچ جاؤ۔ نیز فرمایا ایسی چیز پہ بھی غمگین نہ ہو وَلَا مَا أَصَابَكُمْ جو تم کو پہنچی ہے۔ یعنی جو تکلیف اور پریشانیاں تمہیں آئی ہیں۔ نہ اُن پہ زیادہ فکر مند ہو اور نہ اُس چیز پہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ یعنی اگر فتح حاصل نہیں ہو سکی۔ تو کوئی بات نہیں فکر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بہتر فتوحات عطا کرے گا۔ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ کہ تمہاری غلطی محض اجتہادی غلطی تھی۔ لہٰذا اللہ نے اُس غلطی کو معاف کر دیا آئندہ محتاط رہو۔

کفر و اسلام میں مکالمہ

مسلمانوں پہ عقب سے حملہ ہونے کی وجہ سے جب یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور لوگ بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو اللہ کے رسول نے آواز دی کہ یعنی! میں تو یہاں ہوں۔ پہلے تو کسی نے آپ کو پہچانا ہی نہیں مگر بعد میں آپ کے صحابی حضرت کعبؓ نے آپ کو پہچان لیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اللہ کے رسول یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس پہ لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس موقع پہ ابوسفیان نے پکار کر کہا ابن ابی کبشہ کہاں ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کو خاندان رضاعت کی بنا پہ یہ لقب دیتے تھے۔ اور اس سے آپ کی نعوذ باللہ تحقیر مقصود ہوتی تھی۔ پھر ابوسفیان نے کہا ابن ابی قحافہ کہاں

سے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کنیت تھی۔ وہ سمجھا کہ سب شہید ہو گئے ہیں آپ کے
سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اللہ کے
دشمن! ہم سب یہاں موجود ہیں۔ اللہ کا رسول بھی ہے۔ ابوبکرؓ بھی ہے اور میں عمرؓ
بھی ہوں۔ ابوسفیان نے نعرہ لگایا۔ اعل ھبل یعنی ہبل کی جے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے
جوابی نعرہ لگایا اللہ اعلیٰ و اجل۔ اللہ ہی سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ ابوسفیان
نے پھر کہا لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم ہمارا حامی عزیٰ ہے۔ اور تمہارا کوئی
عزیٰ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یوں کہو اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم ہمارا
مولا اللہ ہے۔ اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ اس نے پھر کہا۔ کہ ہم نے تمہارے
شہیدوں کے ناک کان کوٹ ڈالے ہیں۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ میں
اس پر ناراض ہوں۔ غرض میدان جنگ میں اس قسم کے مکالمے کا تبادلہ ہوا۔ مسلمانوں
نے ان پر دوبارہ حملہ کیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔
باقی تفصیلات اگلی آیات میں دوسرے رکوع تک آئیں گی۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا
يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ
الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا
يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ
بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

ترجمہ: پھر اتارا اللہ نے تمہارے اوپر غم کے بعد امن اونگھ جو ڈھانپ رہی تھی ایک
گروہ کو تم میں سے۔ اور ایک گروہ ایسا تھا کہ ان کو فکر مند کیا تھا اُن کی جانوں نے۔
وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال، جاہلیت کا خیال۔ وہ کہتے تھے
کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کہہ دیجیے معاملہ سب کا سب اللہ

کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنے نفسوں میں ان باتوں کو چھپاتے ہیں، جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر خلافت میں ہمارے لیے کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہہ دیجیے، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ نکلتے جن پر قتل کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اپنی قتل گاہوں کی طرف تاکہ اللہ تعالےٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے۔ اور تاکہ صاف کر دے اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے (۱۵۴) بیشک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پشت پھیری جس دن دو جماعتوں کی آپس میں ٹکر ہوئی۔ بیشک ان کو پھسلایا شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بردبار ہے (۱۵۵)

ان آیات کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کی کوتاہی کی بناء پر ان پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابتدائی فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے خود حضور علیہ السلام زخمی ہو گئے حتیٰ کہ آپ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے اہل اسلام کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود وہاں ٹھہر نہ سکے بلکہ واپس بھاگ گئے۔ آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مہربانی فرما کر کس طرح ان کے غم و اندوہ کو اطمینان میں بدل دیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن کی حالت نازل فرمائی۔ اور وہ امن کیا تھا نُّعَاسًا اونگھ تھی، جو تم پر طاری ہو گئی۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں۔ کہ دوران جنگ نیند یا اونگھ کا وارد ہو جانا حضور علیہ السلام کی نبوت و صداقت کی عظیم دلیل

اور معجزہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے زخمی حالت میں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی تھے۔ یہ تو سخت پریشانی کا عالم تھا۔ انسان کو نیند تو کجا ذرا سا چین بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں نیند کا آجانا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ اور عام قانون بھی یہی ہے۔ کہ اگر لڑائی کی حالت میں نیند طاری ہو جائے تو فتح و کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک نیک فال ہوتا ہے۔ کیونکہ تھکے ماندے پریشان حال شخص کو کچھ دیر کے لیے نیند آجاتے، تو اُسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ پریشانی دُور ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ نیند کی حالت صرف خالص ایمان والوں پر طاری ہوئی تھی۔ منافق اس نعمت سے محروم رہے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ نیند یا اونگھ بھی ایسی طاری ہوئی کہ ہاتھ سے تلوار گر پڑتی تھی جسے پھر اٹھانا پڑتا تھا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے نیند کے ذریعے اہل ایمان کا غم دُور کر دیا۔ اُن کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔ سورۃ نبا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا ہے۔ اور یہ سکون اہل ایمان کو عین جنگ کی حالت میں حاصل ہوا۔ يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ یہ اونگھ ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ کو جو کہ سچے مسلمان تھے۔ منافقوں کو یہ چیز نصیب نہیں ہوئی۔

منافقوں کے شبہات

فرمایا منافقوں کی حالت اُس وقت یہ تھی وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ کہ اُس گروہ کو اُن کی جانیں فکر مند کر رہی تھیں اُن کو چین نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو خوفزدہ ہو رہے تھے۔ کہ اب پتہ نہیں کیا ہو گا۔ ہم اس مشکل سے نکل سکیں گے یا نہیں۔ اُن کے دلوں میں طرح طرح کے باطل خیالات آ رہے تھے يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کر رہے تھے۔ غلط خیال قائم کر رہے تھے۔ کہ شاید اللہ اُن کی مدد نہیں کرے گا۔ اور انہیں فتح حاصل نہیں ہو گی۔ اور یہ گمان ایسے ہیں ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت جیسے گمان ہیں۔ اور ساتھ ساتھ عقیدہ تقدیر کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہو

رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ مشیت الٰہی کے مطابق ہے۔ جو کچھ اللہ کی تقدیر میں موجود ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ تقدیر ٹل نہیں سکتی۔ مومن تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو بھی خیر و شر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت سے آتا ہے۔ مگر منافقین زمانہ جاہلیت کے گندے عقائد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ "کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ یعنی ہمیں تو غم پر غم پڑ رہا ہے کیا ہمارے لیے اچھائی میں بھی کچھ حصہ ہے؟" اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ اے نبی علیہ السلام آپ کہہ دیجئے کہ سارے کا سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اسی کے ارادے اور مشیت میں کسی کو مجال دخل نہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتے ہیں کہ ان منافقین کی حالت یہ ہے کہ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ یہ لوگ اپنے نفسوں میں منافقانہ سازشوں اور گندے خیالات کو چھپائے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔

موت کا وقت مقرر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بدبخت اپنی منافقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا کہتے ہیں کہ اگر معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری بھلائی منظور ہوتی تو ہمارے اتنے آدمی شہید نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ خیال باطل محض ہے۔ کہ اگر جنگ میں شریک ہوتے تو بچ جاتے۔ بلکہ فرمایا قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں بھی پڑے ہوتے لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ تو جن لوگوں کی تقدیر میں موت لکھی جا چکی ہے وہ اپنے قتل گاہ کی طرف ضرور نکل آتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص کی موت کس مقام اور کس وقت پر واقع ہو گی۔ لہٰذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھے رہتے تو قتل نہ ہوتے جس خداوند کریم نے ان کے قتل کا مقام مقرر فرما دیا وہ ان کے اس مقام پر پہنچ جانے کا انتظام بھی فرما دیتا۔ لہٰذا اس قسم کے باطل خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں بلکہ تقدیر خداوندی پر راضی ہو جانا چاہیے۔

مومن کی آزمائش

تقدیر پہ ایمان لانا ایک مومن کا جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ جو انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ اُن کے حوادثات بھی اُن کے ساتھ مقدر ہیں۔ غزوہ احد میں جو تکلیف پہنچی وہ مسلمانوں کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ایسی ہی مشکل صورت حال میں کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آزما کر دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سچے مومن ہیں اور کن کے دلوں میں کھوٹ موجود ہے۔ چنانچہ منافقین کا ایک گروہ تو احد کی طرف آتے ہوئے رستے سے ہی واپس ہو گیا۔ اور جو میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ اُن میں سے بعض کے دل میں مختلف وسوسے پیدا ہونے لگے۔ کہ ہمیں فتح کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے اور یہ کہ اگر ہم اس جنگ کے لیے باہر نہ نکلتے تو شاید قتل ہونے سے بچ جاتے وغیرہ وغیرہ، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے کھرے اور کھوٹے کی آزمائش فرمائی۔ کیونکہ جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے وہ ہر حالت میں ثابت قدم رہے۔

اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ دلوں میں جو مختلف وسوسے اور شبہات پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو دور کر کے اہل ایمان کے دلوں کو ایسی اشیاء سے پاک صاف کر دیا۔

اس مقام پہ آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور آگے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ عقیدہ، ایمان اور اخلاص کا مرکز دل ہے لہٰذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے تاکہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے اور اس میں دین کے لیے اخلاص پیدا ہو جائے

یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ امتحان میں بالکل پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ
زنگی دل والے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس آزمائش کے
ذریعے ہم نے تمہارے دلوں میں موجود میل کچیل کو صاف فرما دیا۔ تمہیں احساس ہو
گیا کہ فلاں غلطی کی وجہ سے ہم پر یہ سختی آئی ہے۔ لہٰذا آئندہ کے لیے خبردار اور
مستعد ہو گئے۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں "مرد را روز بلا روز صفا است۔"
یعنی مرد مومن کے لیے مصائب و مشکلات کا دن اس کے لیے باطنی صفائی
کا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح پرانے شعراء بھی کہتے ہیں

حوادثات اور مصائب کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ یہ مصائب کمینوں
کے لیے زنگ آلودگی اور شریف لوگوں کے لیے دلوں کی صیقل کا باعث ہوتے
ہیں۔ اسی طرح لوہے کی زبان سے کہلوایا۔

میں تو فقط ایک ٹکڑا تھا۔ پھر تو نے مجھے مصائب میں ڈال کر تلوار بنا دیا۔ اور
حوادثات کی گردش نے میری دھار کو تیز کر دیا۔ مطلب یہ کہ انسان مصائب کی
بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ جب آزمائش آئے تو اس پر جزع فزع کرنے
کی بجائے اُسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ اور اپنے عقیدے پر ثابت قدم
رہنا چاہیے۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ ریاضت و عبادت کا مقصد انسان
کے نسمہ کی پاکیزگی ہے۔ نسمہ سے مراد روح ہے۔ جو مصائب و مشکلات میں پاک
صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نسموں کو
پاک کر دیا۔ اُن کے دلوں کی کجیاں دور ہو گئیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی
چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ زبان پر ہو یا سینے میں ہو۔ لہٰذا اپنے نسمہ کو پاک صاف
رکھو۔ اس میں بُرے خیالات کو جگہ نہ دو۔ ہر اچھائی اور تکلیف اللہ کی مقرر کردہ
تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق وقتاً فوقتاً تمہارا امتحان

لیتا رہتا ہے۔ اور مبارک باد کے مستحق نہیں وہ لوگ جو اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا جو اس امتحان میں پورا نہ اتر سکے۔ اور پھر اس لغزش کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

شیطان کا بہکاوا

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے پشت پھیری اُس دن جس روز دو جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اور یہ جنگ اہل اسلام اور کفار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں مسلمان سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے اور ان کی اکثریت میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ صرف قلیل تعداد میں مخلص لوگ ثابت قدم رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا اُن کے بعض اعمال یعنی کوتاہیوں کے سبب شیطان نے انہیں پھسلا دیا۔ تمام مسلمان بزدل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے بعض نے کمزوری دکھائی حالانکہ اس سے پہلے اسلام کے لیے ان کی بڑی بڑی قربانیاں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں جو سابقین الاولین اور پہلی ہجرت یعنی حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں مگر اس موقع پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ کے دل میں کچھ کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ خود حضور علیہ السلام کو زخم آئے بلکہ شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ افراتفری کے عالم میں حضرت عثمانؓ کے پائے ثبات میں لغزش آگئی جس کی وجہ سے شیطان مخل ہوا۔ اس نے وسوسہ ڈالا اور پھر آپ ٹک نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوتے ہوئے مگر جلد ہی دل کی وہ میل کچیل صاف ہو گئی۔ حضور علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خبر ملی اور آپ واپس آگئے۔ اس کے بعد پھر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور کافروں کو بھاگتے بنی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر ثابت قدم کر دیا۔

بہرحال صحابہ کرامؓ کی یہ لغزش تھی کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ اللہ کا نبی زخمی حالت میں موجود ہے اور وہ پکار رہا ہے۔ کہ اللہ کے بندو! کدھر جا رہے ہو؟

اس طرف آئے۔ یہ یقیناً غلطی تھی۔ جو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے واقع ہوئی۔ شیطان نے
وسوسہ اندازی کی مگر اس کے باوجود وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ اللہ نے
اُن کو معاف فرما دیا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ۔ اب پھر
دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ نے اُن غلطیوں سے درگزر فرمایا۔ لَقَدْ تاکید کے لیے
ہوتا ہے۔ البتہ بتحقیق اللہ اُن کو معاف فرما چکا ہے۔ صحابہؓ کی اس عام معافی کے
بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُن پر نکتہ چینی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ
پر اعتراض کیا، کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ ایسا ہی ہے مگر اُس کی
وجہ کیا تھی۔ وہ خود بھی شریک جہاد ہونا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور آپ کی زوجہ بیمار تھیں۔ اللہ کے رسول نے حضرت عثمانؓ
کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ٹھہر جائیں آپ نے اُن کی
تسلی کے لیے فرمایا۔ کہ آپ کی اس جنگ میں عدم شرکت کے باوجود اللہ تعالیٰ
آپ کو شریک ہونے والوں جیسا اجر عطا کرے گا۔ اور اللہ کا رسول غنیمت میں ویسا
ہی حصہ عطا کرے گا، جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو ملے گا۔ بات واضح ہو گئی۔
کہ جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم
کی وجہ سے تھی۔ حضور علیہ السلام کی لخت جگر اسی دوران فوت ہو گئیں۔ اور حضور علیہ السلام
نے حضرت عثمانؓ کو مال غنیمت سے برابر کا حصہ دیا۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عثمانؓ
کا نام بدری صحابہؓ میں موجود ہے۔

آپ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان حدیبیہ
میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے
کہ حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلام نے کفار مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت
اس کام کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ اور بیعت رضوان کی ضرورت
اس وقت پیش آئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ بیعت رضوان

تو اُن کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے ہوئی تھی لہٰذا اس واقعہ میں اُن کی شرکت کیونکر ممکن تھی۔ غرضیکہ لوگوں کا یہ اعتراض بھی قابل قبول نہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی ان لغزشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ لہٰذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہ کبارؓ پر طعن تشنیع کا مرتکب ہوگا، اس کے اپنے ایمان میں فتور ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کے متعلق تو خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اللہ تعالیٰ نے اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کو رضائے الٰہی کی ڈگری حاصل ہو چکی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور بردبار ہے۔ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ اہل ایمان کو موقع دیتا ہے۔ کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔

درس پنجاہ و چہار ۵۴ | آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں سے کہا جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ مجاہد تھے۔ کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے۔ تاکہ کر دے اللہ اس بات کو حسرت اُن کے دلوں میں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۱۵۶﴾ اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مر گئے البتہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جس کو یہ جمع کرتے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے ﴿۱۵۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں گذر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خاص طور پر تلقین فرمائی ہے۔ ایک بات یہ کہ اے مسلمانو! صبر و استقلال سے کام لینا اور اللہ کے فرستادہ

انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنا۔ اور دوسری بات یہ کہ کافروں
کا کہنا نہ ماننا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور خاص طور پر منافقین کے
غلط پروپیگنڈا سے متاثر ہونے کی تلقین کی ہے۔ غزوہ احد میں تین سو منافق ابتدا
ہی میں لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گئے جو کہ صریح غداری تھی۔ پھر ان میں سے جو لوگ
شریک جنگ بھی ہوئے وہ بھی دل شکستگی کے ساتھ۔ گزشتہ آیات میں بیان
ہو چکا ہے کہ کس طرح رسول —— نے بہادری کا مظاہرہ کیا جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ مسلمانوں کی وقتی شکست کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کی صورت میں
امن نازل فرمایا جب کہ منافق اس نعمت سے محروم رہے۔ انہیں اپنی جانوں
کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ اب زندہ سلامت
واپس نہیں جا سکیں گے۔ بہر حال آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے
مسلمانوں کی توجہ منافقین کی ایک اور سازش کی طرف دلا کر اس سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

منافقین کی تدبیر

ارشاد ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا
اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ان
کفار میں منافقین کا گروہ بھی شامل ہے۔ خاص طور پر اعتقادی منافق اس جماعت
کے بدترین لوگ ہوتے ہیں ان کے متعلق خود قرآن پاک کا فیصلہ ہے اِنَّ
الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی بے شک منافقین
کا ٹھکانا جہنم کے سب سے نچلے والے خطرناک گڑھے میں ہوگا۔ ان کی سازش اب یہ
ہے۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ کہ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے
میں کہا تھا۔ اور بھائی بندوں سے مراد مسلمان ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے اس
وقت کہی اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ جب انہوں نے یعنی مسلمانوں نے
زمین میں سفر کیا اَوْ کَانُوْا غُزًّی یا جب وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ مطلب
یہ کہ جب بھی مسلمان تجارتی یا دیگر سفر پر گئے اور وہاں موت آگئی، یا پھر کسی جہاد
میں شریک ہوئے اور شہادت نصیب ہو گئی، ایسی صورت حال میں منافقین کہتے

سے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا اگر یہ مسلمان ہمارے پاس ہوتے یعنی مذکورہ سفر پر نہ
جاتے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیا ہوتا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا
نہ وہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی اُن کی جان بچ جاتی۔ دراصل منافق مسلمانوں
کو سفر اور جہاد سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ کہ یہی چیزیں ان کی موت کا سبب
بن رہی ہیں، لہٰذا اُن کو نہ کسی سفر پر جانا چاہئے۔ اور نہ کسی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔

اس آیت کریمہ میں اِخْوَانِهِمْ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ منافقین
اور مسلمانوں کو بھائی بند کہا گیا ہے۔ اور یہ اس اعتبار سے کہ مدینے میں بسنے
والے سارے قومی بھائی تھے۔ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود
بحیثیت قوم یہ لوگ بھائی بھائی تھے۔ ایسا بھی تھا کہ ایک ہی خاندان کے افراد
ہونے کے باوجود بعض لوگ مسلمان ہو گئے بعض منافق اور کافر رہے اور انہیں
سے بعض یہودی تھے۔ لہٰذا یہ سب لوگ آپس میں ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے
تھے۔ اور پھر ان میں رشتہ داری اور قرابت بھی تھی۔ اس واسطے اخوان کا لفظ استعمال
ہوا ہے کہ منافق کافروں نے اپنے مسلمان بھائی بندوں سے کہا کہ تم خواہ مخواہ
دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہو اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی موت کو دعوت دیتے
ہو۔ ہماری طرح گھر میں بیٹھے رہتے تو تمہاری جان بچ جاتی۔

حسرت و یاس

ایسی بات کرنے سے منافقین کا مقصود یہ ہے۔ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ
حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن (مسلمانوں) کے دلوں میں حسرت
پیدا کر دے۔ اُن کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ منافقین بات تو صحیح کہتے
ہیں۔ واقعی اگر جہاد میں شریک نہ ہوتے تو ہمارے آدمیوں کی جان بچ جاتی۔ اللہ تعالیٰ
نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ منافقین کی ایسی مایوس کن باتوں میں نہ آئیں۔ بلکہ اللہ
کے حکم کے مطابق جہاد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں کیونکہ دینِ اسلام اور مسلمانوں کی
بقا اسی راز میں مضمر ہے۔

حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

منافقین کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اگر مسلمان کفار و منافقین کی اس چال میں نہ آئیں اور وہ سفر اور جہاد میں برابر شریک ہوتے رہیں تو یہ چیز خود منافقین کے لیے باعثِ حسرت ہوگی کہ ان کی تمام تر سعی کے باوجود مسلمان ان کے بہکاوے میں نہیں آئے، لہٰذا ان کے دلوں میں حسرت و یاس پیدا ہوگی اور وہ خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔

موت و حیات کا سررشتہ

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ موت و حیات کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرتا جس شخص کی جس وقت موت مقدر ہو چکی ہے، لامحالہ اس میں سرمو فرق نہیں آ سکتا، کوئی گھر میں بیٹھا ہے یا سفر و جہاد میں شامل ہو موت کا وقت بہر حال معین ہے۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ لہٰذا کفار و منافقین کا یہ کہنا کہ مسلمان جہاد میں شریک ہو کر خود موت کے منہ میں جاتے ہیں۔ ناقابلِ فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھا دی کہ اگر اس قسم کا عقیدہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو یہ بہت بری بات ہے۔ انہیں اپنے عقیدۂ موت و حیات پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کیونکہ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ زندہ کرنا اور موت دینا تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک تو وہ ہے جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے اُسے اپنے پاس بلالے۔ اس کی حکمت کو وہی مالک الملک جانتا ہے۔ محض جہاد میں شرکت موت کو دعوت دینے والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھیے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلام کے عظیم سپاہی اور قابل جرنیل تھے۔ انہوں نے یرموک اور موتہ جیسے عظیم معرکے سر کیے۔ اُن کے جسم کا ایک بالشت بھر مقام بھی ایسا نہیں تھا۔ جہاں پر تیر، تلوار یا نیزہ کا زخم نہ آیا ہو مگر میدانِ جہاد میں شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ زندگی کے آخری حصہ میں افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے کہ بے شمار جنگوں میں حصہ لیا مگر تمام تر خواہشات کے باوجود شہادت نصیب نہیں ہوئی اور موت بستر پہ آ رہی ہے فرماتے تھے فَلَا قَرَّتْ اَعْيُنُ الْجُبَنَاءِ خدا اس بزدل کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے

جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔ اسے میری حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ میں نے کتنے جہاد کیے بسا اوقات دشمن کے نرغہ میں رہا ہوں مگر اُنکے ہاتھوں موت نہیں آئی۔ لہٰذا جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ موت کا خوف دلانا منافقین کی چال ہے اس سے خبردار رہنا چاہیئے۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

شہادت کے لیے انعام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے اَوْ مُتُّمْ یا طبعی موت مرے تو اس کا حاصل یہ ہوگا۔ لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بخشش کا اعلان ہو جائے گا۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، غلطیاں قلم زد کر دی جائیں گی۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی عبادت کے پس منظر میں تین نظریات ہوتے ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہے۔ وہ مامورات اور منہیات کو اس لیے انجام دیتا ہے کہ کہیں خدا کی گرفت میں نہ آجائے۔ اس کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ جس شخص کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہی کامیاب و کامران ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت گذار کو خدا کی جانب سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کہتا ہے جاؤ تمہاری غلطیاں معاف کر دی گئی ہیں۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی جنگ وہ خالص خدا پرست لوگ تھے۔ جونہی غلطی کا احساس ہوا پھر اکٹھے ہو گئے اور جانبازی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بلاشبہ اللہ کی مغفرت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ اللہ نے ان کو معاف فرمادیا۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کرتے وقت کسی شخص کے پیشِ نظر یہ دوسری چیز ہوتی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں، اس کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہو اور اس کے صلہ میں اسے بلند درجہ نصیب ہو۔ فرمایا ایسے شخص

کا مقام رحمت ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کیلئے
مغفرت اور رَحْمَۃٌ ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت
خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ دنیا میں اکٹھا کرتے ہیں۔
ہر چند روزہ دنیا ہے۔ اس کا مال و اسباب اور روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے
مقابلے میں حقیر ہے۔ اصل چیز ایمان اور نیکی ہے۔ لہٰذا اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ اور
منافقوں کی چال میں نہیں آنا چاہیے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی
عبادت گزار کے پیشِ نظر تیسرا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے
وہ یہی دعا کرتا ہے اَسْئَلُکَ رِضَاکَ کہ اے مولا کریم! میں تیری رضا چاہتا ہوں۔
اور یہ سب سے بلند مقام ہے

اللہ کے حضور پیشی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ اگر تم طبعی موت
مرو یا شہید ہو جاؤ لَاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ تو لامحالہ تم سب خدا تعالیٰ کی طرف ہی
اکٹھے کیے جاؤ گے۔ مومن کا یہ ایمان ہے کہ مرنے کے بعد اسے براہ راست خالق کے
کے حضور پیش ہونا ہے۔ بعث بعد الموت پر اس کا یقین ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ زندہ
رہنے میں ہی تمہارا فائدہ ہے۔ مرنے کے بعد محروم ہو جاؤ گے۔ بلکہ یاد رکھو تمہیں
بہرحال اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اور وہ باز پرس بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا موت
کے ڈر سے جہاد سے اجتناب نہ کرو۔ مجرم اور گنہگار بن کر رب العزت کے حضور
پیش نہ ہونا بلکہ ایسے اعمال لے کر حاضر ہونا جن کی وجہ سے تمہیں اللہ کی مغفرت
اور مہربانی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرما دیا کہ کافروں اور منافقوں
کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ ان کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔

درس پنجاہ و پنج ۵۵ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم خو ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے پس ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ پس جب آپ نے پختہ ارادہ کر لیا، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریگا، پس تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رسوا کر دے تو کون ہے جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۶۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ کافروں کے ساتھ مشابہت نہ کریں۔ وہ تمہیں بزدل بنا کر دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا لازماً ہی

شہید نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس کی زندگی باقی ہے، تو وہ میدانِ جنگ سے بھی زندہ سلامت واپس آئے گا۔ اور جس شخص کی موت لکھی جا چکی ہے وہ اگر اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوگا تو عین موقع پہ اپنی قتل گاہ پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ اگر وہ راہِ خداوندی میں شہید ہوگئے تو اللہ کی مہربانی ان کے شاملِ حال ہوگی۔ اور دنیا کے اس مال و متاع سے بہتر ہوگی جسے لوگ زندگی بھر اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا کوئی طبعی موت مرے یا راہِ حق میں شہید ہو جائے، سب کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے، جہاں تمہاری بہتری کے وافر سامان موجود ہیں، لہٰذا موت سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے۔ کہ اللہ کے فضل سے آپ نہایت ہی نرم دل، شفیق اور مہربان ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حسنِ سلوک فرماتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر انہوں نے غلطی ضرور کی جس کی وجہ سے بہت سی تکلیف اٹھانا پڑی۔ مگر بہرحال یہ لوگ مخلص تھے۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور آپ تنگ دل ہو کر ان پر ناراض نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو دین کی ترقی رک جائے گی اور مسلمانوں کی جو تھوڑی سی جماعت قائم ہوگئی ہے، اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔

نبی علیہ السلام کی نرم مزاجی

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اخلاقِ حمیدہ اور اپنی خصوصی عنایت کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب لِنْتَ لَهُمْ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی ہے۔ کہ آپ کو اپنے صحابہ کے لیے نرم بنایا۔ یہاں پر فَبِمَا میں مَا زاید ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کے لیے آتا ہے اور اس کی مثالیں قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ پس بسبب بنی اسرائیل کے عہد و پیمان توڑنے کے ہم نے ان پر سختیاں کیں اور ان کو گرفت میں لیا۔ عربی کا مشہور شاعر متنبی بھی اپنے کلام میں مَا کا لفظ اپنی

معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

انھی ما الیک ادرکنی الحلم
عداتی عن ھیجکم اشفاقی

جاؤ اب میرے اندر بردباری آگئی ہے۔ تم جس شوق و محبت سے مجھے ابھارتی تھیں وہ اب مجھ سے دور ہو گئی۔ مجھے خود بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

بہر حال یہ مَا تاکیدی ہے۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا بھی دیا جائے تو معنی میں خاص فرق نہیں آئے گا جیسے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ اللہ کی مہربانی سے لِنتَ لَهُمْ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا اور اگر آپ تند خو ہوتے یا سخت مزاج ہوتے۔ یا پھر غَلِيظَ الْقَلْبِ تنگ دل ہوتے لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے۔ یہ اللہ کا فضل عظیم ہے کہ آپ عالی اخلاق اور نرم مزاج ہیں۔ آپ کی رحم دلی کا یہ عالم ہے کہ غزوہ احد میں جلیل القدر صحابہؓ کے تتر بتر ہو جانے کے باوجود آپ نے ان کو ملامت نہیں کی اور نہ ان سے سختی سے پیش آئے۔ آپ نے ہر ممکن حد تک صحابہ کی اصلاح فرمائی ہے۔ اگر آپ دنیوی سلاطین کی طرح صاحب اقتدار ہوتے تو صحابہؓ کی اس غلطی کا سختی سے نوٹس لیتے اور ان کو سرزنش کرتے مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کیونکہ آپ نرم دل اور شائستہ مزاج تھے۔ اگر آپ میں یہ عالی ظرفی نہ ہوتی تو لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔

بخشش معافی اور مشورہ

اس بات کا امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کچھ رنجش باقی رہتی کہ صحابہ کرامؓ نے خلاف توقع عمل کیوں کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش کر دی فَاعْفُ عَنْهُمْ اے نبی کریم اپنے صحابہ کی یہ لغزش معاف کر دیں دل میں ان کے متعلق کسی قسم کا رنج نہ رکھیں بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ کا رسول بخشش طلب کرے گا۔ وہ ضرور فائز المرام ہوگا۔

اس بات کا بھی امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی رنج تو باقی نہ ہے مگر ان کی لغزش کی وجہ سے آئندہ آپ بھی ہرگز مشورہ ہی نہ کیا کریں۔ جیسے غزوہ احد کے موقع پر کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی صاف فرما دیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ فرما لیا کریں۔ حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جنگ یا دیگر معاملات میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

وہاں مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الٰہی کے ذریعے واضح حکم موجود نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاں اللہ کا حکم موجود ہو، وہاں اس کا اتباع لازم ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے فرائض میں احکام الٰہی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر وحی نہ آتی تو پیغمبر علیہ السلام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی۔ افک کے معاملہ میں مہینہ بھر وحی نہ آنے کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَشِيرُوا عَلَيَّ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے، میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی مگر بعض لوگ برائی کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جب وحی نازل ہو گئی تو سارے الزام اور بہتان ختم ہو گئے۔ آپ کی تسلی ہو گئی اور مخبروں کو سزا دی گئی۔ منافقوں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے متعلق دو رکوع نازل فرمائے۔

مشاورت کی مثالیں

حضور علیہ السلام نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن ہجوم کرتا ہے تو بسا اوقات اپنے شہروں اور بستیوں کے ارد گرد خندق کھود کر دفاع کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھود دیا گیا۔ اور ایک طرف خود دشمن کا دفاع کیا۔ مجاہدین صرف تین چار ہزار تھے۔ جب کہ مقابلے میں پچیس ہزار کا جم غفیر تھا۔ مشرکین نے بڑی تیاری اور ساز و سامان کے ساتھ حملہ کیا مگر ناکام ہے

آپ نے فرمایا: مشرکوں کا یہ آخری حملہ تھا۔ آئندہ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ہی اُن پر حملہ آور ہوں گے۔

اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور علیہ السلام کا خیال ہوا کہ قبیلہ غطفان کے بعض سرداروں سے معاہدہ کر لیا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ مدینے کے درختوں کی آمدنی یا پھل کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں اُن سے عہد لیا جائے کہ وہ مشرکوں کا ساتھ نہ دیں۔ معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔ خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل اچھل کر گلے تک آ رہے تھے۔ اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب یوں بیان فرمایا بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ۔ اس تمام تر دباؤ کے باوجود مدینے کے انصار صحابہ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام کی رائے سے اتفاق نہ کیا بلکہ عرض کیا حضور! ہم اپنے شجاع کی سرتوڑ کوشش کریں، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری کا سامان پیدا کر دیگا مگر مدینے کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دینا منظور نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے مجوزہ معاہدہ نہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرک ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر حباب بن منذر نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں مقام پر پڑاؤ کریں تو ہمیں پانی اور دیگر ضروریات کے حصول میں سہولت رہیگی آپ نے اس رائے کو قبول فرماتے ہوئے اسی مقام پر ڈیرا جمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح عظیم سے نوازا۔ غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم بذریعہ وحی نہیں ملتا تھا تو آپ مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا قانون بھی سمجھا دیا۔

مشورے کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ نبی علیہ السلام کے لیے مستحب تھا۔ مگر بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ

شَاوِرْهُمْ امر کا صیغہ ہے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کا صحابہ سے مشورہ فرمانا
وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ جو حضرات مستحب ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے
ہیں کہ آپ کے لیے مشورہ کرنا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کی تطییب خاطر کے
لیے تھا۔ امام ابوبکر جصاصؒ بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے
احکام پر عظیم کتاب لکھی جس میں صرف احکام پر بحث کی گئی ہے۔ آپ حنفی امام تھے
رَے کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ بڑا مردم خیز خطہ تھا جس میں امام عبدالقادر رازیؒ
عبداللہ بن مبارکؒ، امام فخر الدین رازی وغیرہ ہوئے ہیں۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے
ہیں کہ شَاوِرْهُمْ کا حکم وجوبی ہے جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو
ان معاملات میں حضور کا صحابہ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ
مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے۔ ہر شخص تو مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کا الگ
قانون موجود ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام اکثر معاملات میں کبار صحابہؓ سے مشورہ فرمایا
کرتے تھے۔ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ
کی رائے کو تسلیم کیا اگرچہ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ مسند احمد کی حدیث میں
یہ الفاظ آتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے
فرمایا لو اجتمعتما ما خالفتکما اگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق ہو جاؤ
تو میں تمہارے خلاف نہیں کروں گا۔ یعنی تمہاری رائے کو اختیار کر لوں گا۔ شیخانؓ
اور بعض دوسرے صحابہؓ نہایت ثقہ لوگ تھے، صاحب فہم، موقع شناس
اور سمجھدار تھے۔ لہٰذا آپ ایسے ہی لوگوں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ غرضیکہ اکثریت
کی رائے یہ ہے کہ مشورہ کا حکم وجوبی ہے۔

ڈکٹیٹر شپ
نا اہل مشاورت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی فرماتے ہیں کہ مشاورت واجب ہے اور یہ صاحب الرائے
لوگوں سے ہونی چاہیے۔ مگر آج کے مسلمان امراء ملوک اور سلاطین صحیح لوگوں سے
مشورہ کرنا ترک کر چکے ہیں۔ بلکہ خلاف اس کے من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں
جس کی وجہ سے قوم و ملت کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشورہ کرنے کے پابند تھے۔ تو کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا وہ اصحاب حل وعقد سے مشورہ کیے بغیر اپنی خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتا رہے۔ ہماری تاریخ بنی عباس کے زمانے سے یہ مصیبت چلی آ رہی ہے۔ کہ ملوک مشورہ سے معاملہ سلجھانے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اور اگر مشیر رکھے ہوتے ہیں تو ایسے جو محض اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں، جو کچھ صاحب اقتدار نے کر دیا انہوں نے اُس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہی چیز قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! جو بات نہیں قرآن وسنت میں نہ مل سکے اُس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے آپ نے فرمایا شاوروا الفقہاء والعابدین یعنی دین میں سمجھ رکھنے والے اور نیک لوگوں سے مشورہ کیا کرو ولا تمضوا رایۃ الخاصۃ اور کسی خاص رائے کے ذریعے کی بات کو نہ مانو کسی فاجر فاسق کو اپنا مشیر نہ بناؤ بلکہ نیک اور صالح لوگوں سے مشورہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت ڈالے گا۔

نانی کی وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس کا حل میں قرآن وسنت میں تو نہیں پاتا لہٰذا لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے اس کے لیے اعلان فرمایا۔ پھر جس کے پاس علم تھا اُس نے آ کر گواہی دی تو معاملہ طے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی اہل لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں عورتوں کی رائے بھی لے لیتے تھے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم رؤف الرحیم سے فرمایا کہ آپ ایسے معاملات میں مشورہ کر لیا کریں فَاِذَا عَزَمْتَ پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں۔ آپ معاملہ کے متعلق کسی نتیجہ پہ پہنچ جائیں مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ تو اللہ پہ بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ میں عمل پیرا ہو جائیں اور کوئی حکم ہو تو اُس کو جاری کر دیں۔ اس سے مفسرین کرام نے قانون اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں آراء مختلف ہوں تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے

نبی مشورہ کو قبول کرے یا اقلیت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ جاری کر دے۔ عام دنیوی امور میں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے مگر اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا ہے تو اُسے بعینہٖ تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو پھر امیر اپنی صوابدید سے اکثریت یا اقلیت میں سے کوئی بھی رائے تسلیم کر کے فیصلہ دے سکتا ہے وہ کثرت رائے کو تسلیم کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے نبی کریم! جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو پھر اللہ تعالیٰ پہ بھروسہ کرتے ہوئے اُس کو پایۂ تکمیل پہ پہنچا دیں۔ کیونکہ معاملہ جنگ کا ہو یا کوئی اور ہو اس کا بنانا یا بگاڑنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ آپ اس کے بھروسہ پہ کام شروع کر دیں کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ انہی کو پسند فرماتا ہے جو اس پہ بھروسہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متوکل علی اللہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے معبود حقیقی کو پہچانتے ہیں۔

نصرت الٰہی

اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے دوسرا قانون یہ بیان فرمایا اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی دوسرا تم پہ غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نیکی کے کاموں میں مدد کرے گا۔ فسق و فجور، عیاشی، فحاشی اور فیشن کے کاموں میں مدد نہیں کرے گا اور نہ وہ ایسے لوگوں کو غالب کرے گا۔ اور دوسری بات یہ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ اور اگر وہ تم کو رسوا کر دے۔ اور وہ بداخلاقی، بےحیائی، ظلم اور تکبر کرنے والوں کو ذلیل و خوار بھی کر دیتا ہے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو فرمایا یاد رکھو فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ پھر اُس کے سوا تمہاری کون مدد کرے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا حاکم، بادشاہ یا ڈکٹیٹر کوئی بھی ہو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ احکم الحاکمین نے تمہاری مدد روک دی ہے اور اُس سے بڑی سپر پاور اور کوئی نہیں جو اُس کے حکم کے آگے ایڑا دے کر مدد کو پہنچ سکے۔ لہٰذا تمہیں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہو گا۔ اُس کی مشیت

خلاف کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ فرمایا جب یہ اصول اٹل ہے تو پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ جن لوگوں کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں وہ اللہ ہی پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ اِدھر اُدھر اندھیرے میں ٹکریں نہیں مارتے۔ غیر اللہ کے دروازوں پہ نہیں جاتے بلکہ فقط اسی ذات وحدہٗ لاشریک پہ بھروسہ کرتے ہوئے اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

درس پنجاہ و شش ۵۶ | آیت ۱۶۱ تا ۱۶۴

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (۱۶۱) أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۱۶۲) هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ (۱۶۳)

ترجمہ: اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو شخص خیانت کریگا، تو وہ لائیگا اس چیز کو جو اس نے خیانت کی قیامت کے دن۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۶۱) بھلا جس شخص نے اللہ کی رضامندی کی تابعداری کی، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی اور غصہ لے کر لوٹا ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے (۱۶۲) اللہ کے نزدیک یہ مختلف درجات ہیں۔ اور اللہ نگاہ میں رکھتا ہے اُن کاموں کو جن کو یہ لوگ کرتے ہیں۔ (۱۶۳)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آپ کا حسن اخلاق کامیابی کی دلیل ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں دین اللہ کا عام قانون یہی ہے "اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ" کہ تبلیغ اسلام کا فریضہ اچھے طریقے سے اور خوش اخلاقی سے

انجام دو۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ تم ایک اکھڑ مزاج اور ظالم قوم کے پاس جا رہے ہو۔ "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ" لہٰذا فرعون کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کر جائے۔ غرضیکہ اسلام نے ہمیشہ خوش خلقی کی تعلیم دی ہے۔

حضور علیہ السلام کے صحابہ سے احد کے موقع پر جب لغزش ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ان کو معاف کر دیں، ان کے لیے بخشش کی دعا کریں اور ان سے مشورہ بھی کرتے رہیں۔ کہیں دل برداشتہ ہو کر آپ صحابہ سے مشورہ کرنا ترک نہ کر دیں بلکہ انہیں ہمیشہ اعتماد میں لیا کریں کیونکہ مشورہ بڑی اہم چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی معاملہ کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ کے بھروسہ پر اسے انجام دے دیں۔ کیونکہ متوکلین اللہ کے محبوب ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو ایک اور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ کا نبی جس طرح نرم مزاج اور رحم دل ہوتا ہے، اسی طرح وہ امین اور دیانتدار بھی ہوتا ہے۔ کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ (نعوذ باللہ) خیانت کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے، نبی کے منصب کے خلاف ہے۔ اللہ کا نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے، وہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی غیر اخلاقی فعل کا مرتکب نہیں کرتا۔

شانِ نزول

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ یہ بات کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے یا کسی چیز کو چھپائے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق غزوہ بدر سے متعلق ایک واقعہ کے ساتھ ہے۔ جنگ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا، اس میں سے ایک کمبل یا چادر گم پائی گئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا کہ شاید یہ چادر حضور علیہ السلام نے خود لے لی ہو۔ اس قسم کی بات اگر منافق کرے تو اس سے

پھر بعید نہیں کیونکہ انہیں تو بات کرتے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیئے۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے یہ بات کی ہوگی تو یہ سمجھ کر کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی بھی چیز حاصل کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ لہٰذا اسی حق کی بنا پر آپ نے یہ چادر لے لی ہوگی۔
بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی طرف سے ایسے فعل کے ارتکاب کی سختی سے تردید فرمائی۔ اور لوگوں کو خبردار کیا کہ تمہارا نبی اخلاق کے عالی مرتبے پہ فائز ہے۔ لہٰذا یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر خود بخود بھی کوئی چیز اپنے لیے رکھ لے گا۔

غلول کا مفہوم

غلول اصل میں مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں اس کے علاوہ غلول کا اطلاق مطلقاً خیانت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی دوسرے کے حق کے ضیاع پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول یعنی اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔
مقصد یہ کہ غلول مطلقاً خیانت پر بھی بولا جاتا ہے اور مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے اسلام نے اس ضمن میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔

خیانت کبیرہ گناہ ہے

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لا یحل لامرء مسلم مال اخیہ الا بطیب نفسہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ میں لے۔ اگر اپنی خوشی سے ایک مسلمان دوسرے کو کوئی چیز دیتا ہے تو وہ جائز ہے اور چوری، خیانت، دغا بازی یا فراڈ سے کوئی چیز حاصل کرنا دوسرے بھائی کا حق ضائع کرنا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں تو یہ بھی آتا ہے۔ کہ اگر کچھ آدمی اکٹھے کھجوریں کھا رہے ہوں۔ تو کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ ایک کی بجائے دو دو کھجوروں کا لقمہ بنائے البتہ اگر اس کے

شریک طعام اُس کو اجازت دیتے ہیں، تو پھر جائز ہے۔ غرضیکہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسرے بھائی کا حق بغیر اُس کی اجازت کے حاصل کرے چہ جائیکہ اللہ کا نبی ایسا کام کرے۔

ترمذی شریف میں غزوہ خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام کا کرکرہ نامی ایک غلام تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لیے شہادت مبارک ہو۔ اس پہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کلّا ہرگز نہیں، وہ تو جہنمی ہے۔ اُس غلام نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر غصب کی تھی، وہ اس پہ شعلے بن کر چمٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مال غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر حاصل کی ہوئی تھی سب واپس کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی شخص نے جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی ناحق وصول کئے ہیں۔ تو وہ بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا شراکا فی النار وشی اکان فی النار ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاگا رکھ لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام کی وعید سُنی تو وہ دھاگا لے کر حاضر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا، اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دھاگے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تم نے غلط کام کیا ہے۔ غرضیکہ آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ گویا خیانت کبیرہ گناہ ہے۔

تکبر، غلول اور قرض

ترمذی شریف میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من خرج روحه الجسد وهو بری من ثلاث دخل الجنة الکبر والغلول والدین یعنی جس شخص کی روح اس حالت میں اُس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے یعنی تکبر، خیانت اور قرض، تو وہ شخص جنت کا حقدار ہے۔

تکبر صرف ذات باری تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ بہت ہی بُری خصلت ہے۔ تکبر کا عام معنی ہے بطر الحق وغمط الناس

یعنی سچی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ طاقت، دولت، اقتدار، قومیت وغیرہ کی بنا پر دوسروں کو حقیر جاننا اور سچی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ یہ وہی بیماری ہے۔ جو ابلیس کو لاحق ہوئی اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ"
ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا جس کی وجہ سے وہ جہنمی ٹھہرا۔ اس نے کہا کہ میں ناری ہو کر خاکی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں، میں آدم کی تعظیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ میں اُس سے اعلیٰ ہوں۔ تکبر بہت بڑی بیماری ہے۔ اور اس کا علاج اس سے زیادہ مشکل ہے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ایک پہاڑ کو سوئی کے ساتھ اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو کسی کی طبیعت سے نکالنا بہت مشکل ہے، بزرگان دین لوگوں کی تربیت کرتے وقت سب سے آخر میں تکبر کو ان کے دل و دماغ سے نکالتے ہیں۔ یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا علاج بڑا مشکل ہے
فرمایا دوسری چیز غلول یعنی خیانت ہے جس کی وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں چلے جائیں گے۔ خیانت خواہ مال غنیمت سے ہو یا مطلق خیانت، یہ بہر حال بہت بری خصلت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں داخلے کے لیے اس سے برأت ضروری ہے تیسری اہم چیز قرضہ ہے۔ فرمایا کسی شخص کے ذمہ قرضہ نہیں ہونا چاہیئے جب کہ وہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔ قرض دوسرے کا حق ہوتا ہے جسے لازماً واپس لوٹانا چاہیئے اسے ادا کیے بغیر جان نہیں بچ سکتی آخرت میں پکڑا جائے گا۔ عورتوں کا مہر بھی انسان کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ادا نہیں کرتے وہ مجرم ہیں۔ اگر معاف بھی کرانا ہے تو عورت خوشی سے معاف کر دے۔ اگر محض رواجی طور پر معافی کا لفظ ادا کر دیا، تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ بڑے بڑے لوگ مہر ادا نہیں کرتے اور معافی کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ قرض کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک حقدار اسے معاف نہ کر دے۔ اسے معمولی بات سمجھ کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ بہتر ہے کہ ہر مسلمان

حتی الامکان قرضہ لینے سے اجتناب کرنے۔ اسکی بجائے تکالیف برداشت کرے صبر کرے مگر قرض نہ لے کیونکہ اس کی ادائیگی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ جب قرض ادا نہیں کرتا اور ٹال مٹول اور جھوٹے وعدے کرتا ہے تو مزید جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ان تین چیزوں یعنی تکبر، خیانت اور قرضہ سے بچ کر آ گیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

خائن کی سزا

الغرض! فرمایا کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے وَمَنْ يَّغْلُلْ اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرے گا يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تو وہ خیانت شدہ چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ اور پھر اس کی رسوائی ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔ اے لوگو! میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اونٹ چوری کرے گا، تو قیامت کے دن اُسے اپنی گردن پہ اٹھا کر لائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ تو زمین کا وہ ٹکڑا ساتوں زمین نیچے تک اُس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ جو اُسے کھینچتا ہوا لائے گا۔ اسی طرح فرمایا۔ اگر کسی نے سو اونٹ چوری کیے ہیں، تو سارے کے سب اپنی گردن پہ اٹھا کر لائے گا۔ بعض لوگوں نے اس اشکال کا اظہار کیا ہے۔ کہ زمین جیسی بڑی چیز یا سو اونٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لائے گا۔ اِس ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں مغربی ذہن کے انگریزی دان لوگ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ یہی سوال کسی صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے جسم اتنے بڑے بڑے ہو جائیں گے کہ اُن کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے بیٹھنے کی جگہ مدینہ سے ربذہ تک یعنی چھتیس ۳۶ میل لمبی چوڑی ہوگی۔ تو اتنے بڑے جسم کے لیے سو اونٹ یا کوئی اور بڑی چیز اٹھانا کیسے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اٹھائی جانے والی چیز حقیقی نہ ہو بلکہ مثالی ہو۔ اونٹ سو ہوں یا ہزار مثالی رنگ میں پیش کرنا کون مشکل ہے۔ اور اگر کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے تو بھی گھسیٹ

کرلانا ہوگا مقصد یہ ہے کہ اس دن ہر بُرا فعل ظاہر کردیا جائے گا۔ انسان جس چیز کو زندگی بھر چھپائے پھرتا رہا قیامت کے دن سب کے سامنے ہوگی، بہرحال حضور علیہ السلام نے فرمایا: سچ جانو! میں نے تم کو خبردار کردیا ہے۔ جو کوئی خیانت سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا۔ وہ سب قیامت کو ظاہر ہوجائے گا۔

جھوٹے عمل

فرمایا قیامت کے دن تمام پوشیدہ اعمال ظاہر کر دینے کے بعد ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تمہارے خود کردہ اعمال ہیں میں نے ان کو شمار کر رکھا ہے اب اس کا بھگتان کرو۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوگا کسی کا عمل کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگایا جائیگا۔ اور ہر جرم کی سزا جرم کی سنگینی کے مطابق دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بے حد و بے شمار ہونگی اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہوگا جو بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہوسکتا ہے۔

نیک و بد برابر نہیں

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا چاہتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا ہے۔ کفر، شرک، نافرمانی، حق تلفی، چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام ہیں۔ جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اس شخص کی طرح کیسے ہوسکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے اس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اور مخلوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ایسے شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی نہایت ہی بری جگہ ہے۔

نیکی اور بدی کے درجات

ہر نیک و بد کے متعلق فرمایا هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے ہاں ان سب کے درجات ہیں۔ نیکی کے بھی درجات ہیں اور برائی کے بھی درجات

ہیں۔ جس قسم کا عمل ہوگا اُسی قسم کی جزا ہوگی۔ مجرمین میں سے چور، ڈاکو اور خائن وغیرہ کا درجہ الگ ہوگا۔ کافر الگ ہوں گے۔ مشرک اور بدعتی اپنے درجے میں ہوں گے۔ عیاشی، فحاشی اور شراب نوشی کرنے والے اس درجہ میں ہوں گے۔ اور ان سے ایک ایک جرم کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔ اور درجہ بدرجہ سزا دی جائیگی۔ اسی طرح نیکی کے بھی درجات ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر شخص کے درجات اس کے عمل کے مطابق ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں اونچ نیچ ہے اسی طرح آخرت میں بھی تفاوت ہوگا۔ بعض لوگ نہایت بلند درجوں میں ہوں گے اور بعض نہایت ہی پستی میں ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لہٰذا وہ اعمال کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کریگا۔

درس پنجاہ و ہفت ۵۷   آیت ۱۶۴

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ:۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے ۔ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾

ربط آیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی تھی کہ نبی کی شان کے شایان نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز از خود اپنے پاس رکھ لے ۔ وہ تو جماعت کا سربراہ ہے ۔ اس کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو چیز چاہے سرِ عام اپنی تحویل میں لے ۔ لہذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ کوئی چیز خفیہ طور پر لے لے ۔ اللہ کا پیغمبر ایسا نہیں کر سکتا ۔ اللہ نے اُن لوگوں کی تردید فرمائی جو اس قسم کا گمان کرتے تھے ۔ آج کے درس میں اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول کو اہل ایمان کے لیے بطور نعمت پیش کیا ہے ۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ اور آپ کے فرائض کا تذکرہ کیا ہے ۔

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ تحقیق اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے ۔ مَنّ کا عام فہم معنی احسان کرنا ہے ۔ جب کہ اس کا اصل معنی قطع کرنا ہے ۔ عربی محاورے کے مطابق جس شخص کو نعمت حاصل ہو جائے اس کی تکلیف قطع ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے ۔ چنانچہ

جزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ۔ اُن
کے لیے ایسا اجر ہوگا جو منقطع نہیں ہوگا کبھی زائل نہیں ہوگا بلکہ ابدی ہوگا۔ اونٹوں کے
چلنے سے جو گرد و غبار اٹھتا ہے اُسے منین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ منقطع ہوتا
رہتا ہے غرضیکہ مَنّ کا لفظی معنی قطع کرنا اور اصطلاحی معنی احسان کرنا آتا ہے۔ اسی لیے
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے عموماً اور متقین اور مومنین کے
لیے خصوصاً ذریعہ ہدایت فرمایا ہے۔ جیسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" یہ متقیوں کے
لیے ہدایت ہے۔ "هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ" مومنوں کے لیے
ہدایت اور بشارت ہے۔ نیز "هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ"
عام لوگوں کے لیے منبع ہدایت ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کی یہ دو حیثیتیں
بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسے آپ کی زبان سے کہلوایا "قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا" اے نبی علیہ السلام! آپ فرما دیں کہ اے
لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ سب کی ہدایت اور راہنمائی
کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت و راہنمائی سے سب سے
زیادہ مستفید تو متقین اور مومنین ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کی رسالت کا زیادہ
احسان بھی انہی پر ہے اور وہ احسان یہ ہے إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا کہ ان
میں ایک رسول بھیجا اور رسول بھی وہ جو عظیم الشان، عالی مرتبت اور کمال عظمت والا ہے
اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں میں سے پہلی نعمت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا وجود مبارک ہے۔ جو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہلِ ایمان کے لیے
بالخصوص بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی انسان کو جس قدر کمالات حاصل ہو سکتے
ہیں، وہ صرف پیغمبر علیہ السلام کے واسطے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر
کی ذات ایک مومن کے لیے حصولِ کمال کا ذریعہ بھی ہے اور تقرب الی اللہ
کا بھی اور پھر بالآخر نجات کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا عظیم ترین نعمت یہی ہے

مفسرین کرام امام جعفرؒ کا قول بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو عام ہیں۔ کوئی انسان ان سے خالی نہیں۔ أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً اللہ نے تمہیں ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور ان کی تعداد اس قدر ہے کہ تمہارے احاطہ شمار سے باہر ہے اسی لیے فرمایا وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ انسان کے اپنے وجود اور اس کی باطنی قوتوں سے لے کر ظاہری جسم کے تمام متعلقات اور اس کے اردگرد اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں۔ کہ وہ ان سے ہر وقت استفادہ کرتا رہتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں نعمتیں موجود ہونے کے علاوہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا ایک نعمت پیغمبر خدا کا وجود ہے اور دوسری اللہ کا کلام قرآن پاک ہے اور یہ دونوں نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہیں۔ مادی نعمتیں تو بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ مگر عظیم ترین نعمتیں یعنی پیغمبر خدا اور قرآن پاک صرف اہل ایمان کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو نسل انسانی میں پیدا کر کے ان کے عروج، ترقی اور اعلیٰ مراتب کا بندوبست کر دیا ہے اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اسے نازل کر کے انسانیت کی عظمت کو مزید بلند کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق اس کا عام قانون یہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ اگر حصول نعمت پر میرا شکر ادا کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کروں گا وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔

پیغمبر اور جنس انسانی

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا مِنْ أَنْفُسِهِمْ انہی میں سے یعنی انسانوں میں سے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ملائکہ یا جنات میں سے نہیں بنایا بلکہ اہل ایمان کی جنس انسانی میں سے اٹھایا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔

کہ عرب و عجم میں سے اللہ نے آپ کو عربوں میں پیدا فرمایا۔ اور پھر عربوں کے قبائل میں سے
بہتر قبیلے میں پیدا کیا، یعنی اللہ نے آپ کو عرب کے سب سے اشرف قبیلے میں اٹھایا۔
گویا اس لفظ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء انسان اور
بشر ہیں بلکہ سید البشر ہیں یعنی آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں اور اسی نسل انسانی میں سے ہیں
کسی دوسری جنس سے نہیں ہیں۔

سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ آخری دور کے عظیم مفسر گزرے ہیں، آپ نے
روح المعانی جیسی عظیم تفسیر تیس جلدوں میں قلمبند کی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے
جوانی کے عالم میں لکھی ہے۔ آپ شاہ عبدالعزیز کے ہمعصر تھے، شاہ صاحب ۱۲۳۹ھ
میں ہی وفات پا گئے، تاہم آپ کا زمانہ ۱۲۷۰ھ تک جاتا ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ ساتھ
آپ کو فقہ اور علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔
کہ کسی نے امام عراقی سے دریافت کیا کہ حضرت! ایمان کے صحیح ہونے کے لیے کیا
یہ شرط ہے کہ اللہ کا رسول بشر ہے، عربوں میں سے ہے اور عجمی نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا
بیشک شرط ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھے اس کا ایمان صحیح نہیں
ہوگا، کیونکہ اس پر نصوص قرآنی کا انکار لازم آئیگا، اور آدمی کافر ہو جائیگا۔ تو گویا مِنْ
اَنْفُسِهِمْ میں یہ تمام متعلقات شامل ہیں۔ اگر اس معاملہ میں کوئی ناواقف ہے۔ مسئلے
کا پوری طرح علم نہیں تو اسے بتانا پڑے گا کہ بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارے نبی انسان تھے
اور عربوں میں سے تھے اور عجمی نہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی بشریت
یا عربی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نور من نور اللہ

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے عیسائیوں کی طرز پر نور من
نور اللہ، کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ گویا انہوں نے وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا
اللہ کے رسول کو اس کا جزو بنا دیا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
خدا کے بیٹے ہیں۔ جو بیٹا ہوتا ہے وہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے
پاک ہے۔ انہوں نے بیٹا بنا کر خدا کا جزو بنایا، ہم نے اللہ کے نور میں سے نور کہہ کر جزو

ہونے کی تصدیق کر دی۔ فرق کیا رہ گیا؟ ہاں یقیناً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت یقیناً ہیں۔ آپ کے نور ہدایت کی روشنی چاردانگ عالم میں پھیلی مگر آپ انسان اور بشر ہیں اور بڑے بڑے عالی مرتبے والے ہیں حضور علیہ السلام کی بشریت کا اقرار قطعاً باعث توہین نہیں بلکہ اشرف المخلوقات میں سے ہونے کی بنا پر آپ کی عظمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پہ اللہ نے بطور انعام اس بات کا اعلان فرمایا کہ دیکھو میں نے مٹی سے کس قدر باکمال ہستی کو پیدا کیا ہے۔ میر تقی میر نے اس بات کی ترجمانی یوں کی ہے

میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

لہٰذا بشر ہونا کمال کی علامت ہے نہ کہ توہین کی۔ صحابہ کرامؓ بھی حضور علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کے زمانہ میں نور من نور اللہ کا کوئی عقیدہ موجود نہیں تھا۔ آپ نور ہدایت ہیں مگر انسان ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ سے بالکل بالوضاحت مروی ہے کان رسول اللہ بشراً من البشر حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ مسلم کی روایت میں موجود ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے خود فرمایا میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی کبھی کبھی بھول جاتا ہوں۔ اگر نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ وہاں پہ ذکرونی کے الفاظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ خطا اور نسیان انسان سے ہی سرزد ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات کھانا پینا، قضائے حاجت بیوی بچے صحت، بیماری، زندگی اور موت وغیرہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی یکساں ہیں۔ امور طبعیہ رونا ہنسنا وغیرہ انبیاء کے ساتھ بھی لازم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انبیاء کا ایمان، اعتقاد، اور اخلاق غایت درجے کا ہوتا ہے اور وہ حد کمال تک پہنچے ہوتے ہیں، مگر ہیں بہر حال انسان۔

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے اپنے نبی کے وہ کام بیان فرمائے ہیں جو وہ انجام دیتا ہے پیغمبر خدا علیہ السلام کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ یتلوا علیہم آیتہ

وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے کلام اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تلاوت پاک ہے اور اس لحاظ سے حضور علیہ السلام اولین مبلغ اسلام ہیں۔ تلاوت قرآن عموماً دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ میں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام و فرامین کا علم ہو سکے۔ اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے۔ کہ انسان خود تلاوت کر کے قرب الٰہی حاصل کر سکے۔ نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے۔ اور اس کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت انسان اللہ کی صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور نئے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

باعتبار درجہ تلاوت قرآن سب سے اعلیٰ درجہ ہے حضور علیہ السلام نے تلاوت قرآن کو افضل الاوراد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں نیک نیتی کے ساتھ تلاوت قرآن کریگا میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دونگا۔ اگرچہ وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کرے۔ تلاوت کلام پاک کا اجر اس قدر زیادہ ہے۔ کہ ایک ایک حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرمائیگا۔ یہ شرف صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ کوئی اُسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے۔ اجر سے محروم نہیں رہیگا۔ یہ ہے وہ قرآن مجید جس کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا نبی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

مرشدِ کامل

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ تزکیۂ نفوس کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے امت کے لیے مرشد ہیں کیونکہ تزکیہ نفس کرنا مرشد کا کام ہے۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ سب سے پہلے انسان کی باطنی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل کو بزرگان دین تخلیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ انسان کی تمام رذیل خصلتیں دور ہو جائیں، کفر، شرک، نفاق اور بد اخلاقی وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ اور اس کے بجائے انسان اوصاف حمیدہ سے متصف

ہو جائے۔ شرک کی جگہ توحید آجائے۔ کفر کی بجائے ایمان حاصل ہو۔ اور بد اخلاقی خوش خلقی میں بدل جائے۔ یہ ہے وہ تزکیہ جسے مرشد برحق انجام دیتا ہے۔ جب یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو معصیت کی بجائے عبادت کی صفت آجاتی ہے۔ اور تمام کدورتیں دور ہو کر انسان کا عقیدہ اور دل و دماغ بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے بالعموم اور اہلِ ایمان کے لیے بالخصوص مرشد کامل ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت اسی طریقہ پہ فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حمیدہ اور تربیتِ خاصہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت معاویہ سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز میں کلام کرتا ہوا داخل ہوا۔ کچھ لوگوں نے اشارے کنائے سے مجھے ڈانٹا۔ مجھے بھی غصہ آیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور علیہ السلام نے نہایت شفقت سے مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا دیکھو! نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز تو اللہ کے ذکر کے لیے ہے۔ اس میں تسبیح و تہلیل قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات ہوتی ہے۔ لہٰذا نماز میں کوئی دوسرا کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے نہ مجھے سرزنش کی اور نہ برا بھلا کہا بلکہ نہایت مشفقانہ انداز میں بات سمجھا دی۔ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم مَا رَأَیْتُ مُعَلِّمًا[1] میں نے کبھی ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔

اسی طرح ایک آدمی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ یہ ادھر ادھر بھاگے گا تو باقی مسجد کو بھی آلودہ کرے گا۔ جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے فرمایا یہاں پانی بہا کر جگہ کو صاف کر دو۔ ابوداؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی بھی نکلوا دی۔ اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہاں تلاوت قرآن پاک، نماز اور دیگر عبادات ہوتی ہیں۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔[2]

ایک شخص نے آکر عرض کیا حضور! میں ایمان قبول کرنے کے لیے تیار ہوں

[1] مسلم ص ۲۰۳ ج ۱، [2] مسلم ص ۱۳۸ ج ۱ (فیاض)

مگر مجھے زنا کی لت پڑ چکی ہے جو مجھ سے چھوٹتی نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اُسے اپنے
قریب بلایا۔ اُس پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ہدایت
نصیب فرما۔ پھر آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ دیکھو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں
یا بہن یا بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت کرے، تو کیا تم پسند کرو گے۔ عرض کیا حضور! ہرگز
نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم زیادتی کرتے ہو، وہ بھی کسی کی ماں، بہن یا
بیٹی ہوتی ہے۔ یہ سُن کر وہ شخص سخت نادم ہوا اور اس قبیح فعل سے ہمیشہ کے
لیے تائب ہو گیا۔ اسی چیز کا نام ہے، کہ انسان سے بُری خصلتوں کو نکالا جائے
اور اس میں اچھی خصلتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وہ فریضہ ہے۔ جو نبی علیہ السلام انجام
دیتے ہیں۔

فرمایا اللہ کا نبی تیسرا کام یہ کرتا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگوں کو
کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن پاک ہے قرآن پاک اگرچہ عربی زبان میں
نازل ہوا اور اس کے اولین مخاطبین بھی عرب ہی تھے، اس کے باوجود اس کے رموز
کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ بعض اوقات بعض امور کو سمجھنے میں اہلِ زبان
بھی دقت محسوس کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امت کو منزل
من اللہ کتاب کی تعلیم دے۔ قرآن پاک کی یہ آیت جب نازل ہوئی حَتّٰى يَتَبَيَّنَ
لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ یعنی جب سفید دھاگہ سیاہ دھاگے
سے ظاہر ہو جائے۔ تو سحری کھانا بند کر دو۔ تو بعض اہلِ زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھاگے
پاس رکھ لیے۔ تاکہ اختتامِ سحری کا تعین کر سکیں۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کے پاس
بیان کی گئی تو آپ مسکرائے اور فرمایا تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں تم نے رات اور دن
کو لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھاگے سے مراد رات اور دن ہیں۔
یہ عام دھاگے مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے
مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا۔

امن اور ہدایت پانے والے لوگوں کی یہ صفت بیان ہوئی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہیں کی۔ اس پہ بھی صحابہؓ کو اشتباہ پیدا ہوا۔ کہ ایسا کون آدمی ہے جس نے اپنے نفس پہ کوئی زیادتی نہ کی ہو۔ وہ متفکر ہو گئے کہ اس طرح تو نجات بہت مشکل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کی اس تشویش کا علم ہوا تو فرمایا کہ یہاں پہ ظلم سے مراد عام گناہ نہیں ہے۔ معمولی لغزشیں تو لوگوں سے ہر وقت سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض کبیرہ گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں اور توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں تاہم یہاں پہ ظلم سے مراد شرک ہے جس کی کوئی معافی نہیں۔ لہٰذا جو کوئی شرک سے محفوظ رہا اس کی نجات ممکن ہے۔ اسی لیے تو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی۔
"يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ہر خطا معاف فرما دوں گا سوائے شرک کے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم حکمت

چوتھی چیز فرمایا "وَالْحِكْمَةَ" پیغمبر خدا لوگوں کو حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حکمت کا عام فہم مطلب دانائی، دانشمندی یا گہری سمجھ کی باتیں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاہل قوم کی تربیت اس طریقے سے کی کہ انہیں دنیا کی متمدن قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ لوگ علم و حکمت اور اخلاق سے عاری تھے مگر یہ حضور علیہ السلام کی تعلیم حکمت کا نتیجہ تھا کہ انہیں علم و حکمت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ اور اُمّی کہلانے والے لوگ دنیا کے معلم بن کر اُبھرے۔
حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ ہر صحیح حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے۔ یہ چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر سے ثابت ہو وہ سراپا ہدایت ہے۔ حکمت کی تشریح پہلے اور دوسرے پارے میں بھی تفصیل کے ساتھ آ چکی ہے۔

فرمایا وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ بیشک حضور کی بعثت سے قبل یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے یعنی اس قدر بھٹکی ہوئی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن وحکمت، تزکیہ نفس اور تلاوت قرآن کے ذریعے ایک با اخلاق اور متمدن قوم بنا دیا۔ اس زمانے میں جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ بت تھے، پوری کی پوری قوم شرک کی لعنت میں گرفتار تھی توحید کا تصور رکھنے والا کوئی اکا دکا آدمی ہی ملتا تھا۔ انہوں نے ملت ابراہیم کے اصول کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ گزشتہ چار پانچ صدیوں سے پوری دنیا شرک کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرما کر ایمان اور نیکی کی دولت عطا فرمائی۔ قرآن وسنت جیسی عظیم نعمتیں عطا کیں۔ اس سے زیادہ اللہ کا کیا احسان ہو سکتا ہے۔

درس پنجاہ و ہشت ۵۸ — آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت، تو تم نے پہنچائی تھی اس سے دوگنی۔ تم نے کہا یہ کہاں سے آئی ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (۱۶۵) اور جو کچھ تم کو اس دن پہنچا جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں، پس اللہ کے حکم سے، اور تاکہ اللہ تعالیٰ ممتاز کر دے ایمان والوں کو (۱۶۶) اور تاکہ ممتاز کر دے اُن لوگوں کو جنہوں نے منافقت اختیار کی، اور اُن سے کہا گیا آؤ لڑو اللہ کے راستے میں یا دشمن کا دفاع

کرو تو جواب کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی تو ضرور تمہارا اتباع کرتے ۔ وہ لوگ کفر کی طرف اس دن زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے۔ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں (۱۶۷) وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا اور خود بیٹھ گئے، اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے پس ہٹاؤ تم اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو (۱۶۸)

ربط آیات

اس درس کی آیات بھی واقعہ احد کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں یا کافروں کی بات ماننے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ جن لوگوں سے غلطی سرزد ہوگئی تھی اُن کے ساتھ نرمی اختیار کریں اور اُن کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کریں اور آئندہ اس کے ساتھ مشورہ کیا کریں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں خیانت کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ پھر خداوند کریم نے اپنے اُس عظیم احسان کا تذکرہ فرمایا جو اُس نے بنی نوع انسان پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص کیا۔ اور وہ احسان یہ ہے ۔ کہ انہی کی نسل اور خاندان میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، جو اللہ کا پیغام اُن تک پہنچاتا ہے۔ اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

آج کے درس کی آیات بھی غزوہ احد کے ضمن میں ہی ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ ستر مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر چوٹیں آئیں۔ ان تمام عوامل کا مسلمانوں کو بہت صدمہ تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے تسلی دی اور

آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تعلیم دی۔ ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ اگرچہ
اس واقعہ میں اہل ایمان کو تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس تکلیف میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں
جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

مسلمانوں کیلئے تسلی

اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا
اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ غزوہ احد میں بلاشبہ تمہیں تکلیف پہنچی۔ مگر
تمہیں یاد ہونا چاہیے قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا تم اس سے پہلے دشمن
کو دگنی تکلیف پہنچا چکے ہو۔ احد کے مقام پر تو مسلمانوں کے صرف ستر آدمی شہید
ہوئے ہیں۔ مگر بدر کی جنگ میں کفار کے نہ صرف ستر اکابر مارے گئے تھے بلکہ
اتنی ہی تعداد میں وہ قیدی بھی بنے تھے۔ گویا تم ان کو دگنا نقصان پہنچا چکے ہو۔ لہٰذا
احد کی شکست سے دل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کے باوجود
ان پر یہ احسان فرمایا کہ کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ وہ نہ تو مسلمانوں
کو قیدی بنا سکے اور نہ خود وہاں زیادہ دیر ٹھہر سکے بلکہ اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ جلد واپس
پلٹ جائیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس وقت کی کیفیت بیان فرمائی ہے
کہ جب شکست ہوئی تکلیف پہنچی قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا تم پکار اٹھے۔ یہ کیا ہو گیا
ہمیں شکست کیسے ہو گئی۔ ہم تو حق پر تھے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے
والے ہیں۔ ہمیں کیوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ
نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ فرمائیے هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ
یہ تکلیف تمہیں خاص تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے پہنچی ہے۔ تم نے اللہ کے
رسول کی حکم عدولی کی۔ اس کے مقرر کردہ مورچہ کو چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے شکست سے
دوچار ہونا پڑا۔ لہٰذا یہ تکلیف تمہاری اپنی ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے جنگی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا جنگی پلان
بالکل درست تھا۔ اور اس میں کوئی خامی نہیں تھی۔ انگریز اور یہودی مؤرخین بھی تسلیم

کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی نہایت اعلیٰ درجے کی تھی مگر بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غلطی تھی کہ وہ پہاڑی درہ پر قائم نہ رہے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس درے کو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کرنا مگر اُن کی اکثریت نہ صرف پہاڑ سے نیچے اُتر آئی بلکہ آپس میں جھگڑا بھی کیا جس کی وجہ سے اہل ایمان کو مجموعی طور پر نقصان اٹھانا پڑا۔ بہرحال اہیں مسلمانوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تکلیف تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے پہنچی تھی اس میں تمہارا اپنا ہی قصور تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جو مالک الملک۔ فتح سے ہمکنار کر سکتا ہے، وہ فتح کو شکست میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور وہ تمہیں تمہاری غلطیوں پر تنبیہ بھی کر سکتا ہے۔

شکست کی حکمت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس شکست کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ دونوں جماعتوں یعنی اہل کفر و اہل اسلام کے اکٹھا ہونے کے دن یعنی غزوہ احد کے موقع پر جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے اس میں کفار نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ اللہ کے حکم سے ہی ایسا ہوا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر، اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس پر افسوس کا زیادہ اظہار نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ مومن کون لوگ ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہر چیز ہر وقت موجود ہے۔ اُسے تکلیف میں مبتلا کر کے اہل ایمان کا ایمان جانچنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہاں پر علم کا معنی ممتاز کرنا ہے اور مطلب یہ ہے۔ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو باقی لوگوں سے ممتاز کرنا چاہتا تھا۔ اس قسم کی آزمائش آئی تو سب لوگوں کو علم ہو گیا۔ کہ پکے سچے مومن کون

نے انہیں کمزور ایمان والوں سے علٰحدہ کر دیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ سے یہ منشا بھی تھا وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا
تاکہ منافقوں کو بھی ممتاز کر دے۔ اہل ایمان سے علٰحدہ کر دے کہ یہی وہ لوگ جو مومن
نہیں بلکہ کافر ہیں اور آئندہ اہل ایمان ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ منافقین نے
اپنے نفاق کا اظہار تو ابتدائے غزوہ میں ہی کر دیا تھا جب کہ ان کا ایک جتھہ راستے
ہی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اور ______ میدان
احد تک پہنچا ہی نہیں۔ ان میں سے جو میدان جنگ میں پہنچ گئے وہ بڑے فکرمند
تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں جن سے ان کی بزدلی کا اظہار ہوتا تھا
مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں ان پر نیند طاری کر دی
جس کی وجہ سے وہ تازہ دم ہو گئے اور ان کے تمام تفکرات رفع ہو گئے۔ مگر
منافقوں کو یہ سعادت بھی نصیب نہ ہوئی۔ بہرحال اللہ نے ایسے مختلف مواقع
پر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون۔ تو یہاں پر بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں
کے گروہ کو تکلیف پہنچنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں
کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

جارحانہ
مدافعانہ
جنگ

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تعلق سے جنگی حکمت عملی کا تذکرہ فرمایا ہے
ارشاد ہوتا ہے۔ وَقِيلَ لَهُمْ اور ان منافقوں سے کہا گیا تَعَالَوْا قَاتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ آؤ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اَوِ ادْفَعُوا یا دفاع کرو۔
جنگ دو ہی طریقوں سے لڑائی جاتی ہے اقدامی جنگ (OFFENSIVE W
ہوتی ہے یا دفاعی جنگ (D FENSIVE WAR) ہوتی ہے۔ اسلام میں دونوں قسم
کے جہاد روا ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے جنگ میں پہل
کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر کسی علاقے میں دشمن نے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا بازار
گرم کر رکھا ہو، شرفا کی عزت و مال محفوظ نہ ہو۔ اسلام کے خلاف سازش کا گڑھ بنا
ہوا ہو تو ایسی صورت میں گندے عنصر کا قلع قمع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسلام جنگ

میں اقدام کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری صورت اُس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب دشمن خود چڑھائی کر دے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں دفاعی جنگ لڑی جاتی ہے۔ ایسے موقع پر مرد، عورت، جوان، بوڑھا سب پر فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا دفاع کرے عام حالات میں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج موجود ہے وہ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو، باقی لوگوں کو میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر جب دشمن اہلِ اسلام پر چڑھ دوڑے تو یہ جنگ فرضِ عین بن جاتی ہے۔ اس میں ہر مرد و زن کی شرکت لازم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ آؤ اللہ کے راستے میں جارحانہ جنگ لڑو یا کم از کم دفاع میں ہی شریک ہو جاؤ۔ بعض اوقات بھرپور دفاعی طاقت دیکھ کر بھی دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اے گروہ منافقین اگر تم حملہ کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتے تو کم از کم دشمن کے حملہ کو روکنے کے لیے تو مسلمانوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔

منافقوں کی حیلہ سازی

فرمایا اس کے جواب میں منافقین اپنے نفاق کا اظہار یوں کرتے ہیں قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ اگر ہم کسی ڈھب کی لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا اتباع کرتے یعنی تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے۔ مگر یہ تو کسی ڈھب کی لڑائی ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور ہم قلیل تعداد میں ہیں۔ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، لہٰذا ہم اس لڑائی میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کو تیار نہیں۔ اس طرح منافقین جنگ سے بچنے کے لیے حیلہ سازی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن ان کے نفاق کا پول کھل گیا۔ اور ان کی حالت یہ ہو گئی۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہو گئے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف دل سے منافق تھے اور زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے مگر اُس دن انہوں نے زبان سے بھی ایسی بات کہہ دی جس کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی کفر کے قریب تر ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی خصلت یہ ہے یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ اپنے مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ زبان سے تو مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں مگر دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ کہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں۔ دل و زبان کا یہی تضاد منافقت کی نشانی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی یہی بات کی تھی۔ کہ ہماری تو بات ہی نہیں مانی گئی۔ ہم کہتے تھے شہر میں رہ کر دفاع کریں گے مگر یہ باہر نکل گئے، لہٰذا ہم ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت کا پردہ یہ کہہ کر فاش کر دیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے ہوئے رازوں سے بھی واقف ہے۔ لہٰذا اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے بلکہ خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصلت کا تذکرہ کیا ہے اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں یعنی مسلمانوں کے متعلق یوں کہا اور خود بیٹھ رہے لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا اگر یہ ہماری بات مان لیتے، تو قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہم تو شہر میں رہ کر دفاع کے حق میں تھے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں مانی لہٰذا باہر میدان میں جا کر مارے گئے۔ غرضیکہ طرح طرح کے حیلے بہانے کیے کہ مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست ہوئی ہے ان کی جنگی حکمت عملی درست نہیں تھی یا ان کی صف بندی اور مورچہ بندی کمزور تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب ان کی سازش سازی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اسے پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے۔

موت سے فرار ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ نے ایسے بد باطن لوگوں کو منہ توڑ جواب دیا قُلْ اے نبی علیہ السلام، ان سے کہہ دیں فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ ذرا روک لو اپنے آپ سے موت کو۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر مسلمان باہر نکل کر

نہ لڑتے تو شہید نہ ہوتے، ہم جنگ میں عدم شرکت کی بنا پر بچ گئے۔ اللہ نے فرمایا! اگر تم موت کو وارد ہونے سے اس طرح روک سکتے ہو، تو روک کر دکھا دو۔ تم خواہ گھر میں بیٹھے رہو یا کہیں چلے جاؤ، موت بہر صورت اپنے وقت پر آ کر رہے گی تم اُسے ٹال نہیں سکتے، کیونکہ موت و حیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کا پروگرام یقیناً اٹل ہے۔ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ جب کسی کی موت کا معین وقت آ جاتا ہے تو پھر ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کہ تم گھر میں بیٹھنے سے موت کو ٹال سکتے ہو۔ بسا اوقات جنگ میں شریک لوگ بخیر و عافیت واپس آتے ہیں۔ اور پیچھے رہ جانے والے مر جاتے ہیں شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ ساری رات بیمار کے پاس بیٹھا روتا رہا کہ بیچارہ بہت جلد مر جائیگا۔ مگر جب صبح ہوئی تو خود لقمہ اجل بن گیا جب کہ مریض ابھی زندہ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو یعنی گھر بیٹھ کر موت کو وارد ہونے سے روک سکتے ہو، تو اسے روک کر دکھا دو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔

الغرض! غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں اللہ نے اُن کو بیان فرمایا۔ منجملہ اُن کے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقوں کا طرز عمل واضح ہو جائے۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس ایک واقعہ کے ذریعے ہزاروں اصول سمجھا دیے۔ اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو مستعد رہنے کی تعلیم دی۔

درس پنجاہ وشش ۵۶ — آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

(رکوع ۱۷ ع ۸)

ترجمہ: اور نہ خیال کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرُدے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس، اُن کو روزی دی جاتی ہے ﴿۱۶۹﴾ وہ خوش ہونے والے ہیں اُس پر جو اللہ نے اُن کو دیا ہے اپنے فضل سے۔ اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ابھی تک اُن سے نہیں ملے اُن کے پیچھے سے، یہ کہ نہیں ہوگا اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ خوشخبری حاصل کرتے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا ایمان والوں کے اجر کو ﴿۱۷۱﴾

ربطِ آیات: گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تنبیہ فرمائی۔ کہ وہ منافقوں، یہود اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ جو روش انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر اختیار کی تھی اس سے منع فرمایا۔ نیز منافقین نے شہدائے احد کے متعلق کہا تھا لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا یعنی اگر یہ لوگ جنگ میں شریک ہونے کی بجائے ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس دعوے کی بھی تردید فرمائی۔ دوسری بات اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ جب منافقین سے کہا گیا

تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا آؤ اللہ کے راستے میں جہاد کرو یا کم از کم دشمن سے دفاع ہی کرو۔ تو انہوں نے یوں حیلہ سازی کی کہ یہ تو کوئی ڈھب کی لڑائی نہیں ہے جس میں ہم شریک ہوں۔ یہ تو خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی ڈھب سے جنگ کی منصوبہ بندی کی جاتی تو ہم ضرور اس میں شامل ہوتے۔ بلکہ شہدائے احد کے متعلق انہوں نے کہا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا اگر یہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تردید فرمائی۔

جہاد فی سبیل اللہ

آج کے درس میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگوں کی فضیلت اور ان کا درجہ بیان فرمایا ہے۔ اور ان کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی زندگی جیسی قیمتی متاع کا نذرانہ پیش کرتے ہیں انہیں حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ بلند ترین مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں مردہ مت گمان کرو۔ اللہ کی راہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ، دین کی اقامت اور اللہ اور اس کے رسول کے مشن کا قیام ہے۔ نیکی کے تمام امور فی سبیل اللہ ہی تصور ہوتے ہیں تاہم ان سب میں جہاد کا مرتبہ بلند ترین ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عام نیکی کا معیار یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ ایک پیسہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ سورۃ انعام کے آخری رکوع میں موجود ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا "جو کوئی ایک نیکی لے کر آیا اس کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کا ثواب کم از کم سات سو گنا ہے اسکے بعد وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیگا دوگنا کر دیگا۔ یہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہوگا۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں نماز کے متعلق فرمایا کہ یہ عِمَادُ الدِّيْنِ ______ یعنی دین کا ستون ہے اور جہاد کے متعلق فرمایا کہ اسلام کی کوہان کی بلندی جہاد ہے

لہ مظہری صفحہ ۳۰۵ ج ۲ و کنز العمال صفحہ ۲۰۱ ج ۲

دین، اہل دین اور ملت کو جہاد کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ جہاد کریں گے تو کامیابی ہوگی، غلبہ حاصل ہوگا۔ اور جہاد ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ دوسروں کے محکوم ہو جائیں گے۔ مذہب، ملت اور خود بھی ادبار کا شکار ہو جائیں گے۔

شہدا کی زندگی

اس سے پہلے سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ یعنی اللہ کے راستے میں جان دینے والوں کو مردہ مت کہو۔ ان کو تو حقیقی حیات نصیب ہو چکی ہے جو اس دنیا کی زندگی سے لاکھوں کروڑوں درجے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت گمان کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ بَلْ أَحْيَاءٌ بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ایسی زندگی ملی ہے جو اس زندگی سے بہت فائق ہے اور وہ زندگی ہے کہاں، فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کے پاس سورۃ البقرہ میں شہدا کی زندگی کے متعلق فرمایا وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ تم کو اس زندگی کا شعور نہیں ہے۔ شہدا جس جہاں اور جس مقام پر موجود ہیں، وہ نہ تمہاری عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ہی تمہاری نگاہ اُسے دیکھ سکتی ہے۔ وہ دوسرا جہان ہے۔ جہاں کے احکامات مختلف ہیں۔ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔

اس مقام پر فرمایا، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور يُرْزَقُونَ ان کو روزی دی جا رہی ہے۔ یہ شہدا کی خصوصیت ہے۔ کہ مرنے کے بعد وہ عالیشان مقام اور نعمتوں میں رہتے ہیں۔ جس قسم کی ان کی خواہش ہوتی ہے اسی قسم کی ان کو روزی دی جاتی ہے۔ گویا شہدا کو فی الوقت باعزت روزی مل رہی ہے۔

شہدا کے مناقب

شہدا کے فضائل کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید کا پہلا قطرہ خون زمین پر گرتے ہی اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ البتہ حقوق العباد اور دین (قرض) پھر بھی اس کے ذمہ واجب الادا رہتے ہیں۔ کسی کا حق تلف کیا ہے۔ قرض لے کر واپس نہیں کیا تو جب تک صاحب حق

معاف نہیں کرے گا۔ اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ موطا امام مالک کی روایت میں آتا ہے کہ شہدا کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں سوار ہوکر تسرح فی الجنۃ حیث یشاءُ جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور پھر اُن قندیلوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش الٰہی کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جنت الفردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور عرش الٰہی اس کے اوپر ہے۔ جس کے ساتھ قندیلیں ہیں جن میں شہدا بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے وقت کے فقیہ، محدث اور نہایت صالح آدمی تھے ساری عمر علم اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزار دی۔ آپ شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ آپ وقت کے بیہقی ہیں۔ امام بیہقیؒ چوتھی صدی میں گزرے ہیں۔ آپ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت کتابیں جمع کی ہیں، جن میں سنن کبریٰ آپ کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ قاضی ثناء اللہؒ کے پیر مظہر جان جاناںؒ تھے جو عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے ہمعصر تھے شاہ صاحب نے اُنکی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے بھی شاہ صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ آپ بڑے کامل شیخ کے مرد مومن تھے۔ آپ رفض کے بڑے خلاف تھے۔ اس لیے رافضیوں نے آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ اُس زمانے میں رافضیوں کا بڑا دور دورہ تھا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد جب صفوی خاندان ایران میں آیا اُس وقت سے اس لعنت کو بڑا عروج حاصل ہوا اب رفض کے ساتھ ساتھ خارجیت بھی پھیل رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اب تو عقیدے کی حفاظت بڑا مشکل کام ہوگیا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی زبان میں آپ کی کتاب مالا بد منہ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ فقہ کی مستند

کتاب ابھی باقی ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ معروف تالیف تفسیر مظہری ہے۔ جو آپ
نے اپنے پیر و مرشد مرزا مظہر جانجاناںؒ کی طرف منسوب کی۔ قاضی صاحبؒ نے اپنی
تفسیر میں لکھا ہے کہ میرے مرشد نے فرمایا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء
پر اللہ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ انہیں یہ انعام اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ انہوں
نے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ عنایت صرف شہداء تک
ہی محدود ہے۔ کیونکہ مقربین فرشتوں پر بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں ان
پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف انسانوں کے لیے خاص ہیں۔
شہیدوں کے بعد صدیقوں کا درجہ ان سے بھی بلند ہے۔ اور پھر انبیاء کا درجہ سب سے
اعلیٰ و ارفع ہے۔ بہر حال قاضی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ان کے مرشد نے بیان کیا کہ
میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ یہ
اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ شہداء کی زندگی عام مومنین کی نسبت بہت اعلیٰ درجے
کی زندگی ہے۔

برزخ کی زندگی

جہاں تک برزخی زندگی کا تعلق ہے، وہاں تو ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں
زندہ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کا درجہ تو بلند ہے، عام مومنین کو
بھی برزخ میں زندگی حاصل ہوتی ہے جس میں انہیں راحت کا احساس بھی ہوتا ہے
اسی طرح کافروں اور فاسقوں کی روح بھی برزخ میں زندہ ہوتی ہیں جبھی تو انہیں عذاب
کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ انہیں مردہ
گمان نہ کرو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور وہاں انہیں روزی دی جاتی
ہے۔ صرف معتزلہ فرقہ ایسا ہے جو برزخی زندگی کا قائل نہیں، ان کے نزدیک
اس دنیا کی زندگی کے بعد بس آخرت کی زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے
حقیقت یہ ہے کہ شہداء کو اس زندگی کے منقطع ہونے کے فوراً بعد برزخ کی
زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں انہیں روزی ملتی ہے اور دیگر خوشیاں بھی حاصل ہوتی
ہیں، تاہم اہل ایمان کو حقیقی انعامات حشر کے بعد حاصل ہوں گے برزخ میں اس کا

کچھ تھوڑا حاصل ہوتا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا
فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے
عطا کیا ہے، اُس پر خوش ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات پر وہ
خوش ہو رہے ہیں۔

بچھڑوں کے متعلق بشارت

آگے اللہ تعالیٰ نے دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو شہداء کو عالمِ برزخ میں
حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی بشارت کے متعلق فرمایا وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ
مِّنْ خَلْفِهِمْ وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو اُن سے
نہیں ملے۔ یعنی شہداء کے عزیز و اقارب، رشتہ دار، احباب وغیرہ جو ابھی زندہ
ہیں اور ابھی تک دُنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی
ہے اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کہ اُن پر بھی خوف نہیں
ہوگا اور وہ بھی غمگین نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری دی
جاتی ہے کہ تمہارے فلاں فلاں اعزہ و اقارب بھی تمہاری طرح دنیا میں نیکی کے
راستے پر چل رہے ہیں۔ اور اسی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے وہ بھی تمہاری طرح راحت
کے مقام میں پہنچیں گے۔ چنانچہ یہ خوشخبری شہداء کے لیے مزید خوشی کا باعث
ہوتی ہے۔ فرمایا دوسری بشارت یہ ہے يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور احسان حاصل ہے
اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اُن کے شاملِ حال ہے۔ قیامت کے بعد تو سب
لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا مگر شہداء کو یہ نعمتیں فی الوقت مل رہی
ہیں۔ اور اب انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔
اہلِ ایمان اپنے اور اچھے عقیدے کے ساتھ جو نیک عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ
اس کا ضرور بدلہ دیگا۔ یہ تو عام مومنین کے متعلق ہے مگر شہداء کو تو نہایت اعلیٰ مقام
حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی عزیز ترین متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اللہ کے

دین کے قیام کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین اجر عطا فرمایا۔

شہدا کا غسل اور جنازہ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے شہیدوں کو غسل دینے کا حکم نہیں ہے۔ اُن کو اُسی طرح خون میں لت پت قبر میں اتار دیا جائے۔ شہدائے احد کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کے ہتھیار، زرہ وغیرہ زائد لباس میں آتے ہیں یہ ان کے جسم سے اُتار دو اور اُن کے اصل لباس کرتہ، قمیض، جبّہ پاجامہ وغیرہ سمیت دفن کر دو۔ فرمایا شہدا کا خون قیامت کے دن دوبارہ تر و تازہ ہو جائے گا جس سے کستوری جیسی خوشبو آئیگی اور یہ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ البتہ فقہائے کرام، محدثین، مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے غسل کے مسئلہ میں اختلاف ہوئے ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایسی حالت میں بھی شہید کو غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کے لیے غسل ضروری ہے۔ دلیل کے طور پہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت حنظلہؓ جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی جنگ زوروں پر تھی۔ انہیں غسل کا موقع نہ ملا۔ اسی حالت میں میدانِ جنگ میں کود گئے اور شہید ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا۔ کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے بارش کے پاکیزہ پانی سے چاندی کے برتن میں زمین و آسمان کے درمیان حضرت حنظلہ کو غسل دے رہے تھے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جنبی شہید کا غسل ضروری ہے۔

شہدا کا جنازہ پڑھنے کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی رائے ہے کہ جنازہ پڑھا جائے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ جنازہ صرف گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی پڑھا جاتا ہے۔ شہدا کا جنازہ پڑھنے کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے

شہدائے بیر معونہ

بیر معونہ کے مقام پر ستر صحابہ کرامؓ جو قرّاء، فضلا اور منتخب بزرگوار تھے، شہید

کر دیے گئے۔ یہ کفار کی سازش تھی۔ ابو براء عامر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور
کہ ملک نجد میں تعلیم اسلام کے لیے مبلغین کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے
ستر صحابہ کرام ان کے ساتھ بھیج دیے۔ جب یہ قافلہ بئر معونہ کے مقام پر پہنچا تو
انہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ ان شہداء اور شہدائے احد کے متعلق بخاری شریف
میں روایت ہے کہ انہوں نے عالم برزخ میں اپنی اچھی حالت اور اللہ کی طرف
سے انعام و اکرام کے متعلق تمنا کی تھی کہ ان کی اس حالت کا علم دنیا میں رہنے
والے ان کے بھائیوں کو ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں
تمہاری حالت کو تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان
سے وحی نازل فرمائی بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنہ
ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا
اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں یہ قرآن پاک کی آیت تھی جو کافی عرصہ پڑھی جاتی رہی، بعد میں منسوخ ہو گئی

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر شہداء کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور
خوشخبری سنائی ہے کہ وہ مومنوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کا بہتر
اجر عطا کرتا ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ اُن کو زخم پہنچا۔ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی ہے اور ڈرا کرتے ہیں بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۲﴾ وہ لوگ جن کے لیے لوگوں (یعنی کافروں) نے کہا کہ بیشک لوگوں (یعنی مکے والوں) نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے (لشکر) پس اُن سے ڈرو۔ پس (اس بات نے) اُن کے ایمان کو زیادہ کردیا اور انہوں نے کہا کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ بہتر کارساز ہے ﴿۱۷۳﴾ پس وہ لوٹے اللہ کی نعمت اور فضل سے کہ نہ پہنچی اُن کو کوئی برائی۔ اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۱۷۴﴾ بیشک یہ بات کہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے اپنے دوستوں کو۔ پس اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۷۵﴾

ربطِ آیات

یہ آیات بھی غزوہ احد ہی کے ضمن میں ہیں۔ سابقہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شہداء
کی فضیلت بیان فرمائی اور اُن منافقوں کی مذمت کی جو کہتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری
بات مانتے، لڑائی کے لیے باہر نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء
کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بلکہ ان کی حیاتِ جاوداں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں
روزی دی جا رہی ہے اور وہ صدق اور قرب کے مقام پر فائز ہیں۔ پیچھے پس ماندگان کے
متعلق انہیں بشارت ملتی ہے کہ اگر وہ بھی صراطِ مستقیم پر گامزن رہے، تو شہداء کے
ساتھ آملیں گے۔ اللہ نے واضح فرما دیا کہ وہ ایمان والوں کے اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔
یہ بات بھی گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ کہ غزوہ احد میں مشرکین کے سالار
لشکر ابوسفیانؓ تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کفر تو جنگ بدر میں ہی مارے گئے تھے اور
اب سیادت ابوسفیانؓ کو حاصل تھی۔ اگرچہ مسلمانوں کو ابتدائی طور پر فتح حاصل ہوئی مگر بعض
صحابہ کی غلطی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا
مگر اللہ تعالیٰ نے پھر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی، کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ
فتح حاصل کرنے کے باوجود واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم ابوسفیانؓ نے لوٹتے
وقت اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اگلے سال پھر بدر کے مقام پر معرکہ ہوگا۔ گویا
اہلِ اسلام کو چیلنج کیا، کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو کر آئیں۔

شانِ نزول

آج کے درس کی پہلی آیات دو مختلف واقعات سے متعلق ہیں اور اس لحاظ
سے ان کے شانِ نزول بھی مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں اُن صادقین کا ذکر ہے
جنہوں نے تکلیف کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ
نے اُن کی تعریف بیان کی ہے۔ مفسرین کرام اس آیت کا پس منظر غزوہ احد ہی
بیان کرتے ہیں۔ مشرکین اہلِ اسلام کو کاری ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوئے
تو راستے میں ابوسفیانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے
باوجود نہ انہوں نے کوئی قیدی بنائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور مفاد حاصل کر سکے ہیں۔
مٹھی بھر مسلمان ہیں۔ اب بھی پلٹ کر ان کا صفایا کر دینا چاہیئے۔ اہلِ مکہ کے اس

بڑے ارادے کی خبر جب حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ تو آپ نے بچے کھچے زخمی صحابہؓ کو جمع فرمایا اور اس خبر سے مطلع فرمایا، اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کیا کہ بیشتر اس کے کہ مشرکین پلٹ کر ہم پر حملہ کریں، کیوں نہ ہم خود اُن کا تعاقب کر کے اُن کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملا دیں۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ تھکے ماندے اور زخم خوردہ تھے مگر وہ حضور علیہ السلام کی آواز پہ لبیک کہتے ہوئے مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمان مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد کے مقام تک کفار کے پیچھے گئے، جب مشرکین کو علم ہوا، تو انہوں نے پسپائی میں ہی اپنی خیر منائی اور اسطرح دونوں لشکروں کی دوبارہ مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ حضور علیہ السلام کا لشکر وہاں تین دن تک ٹھہرا رہا، وہاں پہ تجارتی لین دین میں منافع بھی حاصل کیا اور پھر باعزت مدینہ لوٹ آئے۔ تو پہلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زخم خوردہ اہلِ ایمان نے نبی علیہ السلام کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور اس کی تعمیل کی۔

آج کے درس کی دوسری آیت کا پس منظر ۴ھ کا واقعہ ہے۔ احد کے موقع پہ ابوسفیانؓ مسلمانوں کو چیلنج کر گیا تھا کہ آئندہ سال پھر ہمارا تمہارا بدر کے مقام پر مقابلہ ہو گا۔ اس پلان کے تحت ابوسفیانؓ دو ہزار کا لشکر لے کر جس میں پچاس کے قریب گھوڑ سوار بھی تھے مکہ سے نکلا۔ مسلمانوں کا رعب تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اُن کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ جب یہ لشکر روحا کے مقام پہ پہنچا، تو انہوں نے مسلمانوں کو بزدل کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بنایا، اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ میں یہ خبر بڑھا چڑھا کر پہنچائی جائے کہ اہلِ مکہ بہت بڑے لشکر اور سازوسامان کے ساتھ مقابلے کے لیے آ رہے ہیں۔ اب مسلمان اُن سے بچ نہیں سکتے۔ کفار کا خیال تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے مسلمان مرعوب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور مقابلے کی جرأت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس مقام پر مشرکین کو معبد خزاعی نامی ایک شخص ملا جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے پراپیگنڈا کا کام اس سے لینا چاہا۔ وہ شخص اگرچہ اُس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر دل سے حضور علیہ السلام کا طرفدار تھا۔ اُس شخص نے مشرکین کو بتایا کہ وہ مسلمانوں کی

طاقت اور جذبہ ایمانی سے واقف ہے تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہذا بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا مزید رعب داخل ہو گیا۔ مگر وہ جس قبیح مقصد کے لیے آئے تھے اُس سے دستبردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے مطلوبہ پراپیگنڈہ کے لیے دوسرے لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ مدینے کی طرف رواں تھا۔ اس کے قائدین کی کچھ منت سماجت کی، کچھ لالچ دیا اور انہیں اپنے حق میں پراپیگنڈا کرنے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور انہوں نے لشکر کفار کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ تو اہل اسلام پر اس پراپیگنڈہ کا اثر یہ ہوا۔ کہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اُن کی قوت ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ آج کی دوسری آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

پراپیگنڈا بطور مؤثر ہتھیار

پراپیگنڈا کو ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے معاملہ مذہبی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی ہر صورت میں پراپیگنڈہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے میں پراپیگنڈا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران اپنی قوم کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی اعصاب شکنی کے لیے پراپیگنڈا بہترین ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں پراپیگنڈا کی ابتدا تو انگریزوں نے کی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر کتے کو بھی مارنا مقصود ہو تو پہلے سخت پراپیگنڈہ کرو کہ یہ باولا ہے اس کے بعد اُس کو گولی مار دو۔ آجکل اس ہتھیار کا سب سے زیادہ استعمال اشتراکی ممالک خصوصاً روس کے ہاں ہوتا ہے۔ اس پراپیگنڈا کی ابتدا غریب کی حمایت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو سرمایہ داری کے خلاف تیار کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اشتراکیت کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر ہمسایہ ملک پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور اُسے ہمیشہ کے لیے اشتراکیت کے جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔ بہرحال کفار مکہ نے بھی اسی ہتھیار کو آزمایا مگر اہل ایمان کے ناقابل شکست ایمان پر اس کا کوئی منفی اثر

مرتب نہ ہوا۔ بلکہ ان کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی کا ذکر فرمایا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے انہیں احد کے مقام پر سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا ستر صحابہ کرامؓ شہید ہو چکے تھے باقیوں میں سے بیشتر زخمی تھے مگر جب اللہ کے رسول نے منشائے ایزدی کے مطابق دشمن کے تعاقب کا حکم دیا، تو بچے کھچے زخمی صحابہؓ نے اس حکم پر دل و جان سے لبیک کہا اور دشمن کے تعاقب میں آٹھ میل چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہؓ کی مدح بیان فرما کر تمام اہل اسلام کو ترغیب دی ہے کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللہ نے فرمایا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا راستہ اختیار کیا وَاتَّقَوْا اور پرہیزگاری اختیار کی اَجْرٌ عَظِيْمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہلے نیک لوگوں کو انعامات سے نوازا ہے آئندہ بھی نیکی کرنے والوں کو بلند درجات عطا فرمائے گا۔

ایمان میں اضافہ

اب اگلی آیت میں دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ وہ لوگ کہ جن کو لوگوں نے کہا یہاں پر الناس سے مراد وہی تاجر لوگ ہیں جن کا تعلق قبیلہ عبد القیس سے تھا اور وہ مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور انہوں نے مشرکین کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ الناس سے مراد جماعت بھی ہو سکتی ہے اور فرد واحد بھی کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق دونوں معانی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہائے احناف بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے لَا اُكَلِّمُ النَّاسَ وَاللّٰهِ یعنی اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے کلام نہیں کروں گا۔ اور اس کے بعد وہ شخص اگر کسی ایک آدمی سے بھی کلام کرے گا تو

اُس کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ ناس کا لفظ جماعت اور فرد واحد پر یکساں بولا جاتا ہے
چونکہ مدینہ کی طرف پورا قافلہ جا رہا تھا اور اُن سب کو مشرکین نے پراپیگنڈا پر آمادہ کیا
تھا، اس لیے اس ناس سے جماعت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے
صرف ایک آدمی کو اس کام پر مامور کیا تھا۔ اگر ایسا ہے تو پھر ناس سے مراد وہ فرد
واحد ہوگا۔ بہرحال یہاں پر اَلَّذِیْنَ سے مراد مدینہ والے اہل ایمان ہیں اور الناس سے
مراد وہ ایک یا زیادہ تجار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ تو معنی یہ
ہوا کہ جب قافلے والوں نے مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے یوں کہا اِنَّ النَّاسَ قَدْ
جَمَعُوْا لَكُمْ بیشک لوگوں نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے۔ یہاں پر ناس
سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے تجارتی قافلے کو اپنے حق میں پراپیگنڈا کے لیے
بھیجا تھا۔ مطلب یہ کہ قافلے والوں نے اہل مدینہ سے جا کر کہا کہ مکے والوں نے
تمہارے مقابلے کے لیے کثیر فوج اور وافر اسلحہ اکٹھا کر رکھا ہے۔ اور وہ تم پر عنقریب
حملہ آور ہونے والے ہیں لہذا فَاخْشَوْهُمْ ان سے ڈر جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ
تم اہل مکہ کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہذا جنگ کیے بغیر ان کی اطاعت قبول کر لو۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کے اس جھوٹے پراپیگنڈا سے مسلمان خوفزدہ نہ ہوئے
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا بلکہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہوگیا۔ وہ اسلام پر مزید جم
گئے۔ مشرکین سے ڈرنے کی بجائے اُن کے جذبۂ جہاد میں مزید اضافہ ہوا۔ اور انہوں
نے کہا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہمارے لیے ہمارا اللہ کافی
ہے۔ وہ بہترین کارساز ہے۔ ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔

یہ کلمہ بہترین ورد بھی ہے۔ یہ اس بات کا اقرار ہے۔ کہ خالق، مالک اور مسبب الاسباب
ذات واحد ہے، فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی نے ہمارا کام بنانا ہے
جب تک کسی چیز میں اللہ اثر نہ ڈالے اُس وقت تک کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ لہذا
اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ حضرت ابوالحسن شاذلیؒ نے اس ورد کے فضائل اور مختلف مقاصد
کے لیے اسے پڑھنے کے متعلق ایک رسالہ القول الجلیل لکھا ہے۔ بہرحال

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ حصول مقصد کے لیے بڑا اچھا وظیفہ ہے ۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت بیان فرمائی ہے ۔ اور عام اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم بھی انہی کا طریقہ اختیار کرو ۔ ان مجاہدوں کو تکلیف بھی آتی ہے تو جزع فزع نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ اللہ کے دین پر مزید جم جاتے تھے ۔ احد کے موقع پر ذراسی اجتہادی غلطی ہوئی تھی ، تو فتح شکست میں تبدیل ہوگئی ۔ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھا اور پھر جان فروشی پر مستعد ہوگئے ۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر زخم خوردہ صحابہؓ نے دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا اور تین دن تک وہاں ٹھہرے ۔ اگلے سال ۴ھ میں جب ابوسفیانؓ کے لشکر کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام پندرہ سو جانثاروں کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے وہاں پر آٹھ دن تک انتظار کیا مگر ابوسفیانؓ کو سامنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ یہ غزوہ بدر صغریٰ کہلاتا ہے ۔ وہاں پر جنگ تو نہ ہوئی ۔ البتہ صحابہؓ نے وہاں کی منڈی میں تجارت کی جس سے کافی نفع حاصل ہوا ۔ جسے تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا ۔ اسی مالی فائدے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ پس وہ اللہ کا انعام اور فضل لے کر واپس لوٹے ۔ اس انعام سے تجارتی منافع اور آخروی ثواب دونوں مراد ہیں ۔ اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص مہربانی ہے جو ان کے شامل حال تھی ۔ اس کے علاوہ وہ بالکل صحیح سلامت واپس آئے لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ اور اہل ایمان کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور ان کی خصوصیت یہ تھی وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی ۔ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے تابع کر لیا تو پھر وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ اللہ تعالیٰ بھی بہت بڑے فضل والا ہے ۔ اس نے دنیا میں بھی ان کو غالب کیا ۔ اور آخرت میں بھی ان کو وافر حصہ عطا کرے گا ۔

مشرکین کی اس سازش کے متعلق آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا ذٰلِكُمُ

الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس کے
جھوٹے پروپیگنڈا سے شیطان کے اپنے دوست یعنی کمزور ایمان والے اور منافق قسم کے
لوگ تو ڈر سکتے ہیں مگر اہل اسلام پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ امام شاہ ولی اللہؒ نے اسی تفسیر
کو اختیار کیا ہے۔ دیکھو فتح الرحمان اور امام بیضاویؒ نے دونوں تفسیروں کو اختیار کیا ہے۔
اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا
پروپیگنڈا کروایا تاکہ مسلمان ڈر جائیں۔ اور مشرکین کی اطاعت قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو فرمایا فَلَا تَخَافُوْهُمْ تم ان سے مت ڈرو، ان کے مقابلہ میں
اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کے بجائے وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اگر تم پکے سچے مومن ہو تو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرما کر ان کے بعد آنے
والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ تم کو بھی صحابہؓ کی طرح تکلیف کے باوجود دین
کی خاطر ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور تمہاری زبان پر بھی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ
کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ
جاؤ گے تو فتح و نصرت تمہارا استقبال کرے گی، جب کوئی انسان اپنے آپ کو
ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر فَانْقَلَبُوْا کا مصداق بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ
کے انعام اور فضل اس کے شامل حال ہو جاتے ہیں گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا
وعدہ گزر چکا ہے۔ کہ اگر تم ایمان اور اخلاص پر قائم رہو گے تو ہم کافروں کے دلوں میں
تمہارا رعب ڈال دیں گے مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج کافروں کے دلوں میں مسلمانوں
کا رعب باقی نہیں رہا کیونکہ مسلمان اپنے مرکز کو ترک کر چکے ہیں۔ آج ہم امریکہ اور روس
کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی مادی مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا رعب
ان پر کیسے وارد ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ والی جانفشانی کا کروڑواں حصہ
بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ہمارا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اور دنیا صرف ایمان سے ڈرتی
ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرما کر آئندہ آنے والے مسلمانوں
کے لیے راہ عمل متعین کر دی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ترجمہ :- اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں حصہ نہ بنائے اور اُن لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿١٧٦﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا، اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿١٧٧﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک جو مہلت ہم ان کو دیتے ہیں، وہ اُن کے نفسوں کے لیے بہتر ہے۔ بیشک ہم مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کریں۔ اور اُن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ﴿١٧٨﴾

شہداء کے فضائل بیان کرنے کے بعد گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ غزوہ احد کے اختتام پر مجاہدین کے زخموں کے ابھی خون بھی بند نہیں ہوئے تھے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کفار کے تعاقب میں نکل

کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اجرِ عظیم کی بشارت سنائی۔ پھر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو پراپیگنڈا کا ہتھیار استعمال کیا تھا، اہلِ ایمان نے اُس کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ ان کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے۔ اُن کی زبان پہ حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ کے الفاظ تھے، گویا انہوں نے دشمن سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پہ بھروسے کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی انعام سے بھی مالا مال کیا اور آخرت میں اُن کے لیے وافر حصہ مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پراپیگنڈا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا "اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ" یہ شیطانی فعل ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے دوستوں کو توڈرا سکتا ہے، مگر اہلِ ایمان پہ اُس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "یہ جو ہے سو شیطان ہے، کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے" یعنی اپنے حواریوں کے ذریعے اہلِ ایمان کو ڈراتا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے اس قسم کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی سرد جنگ (COLD WAR) اور اعصابی جنگ (NERVOUS WAR) اسی قبیل سے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو خدا کی ذات پہ بھروسہ ہے وہ مادی اسباب کو بھی جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی واقف ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پہ حاوی ہے۔ مومن اللہ کے حکم کے مطابق اسباب کو اختیار کرتے ہیں مگر وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کامیابی عطا کر سکتا ہے۔ بہر حال مخالفین کا پراپیگنڈا شیطانی فعل ہے، جس کے ذریعے وہ اہلِ ایمان کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں، مگر اہلِ ایمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطانی تدابیر سے نہ ڈرو بلکہ محض میری نافرمانی سے ڈرو۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مشرکین کے غلط پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر کفر کی طرف بڑھتے ہیں تاکہ اُن کے ساتھ تعلقات

خود کر کے کسی آئندہ مصیبت سے مامون رہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ اے پیغمبر علیہ السلام! وہ لوگ آپ کو غم میں نہ ڈالیں جو کافروں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر سکیں۔ فرمایا آپ دین کے معاملہ میں فکر مند نہ ہوں إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا یہ لوگ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں پر اللہ کو نقصان پہنچانے سے مراد اللہ کے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس قسم کا طرز کلام قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آتا ہے۔ جیسے سورۃ حج میں آتا ہے وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ" اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اس کی مدد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہے، وہ تو خود مدد کرنے والا ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔

لفظ لن مستقبل کے لیے نفی تاکید کا معنی دیتا ہے۔ یعنی یہ لوگ آئندہ زمانہ میں بھی اللہ کے دین اور اہل ایمان کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بشرطیکہ اہل ایمان اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ اس مقام پر تو منافقین کی بات ہو رہی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بتلا دیا کہ سچے مومنوں کے خلاف یہود و نصاریٰ، مشرکین یا کسی بھی دشمن دین کی سازش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر آج تک غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہے ہیں، خصوصاً گزشتہ چار صدیوں میں تو اہل اسلام کے خلاف اس قدر طوفان برپا کیا گیا ہے کہ بیچارے اجتماعی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں، تاہم دین اور اہل اسلام کو جس قدر بھی نقصان پہنچا ہے یہ ہماری اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان صراط مستقیم پر قائم رہیں تو اللہ کا وعدہ آج بھی موجود ہے کہ تمام حربے استعمال کرنے کے باوجود یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

فرمایا ان کی سازشوں کے صلے میں يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ

حَظًّا فِی الْاٰخِرَۃِ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ جو لوگ اہلِ ایمان کے خلاف کافروں کے ساتھ ساز باز کریں گے، خدا تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈالیں گے، اُس کے ماننے والوں کا کچھ خیال نہ کریں گے اُن کا آخرت میں کیا حصہ ہو سکتا ہے، البتہ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ضرور ہو گا۔

ایمان اور کفر

آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کا تقابل بیان فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا۔ فرمایا یاد رکھو لَنْ یَّضُرُّوا اللہَ شَیْئًا وہ نہ خدا کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس کے دین کو۔ اللہ کا دین صداقت اور حقانیت پر مبنی ہے، اس کو اختیار کرنے والے لوگ ہمیشہ قائم رہیں گے، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام نازل ہو جائیں یعنی قیامت برپا ہو جائے یہ ایمان اور کفر کا تقابل ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی آ چکا ہے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ منافقین نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو خرید لیا ہے۔ لہٰذا اس تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، حواس، ظاہری اور باطنی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ انسانی زندگی ایک پونجی ہے جو اللہ نے اسے وجود کے ساتھ عطا کی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ اس زندگی کی پونجی کو ایسی تجارت میں لگاؤ جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اس پونجی سے ایمان اور نیکی کا سامان خریدو جو تمہیں جنت تک لے جائے گا۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشادِ مبارک ہے۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ جو خوف کھاتا ہے وہ جلدی چل پڑتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں جلدی چل کر وقت پر منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤں۔ اور جو جلدی پہنچ گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللہِ غَالِیَۃٌ اللہ تعالیٰ کا سودا بڑا مہنگا ہے اللہ کے ساتھ جنت کا سودا مطلوب ہے تو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں کی ہے اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کے ساتھ سودا کیا ہے کہ اُن کی جان اور مال خرید کر اُس کے بدلے میں جنت عطا فرمائی ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور مال جیسی قیمتی پونجی عطا کر کے فرمایا کہ اس کے بدلے میں مہنگا سودا یعنی جنت خرید لو اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل و فکر کی قوت بخشی حواس عطا کیے اور بقول امام بیضاویؒ انسان کی ہدایت کے لیے تمام اندرونی اور بیرونی ذرائع مہیا کیے۔ اپنے رسول بھیجے، معلم اور مبلغ مقرر کیے تاکہ انسان نیکی کو اختیار کرے۔ اور پھر اس قیمتی پونجی کے بدلے میں جنت جیسی اعلیٰ چیز خریدے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی ہے تو بڑی قیمتی پونجی مگر جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ فرماتے ہیں۔

عمر برفست و آفتاب تموز
اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

انسان کی عمر کی مثال برف کی ڈلی جیسی ہے اور آدھر بھادروں کا سورج بھی نکلا ہوا ہے جب کہ سورج کی تپش اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں برف جلدی جلدی پگھل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ برف یعنی عمر تھوڑی رہ گئی ہے۔ اور صاحب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس پونجی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اس قیمتی پونجی کے بدلے ایمان خرید و جو کہ تمہارے لیے فلاح دوام کا سامان ہو گا۔

مسند احمد، ترمذی اور دارمی میں حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کون آدمی بہتر ہے۔ فرمایا مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ جس کی عمر دراز ہو اور اعمال اچھے ہوں۔ آپ سے پھر پوچھا گیا حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑا انسان کون ہے۔ فرمایا مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَاءَ عَمَلُہٗ جس کی عمر زیادہ ہو مگر اعمال بُرے ہوں۔ انسان کی عمر، حواس، تندرستی قیمتی پونجی تھی مگر اس نے اس سے بڑائی خریدی تو اس بڑائی کا وبال بھی اس پر ہو گا۔ وہ ان قیمتی اوقات سے کَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا

اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

آخری امت کی عمریں

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ سابقہ امتوں کی لمبی لمبی عمریں ہوا کرتی تھیں حتیٰ کہ چار سو، پانچ سو اور ہزار سال تک کی عمریں بھی پائی گئیں مگر فرمایا[1] اعمار امتی مابین ستین الی سبعین میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہونگی۔ فرمایا وَقَلَّ مَنْ يَّجُوْزُ ذٰلِكَ بہت کم لوگ ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ بیہقی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے دنیا میں ساٹھ سال کی عمر عطا کی ان کے لیے قیامت کے روز اعلان ہوگا۔ اَيْنَ اَبْنَاءُ السِّتِّيْنَ یعنی ساٹھ سال کی عمر والے لوگ کہاں ہیں۔ وہ لوگ فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ فرمایا یہ اس لیے ہوگا کہ قرآن پاک میں موجود ہے "اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ" یا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی کہ انسان نصیحت پکڑے نیکی حاصل کرنے اور ایمان اور تقویٰ کی دولت حاصل کرے فرمایا یہ ساٹھ سال کی عمر کے متعلق ہے۔ جب کوئی انسان اس عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا۔ انسان یہ نہیں کہ سکتا کہ نیکی کمانے کے لیے مجھے دنیا میں مہلت نہیں ملی بعض مفسرین فرماتے ہیں اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ سے مراد بالوں کی سفیدی ہے۔ یہ انسان کو ڈرا رہی ہے۔ کہ تمہاری عمر ختم ہونے کے قریب ہے۔ اب ہوشیار ہو جاؤ۔ اور جس قدر نیکی کما سکتے ہو، کما لو۔

کافروں کے لیے مہلت

اس کے بعد فرمایا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہماری عطا کردہ مہلت ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم انہیں مہلت اس لیے دے رہے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کا ارتکاب کر لیں اور پھر یکبارگی ہماری گرفت میں آ جائیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شاگرد استاد کے بار بار کہنے پر تعلیم کی طرف توجہ نہ دے، تو استاد آخر اسے کہنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے اچھا! جب

[1] ترمذی ص۳۳۵ (فیاض)

امتحان کا وقت آئیگا تو پھر تم سے نمٹ لوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرماتے
ہیں۔ کہ تمہیں جو ڈھیل دی جا رہی ہے یہ تمہارے فائدے کے لیے نہیں اِنَّمَا
نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا بلکہ اس واسطے کہ تم مزید گناہ میں مبتلا ہو جاؤ۔
اور پھر جب میری پکڑ آئیگی تو تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ سورۃ الرحمٰن میں جنوں
اور انسانوں سب کو مخاطب کر کے فرمایا سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ ہم
تمہاری خبر لینے کے لیے عنقریب فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ تمہارے کیے کی
سزا تمہیں مل کر رہیگی۔ یہاں بھی یہی چیز سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ زندگی کی قیمتی پونجی
کو اچھی تجارت میں لگا کر اس سے آخرت کا سامان خرید لو۔ اس عمر کو غنیمت
جانو صحت سے فائدہ اٹھاؤ مال کو اچھے مصرف میں لگاؤ۔ اگر اس پونجی سے
فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو! وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ایسے لوگوں کے لیے
ذلت ناک عذاب بھی تیار ہے۔ وہ بچ نہیں سکیں گے۔

آیت ۱۷۹

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑ دے جس پر تم ہو ، یہاں تک کہ جدا کر دے خبیث کو پاک سے ۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کرے ، مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے ۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور بچتے رہو گے ۔ پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿۱۷۹﴾

ربطِ آیات — گزشتہ درس میں نافرمان لوگوں کی مالی آسودگی اور اُن کو اللہ کی طرف سے مہلت دینے کا تذکرہ تھا ۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر ایسے لوگوں کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہو جائیں ، لمبی عمر مل جائے اور وہ کفر ، شرک اور برائی کا ارتکاب کرتے رہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بن گئے ہیں ۔ بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ معصیت میں دور تک چلے جائیں ، اور پھر اس کی انتہا یہ ہو گی کہ وہ عذاب مہین کا شکار ہو جائیں گے ۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ اگر انہیں کسی وقت تکلیف آ جائے وہ مصیبت کا شکار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندے نہیں رہے ، بلکہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں اُن کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وقتی

تکلیف محض اُن کا امتحان ہے۔

شکست کی تکوینی حکمت

پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ اللہ تعالے کی ناراضگی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی بہت سی حکمتیں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کا امتحان لینا چاہتا تھا اور ان کے اخلاص کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ کے الفاظ پہلے آ چکے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی تکوینی حکمت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان واضح امتیاز پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ کون خالص مومن ہیں اور کون منافق، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پکے سچے مسلمان منافقین کی سازشوں سے اپنا دفاع کر سکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔ کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے۔ کہ خالص مومن اور منافق آپس میں ملے جلے بلا امتیاز چلتے رہیں۔ جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنی فکر، ذہن اور عمل کے لحاظ سے پاک ہیں۔ وہ فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے ناپاک لوگوں کے ساتھ کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ انہیں تو بہر حال ممیز ہونا چاہیئے۔ بدعقیدگی، کفر اور شرک گندگی ہے۔ قرآن پاک نے صاف فرمایا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ مشرک بلاشبہ پلید ہیں۔ اللہ نے منافق کو بھی ناپاک فرمایا ہے۔ مگر مومن کی شان یہ ہے۔ کہ وہ جنابت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ مومن کبھی نجس نہیں ہوتا، اُسکی روح ہمیشہ پاک رہتی ہے وقتی طور پر اس کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے، اُس کے لیے غسل فرض ہو جاتا ہے، مگر ایسی حالت میں بھی وہ دوسرے شخص کو سلام کر سکتا ہے۔ اس سے مصافحہ کر سکتا ہے۔ لوگوں سے میل ملاپ کر سکتا ہے۔ اللہ کا ذکر کر سکتا ہے جس

روح میں ایمان اور توحید بھری ہوئی ہے، وہ ناپاک نہیں ہوتی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی یہ تکوینی حکمت ہے کہ وہ مخلصین کو منافقین سے الگ کر دے۔

یہاں پہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شکست دے کر ہی منافقوں کو ممتاز کرے، وہ مالک الملک ہے۔ وحی کے ذریعے بھی منافقوں کی نشاندہی کرنے پہ قادر تھا۔ بعض دیگر مواقع پہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہی بتلایا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ سورۃ توبہ میں اس کی مثال موجود ہے اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ سال میں ایک دو مرتبہ منافقوں کی ضرور رسوائی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون کون منافق ہے۔ بعض منافقین کے متعلق صریح آیات بھی نازل ہوئی ہیں مگر یہ لوگ پھر بھی نہ اپنے نفاق کا اقرار کرتے ہیں اور نہ توبہ کرتے ہیں۔ اگر غزوہ احد کے موقع پر ان کو محض وحی کے ذریعے علیحدہ کیا جاتا تو یہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم تو پکے مسلمان ہیں، ہمیں کیوں جدا کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کی بجائے مومنوں کو بالفعل مشاہدہ کرا دیا۔ کہ دیکھ لو یہ لوگ منافق ہیں۔ ان میں سے تین سو کے قریب تو راستے ہی سے عبداللہ بن ابی کی معیت میں واپس چلے گئے۔ اور جو جنگ میں شریک بھی ہوئے انہوں نے بزدلی کی بعض ایسی باتیں کیں جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اب عذر نہیں کر سکیں گے کہ انہیں بلاوجہ جدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو اہل ایمان سے جدا کرنے کی تکوینی حکمت بیان فرما دی۔

غیب کی خبریں

آگے دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ اللہ تعالیٰ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر ایماندار کو غیب پہ مطلع کر دے۔ یعنی اللہ پہ یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کو دوسرے کے حال سے واقف کرائے۔ کہ فلاں مومن یا فلاں منافق ہے۔ فلاں توحید پرست ہے اور فلاں مشرک ہے اس کی بجائے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ کے

منتخب لوگ ہوتے ہیں "اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ" یہ چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ خاص صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے اور پھر اُن کو غیب کی بات بتلاتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کو دخیل نہیں ہونے دیتا۔ جب وحی آتی ہے تو فرشتوں کا پہرا لگ جاتا ہے، سورۃ جن میں موجود ہے "فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" نزولِ وحی کے وقت اللہ تعالیٰ آگے پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے۔ اور مطلوبہ چیز براہ راست نبی کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اور یہ وحی انباءِ غیب یعنی غیب کی خبریں بن جاتی ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا "ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ" یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر وحی کی اور اُن کو نبوت عطا کی مگر اے پیغمبر! آپ خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ یہ سب خبریں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں، یہ چیزیں اخبارِ غیب کہلاتی ہیں

غیب کا مفہوم

غیب کا معنیٰ مخفی اور پوشیدہ ہے، عربی زبان میں پست جگہ کو بھی غیب کہتے ہیں۔ گھونسلے کے اندر چھپا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو بھی غیب کہتے ہیں۔ علامہ بیضاویؒ نے غیب کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے "مَا لَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ" ایسی چیز جسے حواس کے ذریعے معلوم نہ کیا جا سکے، حواس ظاہرہ ہوں یا باطنہ "لَا تَقْتَضِيْهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ" وہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو سکے۔ جو چیز عقل اور حواس کے ذریعے معلوم ہوگی، وہ غیب نہیں ہوگی بلکہ اخبارِ غیب بن جائیگی۔ غرضیکہ غیب وہ چیز ہے جو نہ حواس سے معلوم ہو سکے اور نہ عقل کا وہاں تک ادراک ہو۔

غیب خاصہ خداوندی ہے

غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیب لِذَاتِهٖ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذاتی ہے کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا

ہے کسی فرد کے پاس ذاتی علم غیب نہیں ہے۔ یہ تو سیدھا سا مسئلہ ہے۔ کہ مخلوق میں سے کسی کی ذات اور ہستی بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے تو علم جو صفت ہے وہ کیسے ذاتی ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر صفت بشمول علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ علم محیط بھی اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کا علم، علم محیط نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔ "وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ نیز وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ" ازل سے لے کر ابد تک کے ذرہ ذرہ کا احاطہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو ذاتی علم ہے اور نہ وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر تمام انبیاء میں سے سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ لیکن آپ کا علم بھی نہ ذاتی ہے اور نہ محیط ہے۔ آج کے دور میں تو کہا جاتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام ذرے ذرے کا علم جانتے ہیں۔ اہل بدعت نے اس آیت کو غلط معنی پہناتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نبی کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کتاب، سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے لہٰذا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلی علم کسی کو نہیں دیا۔ قرآن پاک میں بیسیوں آیات ہیں جو اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن پاک نے تو صاف کہہ دیا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" ہم نے اپنے نبی کو نہ شعر و شاعری سکھائی ہے اور نہ یہ اس کی شان کے شایان ہے شاعری کتنا بڑا فن ہے۔ دنیا میں اس کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں مگر یہ چیز نبی کو نہیں سکھائی گئی۔ دنیا میں کتنے علوم ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ جیسے جادو، کہانت، شعر وغیرہ۔ کیا ہم ہر علم کو نبی کی ذات میں جمع کر دیں گے۔ نبی علیہ السلام نے تو خود دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ" اے اللہ! میں غیر نفع بخش یعنی مضر علم سے تیری پناہ پکڑتا ہوں، وہ مجھے نہ دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کے لیے علم محیط کیسے تسلیم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کو وہ علم دیتا ہے جس سے اُن کے دین، شریعت اور نزول
کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ ہر بات کا علم نبی کے لیے ضروری ہے اور نہ اللہ تعالیٰ
عطا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی اکرم ہوائی جہاز نہیں جانتے تھے یا وہ
مشین فٹ نہیں کر سکتے تھے تو یہ بیہودہ اعتراض ہوگا۔ جس علم کی نبی کو ضرورت
تھی اللہ نے پورا پورا دے دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ
لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ آج میں نے تمہارا
دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اہلِ بدعت نے انبیاء کے لیے
علم غیب اور علم محیط ثابت کرنے میں لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں
جب تک انبیاء کے لیے علم غیب ثابت نہیں ہوگا، سلسلہ اولیاء اور پیروں
تک کیسے پہنچے گا۔ یہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جو مثلاً اِن میں بھی عود کر آیا ہے
قرآن نے تو صاف فرما دیا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا ارض و سماء میں کوئی ذات نہیں جو غیب جانتی ہو

معصوم صرف نبی ہوتا ہے

تفسیر مدارک والے امام عبداللہ نسفی ساتویں صدی ہجری میں حنفی امام
گزرے ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی یہ آیت فرقہ باطنیہ کے
خلاف نص ہے۔ جو واضح کرتی ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور
نبی کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ فرقہ باطنیہ ملا حسن ابن صباح کے پیروکاروں
میں سے ہیں۔ آغا خانی بھی انہی کی ایک شاخ ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے رافضیوں
اور شیعوں کے اڑتالیس اقسام بیان کیے ہیں جن میں سے بعض گمراہ ہیں اور
بعض قطعی طور پر کافر۔ ان باطنیہ فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے امام
معصوم بھی ہوتے ہیں اور غیب دان بھی۔ تو امام عبداللہ نسفی نے اسی بات
کی تردید کی ہے۔ اُن کا دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ یحلون ما یشاءون
و یحرمون ما یشاءون اُن کے امام جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور
جس کو چاہیں حرام کر دیں۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے کسی چیز کی حلت و حرمت صرف

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں۔ وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق حلال و حرام اشیاء کی وضاحت کرتا ہے، نہ کہ حلت و حرمت کا اختیار خود رکھتا ہے جب نبی کو یہ اختیار حاصل نہیں تو اماموں کو کیسے حاصل ہو گیا۔

بہرحال امام بیضاوی آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بعض الغیوب یعنی غیب کی بعض باتیں بتلا دیتا ہے۔ اور یہ بعض ہوتا ہے۔ کل نہیں ہوتا۔ تقریباً یہی جملہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے انبیاء کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے مطلع کر دیتا ہے مگر ذاتی علم یا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

اجر عظیم

فرمایا فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے وَاِنْ تُؤْمِنُوْا اور اگر تم حقیقی ایمان لاؤ گے وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے۔ کفر، شرک، بدعت، معاصی اور ذنوب سے بچتے رہو گے، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو گے فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ "محافظت بر حدود شرع" کا نام ہے۔ شریعت کی حدود پر رہتے ہوئے حلال و حرام کا امتیاز کرنا، صحیح اور غلط میں فرق کرنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا اترا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ : اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے ، کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے ، بلکہ وہ اُن کے لیے بُری ہے اُن کے گلے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائیگی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی اور زمین کی ۔ اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتا ہے ﴿۱۸۰﴾

ربطِ آیات

اِس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کا ذکر فرمایا ، اور ان کے فاسد عقیدے کو بیان کیا۔ یہاں پہ زیادہ تر تذکرہ نصاریٰ کا ہے ، مگر مختصراً یہودیوں کا بھی کچھ بیان آیا ہے۔ اُس کے بعد جنگ احد سے متعلق بہت کچھ آچکا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں خبیث اور طیب کے امتیاز کا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے عقیدے میں امتیاز پیدا کر کے چھوڑے گا اور واضح ہو جائیگا کہ سچے مومن کون ہیں ، اور گندے عقیدے والے منافق کون ہیں۔ اس طرح مالک ذوالجلال نے غزوہ احد میں شکست کی تکوینی حکمت بھی بیان فرما دی۔

جہاد بالمال

اللہ تعالیٰ نے دین کی تقویت کے لیے جہاد بہت بڑا عمل ہے جس

کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انسان بذاتِ خود جہاد میں شریک ہو کر جسم و جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ یا پھر مال خرچ کر کے مجاہدین کے لیے سامان پیدا کرتا ہے۔ گزشتہ دروس میں اُن منافقین کا ذکر آ چکا ہے۔ جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مختلف حیلوں بہانوں سے جہاد میں حصہ لینے سے اعراض کیا۔ اب آج کے درس میں اُن بخیل لوگوں کا تذکرہ ہے، جو ضرورت کے وقت خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم سورۃ بقرہ میں بھی آ چکا ہے۔ "وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ" اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بخل کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ بخیل لوگ بخل کر کے یہ نہ گمان کریں کہ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے، وہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ بلکہ وہ تو اُن کے لیے بُرا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ کے الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ اللہ کریم انسان کو یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ جس مال کے خرچ کا اُس سے تقاضا کیا جا رہا ہے، وہ اُس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے۔ انسان کا تو جسم اور قویٰ بھی ذاتی نہیں ہیں چہ جائیکہ مال ذاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف ذرائع سے مال مہیا کر دیتا ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ اُس کے عقل و ہنر کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب پیدا کر کے مال دیا ہے۔ اور پھر اس میں سے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے مگر کنجوس آدمی سمجھتا ہے کہ کنجوسی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ بخل اُن کے حق میں بہت بُری چیز ہے۔

بخل کی بیماری

بخل کی بیماری ایسی خطرناک بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کر کے ہلاکت میں پڑ جاتا

ہے۔ بخل کی وجہ سے انسان فرائض بھی ادا نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر جو شخص اپنے مال سے اللہ کی فرض کردہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ وہ سنتوں اور مستحب صدقہ و خیرات کب کرے گا۔ اسی لیے بخل کو بدترین اخلاقی بیماری کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، یقین جانو وہ کامیاب ہو گیا۔ انسان کا مزاج تو ویسے ہی مال کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے "اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" انسان مال کی شدید محبت میں گرفتار ہے۔ ہر طریقے سے مال حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صلح کے باب میں بھی فرمایا ہے وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ یعنی مال خرچ کر کے بھی صلح کر لینی چاہیے نفسوں کے پاس بخل حاضر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خرچ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا گیا یا حضرت! فلاں شخص میں بخل کی بیماری پائی جاتی ہے فرمایا اَیُّ دَاءٍ اَدْوَءُ مِنَ الْبُخْلِ بخل سے بڑھ کر بھی بیماری کونسی ہو سکتی ہے۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی اس بیماری کا ذکر آ رہا ہے۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی خرابیوں میں بخل کو بھی شامل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً بخل سے منع فرمایا ہے۔ یہ بدترین بیماری ہے۔

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا یعنی کسی مومن بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ جو سچا مومن ہوگا، وہ بخیل نہیں ہو سکتا۔ اگر بخل ہے تو ناقص الایمان ہے اسے اپنے ایمان کی اصلاح کرنا ہوگی۔

بخل فی العلم

جس طرح مال اللہ کا فضل ہے۔ اسی طرح علم کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور بخل نہ مال میں روا ہے اور نہ علم میں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم جیسی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کو آگے نہیں پہنچاتا۔ بخل کرتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے

سے شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ بِلِجَامٍ مِّنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا مگر اس نے وہ بات چھپا دی، فرمایا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ سائل علم کا محتاج تھا مگر صاحب علم نے اس کی ضرورت کو پورا نہ کیا، لہذا اس نے بخل کیا۔ اس لحاظ سے علم کا بخل مال کے بخل سے بھی بُرا ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى .... جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، فرمایا اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ "ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ یہ ملعون لوگ ہیں" اسی لیے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں پر بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے۔ مسلمان حامل قرآن ہیں مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے سوا چار ارب اس نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔ اور اگر قرآن کا علم ان تک نہ پہنچے اور وہ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہیں تو اسکے ذمہ دار مسلمان ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت دی جسے انہوں نے چھپائے رکھا اور ضرورت مند تک آگے نہیں پہنچایا۔ قرآن پاک کی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کو بھی مستحقین تک نہیں پہنچایا جارہا ہے۔ یہ بھی حق بات کو چھپانا ہے۔ "يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے مترادف ہے اللہ کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ لہذا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین اسلام کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں، نہ خود بخل کا ارتکاب کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں۔ یہ سب کچھ فضل میں شامل ہے۔

فضل وسیع معنوں میں

فضل کے لفظ میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں مثلاً سورۃ فتح میں نبی علیہ السلام کے صحابہؓ کی مدح میں آتا ہے۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا "وہ اللہ کا فضل اور رضوان تلاش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ رضوان سے

مراد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی ہے۔ اور فضل میں ارتفاق معاش پایا جاتا ہے جس شخص کو جائز ذرائع سے رزقِ حلال میسر آرہا ہے یہ خدا کا فضل اور ارتفاق ہے۔ دوسرے فرائض کے بعد کسب رزق حلال بھی انسان کے لیے فرض ہے اگر اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو اس کے خرچ کرنے میں بخل نہ کرو۔ کیونکہ جس ذاتِ باری تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے مشاہدات کیے ہیں۔ کہ بڑے بڑے امیر کبیر اور دولت مند چند دنوں میں قلاش ہو گئے۔ لہٰذا مال کے ساتھ حد درجہ کی محبت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اپنے ہاتھ سے خرچ کر دینا چاہیئے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے یا ابن آدم ان تبذل الفضل خیر لک اے آدم کے بیٹے! اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے تو اسے خرچ کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وان تمسکہ شر لک اور اگر روک کے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے برا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تم نے مال کے فرائض ادا نہیں کیے تو جہنم لازم آئی اور اگر فرائض ادا کر دیے ہیں پھر بھی فضیلت سے محروم رہو گے۔ اس میں شر کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور پایا جائے گا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا اے اللہ! آل محمد کی روزی بس اتنی کر دے جس سے گزر اوقات ہو جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اخلاق کا بگاڑ

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی عظیم کتاب ہے۔ گزشتہ بارہ صدیوں میں اسلام کی تائید و خدمت میں ایسی کتاب نہیں ملتی۔ یہ کتاب ہمارے درسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دوسری معرکۃ الآراء کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ہے۔ اس میں خلفائے اربعہ کی سوانح حیات اور ان کا نظام حکومت مذکور ہے شاہ صاحبؒ ان دونوں کتابوں میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے

والی دو چیزیں ہیں ایک امپیریلزم جسے شہنشاہیت یا ملوکیت کہا جاتا ہے اور دوسری سرمایہ داری، انبیاء علیہم السلام ایسی ہی چیزوں کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے رہے ملوکیت میں من مانی کارروائیاں کی جاتی ہیں کسی کے حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، جس سے دوسرے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، لہٰذا یہ دونوں چیزیں انسانی اخلاق کے بگاڑ کا موجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر میں فرمایا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا تم جی بھر کر مال سے محبت کرتے ہو، غرباء و مساکین کا خیال نہیں رکھتے یتیموں کی سرپرستی نہیں کرتے، لہٰذا ذلت کا شکار ہو کر رہ گئے۔ ہم مشرقی ممالک کے باشندے سرمایہ داری کا شکار ہیں۔ بر خلاف اس کے بعض ممالک میں اشتراکی نظام رائج ہے۔ یہ سب نظام خدا اور اس کے دین سے انکار پر مبنی ہیں، اس لیے ملعون ہیں ہاں! اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے مواخذہ پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اس میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے۔ ذرائع آمدنی پر کنٹرول کر کے سلامت و سالمیت کو داخل کیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی کی بجائے جس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے اسی لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے، جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا تو انہوں نے قیصر و کسریٰ کے غلط نظاموں کو یکدم تبدیل کر دیا اور دنیا میں ایک صالح نظام قائم کیا، خلافت راشدہ کا نظام دنیا میں مثالی نظام تھا، مگر آج مسلمان اس نظام کو بھول چکے ہیں۔

بخیل کی سزا

فرمایا بخیلوں کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے شر ہے۔ اور ان کے بخل کی آخرت میں سزا یہ ہوگی۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن بخیلوں کے گلے میں اس چیز کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی دولت عطا کی اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مال سانپ بن جائیگا۔ اور اس کے گلے میں پڑ کر اس کو کاٹے گا۔ اور کہے گا۔ اَنَا کَنْزُكَ اَنَا مَالُكَ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا تھا، جسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کے ساتھ تو غریب و مسکین کی پرورش نہیں کرتا تھا۔ فرمایا اسی طرح اگر کسی کے پاس جانور تھے اور اس نے ان کا حق ادا نہیں کیا۔ تو وہ اس شخص کو لٹا کر اسکے اوپر سے گزریں گے اس کو روندیں گے، اس کو سینگ ماریں گے۔ اور اس کو کاٹیں گے۔

مالک ہر شے خدا ہے

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی میراث بن گیا بلکہ وَلِلّٰهِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ زمین و آسمان کی تمام وراثت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ اور مالک بھی وہی ہے اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَیۡكَ اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پر اس کا مالک بنایا۔ پھر اپنے احکام بھیجے تاکہ ان کے مطابق عمل کر کے اس مال سے نیکی کماؤ۔ اس کے مال کو اسی کے راستے میں خرچ کرو بخل نہ کرو۔ اور یاد رکھو (وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ) تمہارے ہر فعل کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ یُنَبِّئُكُمۡ بِمَا عَمِلۡتُمۡ تم جو کچھ دنیا میں کر رہے ہو، وہ سب کچھ تمہارے سامنے آ جائیگا اور پھر تمہیں اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے اُن لوگوں کی بات سُنی ہے جو کہتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ضرور لکھیں گے اس چیز کو جو انہوں نے کہی ہے اور ان کا اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی۔ اور پھر ہم (جزا کے وقت) کہیں گے کہ چکھو جلانے والے عذاب کا مزہ (۱۸۱) اور یہ اس وجہ سے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲)

اس سے پہلے درس میں یہودیوں کے بخل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات بھی اُسی سلسلے سے متعلق ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی ہجرت مدینہ کے وقت خود مدینہ طیبہ اور اس کے ارد گرد یہودی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ خیبر یہودیوں کا خاص گڑھ تھا۔ اس کے علاوہ جوار مدینہ میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کی بستیاں تین تین چار چار میل کے فاصلے پر آباد تھیں۔ ان آیات کے شان نزول کے متعلق جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اُسے امام بغوی، صاحب تفسیر مظہری اور ابن جریر وغیرہ نے محمد بن اسحاق مؤرخ کی روایت سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دعوت اسلام کا پیغام دیکر بنی قینقاع کی طرف بھیجا۔ یہ دعوت نامہ اس مضمون کا تھا کہ اتقوا اللہ

یعنی اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان لے آؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتب میں موجود ہے اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ نیز یہ بھی کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ کو قرض حسن دو۔ حضرت صدیق اکبرؓ یہ مکتوب لے کر بنی قینقاع کے ہاں پہنچے اُس وقت یہودیوں کا بڑا عالم فنحاص بن عازورا بیت المدارس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضور علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اسی لیے تو وہ ہم سے قرضہ طلب کرتا ہے (العیاذ باللہ) یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سود حرام کیا ہے اور ہمارے لیے جائز بنایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سن کر برداشت نہ کر سکے اور اُس یہودی عالم کے تھپڑ دے مارا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ حائل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔

روایت میں آتا ہے۔ کہ فنحاص بن عازورا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپ کے دریافت کرنے پر صدیق اکبرؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تھی کہتا تھا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔

قرض حسن

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے۔ اُسے یہودی اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور نہ اُسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے۔ اُس نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور دیگر مستحقین پر خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرو۔ اور اس کا اجر مجھ سے وصول کرلو۔

فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ" جو اللہ کو قرض دیگا میں اس کا دگنا چوگنا اجر عطا کرونگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں خرچ کرنے والوں کو یقین دلایا ہے۔ کہ تمہارا خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں جائیگا بلکہ اس کے عوض میں تمہیں بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اس کے سامنے تمام مخلوق محتاج ہے۔ جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ" اس کی ذات بے نیاز ہے اور تم سب اس کے سامنے فقیر اور محتاج ہو۔

حلال و حرام کی حکمت

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کے جتنے احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب انسانوں ہی کے فائدے کے لیے ہیں یا ان کے نقصان سے بچنے کے لیے ہیں۔ لوگ جس قدر صدقہ خیرات کرتے ہیں یا زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی چیز نہیں جاتی اور نہ ہی اس کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ اس میں باقی انسانوں کے لیے فائدے ہیں۔ امیر آدمی کے صدقہ خیرات سے محتاج کی پرورش ہو جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ہمدردی اور غمگساری کا ذریعہ پیدا فرمادیا ہے اس سے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بہر حال بنی نوع انسان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ان میں لوگوں کے لیے نقصانات ہیں۔ اول تو کوئی نہ کوئی جسمانی نقصان ہوگا، ورنہ روحانی نقصان تو لازمی ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔

یہود کی گستاخیاں

یہودیوں نے حرص اور بخل کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ کی شان میں بہت سی گستاخیاں کیں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے۔ جب ان بدبختوں کو مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو کہنے لگے۔ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ" خدا تعالیٰ کے

رہ تنگ ہو گئے ہیں وہ جو بہر فیاضی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا
غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَلُعِنُوْا ان کے اپنے ہاتھ جکڑے ہوئے
ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے فرمایا بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ
بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔ وہ تو بڑی فیاضی کی بارش نازل فرما رہا ہے۔ وہ
جس طریقے سے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں حقیقت
یہ ہے کہ یہودی کفر کے کلمات بول کر گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ وہ بے ادبی میں مبتلا
ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ سورۃ البقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے
موسیٰ علیہ السلام سے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم ہرگز ایمان
نہیں لائیں گے یعنی کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ
نے اس گستاخی کی فوراً سزا دی اور وہ گرفت میں آ گئے۔

آج کے درس کی آیت کریمہ میں بھی یہودیوں کی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے
فرمایا لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ
بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ)
فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فرمایا یہودیوں کے اس گستاخانہ کلام کا بدلہ یہ ہے کہ
سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ہم اس بات کو ضرور لکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے
اُسے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے تاہم انصاف کے
تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی یہ بات لکھ لی جائیگی اور دفتر میں محفوظ ہو
جائیگی۔ پھر حساب کتاب کے دن لا کر ان کے سامنے رکھ دی جائیگی۔ تاکہ وہ
اس کا انکار نہ کر سکیں۔

قتلِ انبیاء

اس گستاخی کے علاوہ یہودیوں کی ایک بہت بڑی خصلت ناحق قتلِ انبیاء ہے
فرمایا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ان کی جانب سے اللہ کے نبیوں
کا ناحق قتل بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ پھر اس کی بھی ان کو ضرور سزا دیں گے۔ نبی کا قتل تو
یقیناً ناحق ہوتا ہے۔ بلکہ کسی عام مسلمان کا قتل ناحق بھی اکبر الکبائر میں سے ہے۔

بدترین جرم ہے۔ تاہم یہاں پر لفظ بغیر حق سے مراد یہ ہے۔ کہ انبیاء کا قتل خود ان قاتلین کے نزدیک بھی ناحق تھا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے سخت سزا کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے اللہ کے نبی کو شہید کیا ہوگا۔ یا وہ شخص سب سے زیادہ ملعون ہوگا جسے اللہ کا نبی قتل کر دے۔ ایسے شخص کی مثال ابی ابن خلف کی ہے۔ جو غزوہ احد میں نبی علیہ السلام کے نیزہ کی زد میں آ کر جہنم واصل ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کے قتل کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا ہے خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی کئی مذموم کوششیں کیں۔ خیبر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ پھر بنی نضیر کے علاقے میں دیوار کے اوپر سے آپ علیہ السلام پر پتھر گرانے کی سعی لاحاصل کی گئی۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے ان قبیح کارناموں کو منظر استحسان سے دیکھتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے یہودی قاتلین انبیاء کے صدیوں بعد آئے مگر اپنے سابقین کی برائی کی حمایت کرنے کی وجہ سے یہ اس قتل ناحق میں شریک سمجھے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ کہ ایک شخص بالفعل برائی نہیں کرتا۔ مگر برائی کرنے والے کو دل سے اچھا سمجھتا ہے۔ تو وہ بھی برائی کرنے والے کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر شخص جو اپنے سامنے برائی ہوتی دیکھ کر دل سے برا مناتا ہے۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

گستاخی کی سزا

ان گستاخیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ اور پھر ہم جزائے عمل کے وقت کہیں گے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ تم خدا تعالیٰ کی شان میں بیہودہ کلمات بولتے تھے کہ خدا فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔ لو آج اس گستاخی کی سزا بھگت لو۔ فرمایا ہماری سخت سزا تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيكُمْ یہ اس وجہ سے ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ تم نے دنیا میں جس قسم کے اعمال انجام دیئے یہ انہی کا بدلہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ

رَّعَلَيهَا مَا اكْتَسَبَتْ تمہاری اپنی ہی کمائی تمہارے سامنے آئے گی۔ یہ تمہاری بداعمالیوں کا صلہ ہے۔ جو تمہیں مل رہا ہے۔ اور یاد رکھو! وَمَا اللّٰہُ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ تو انصاف کرنے والا ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ یہاں یہ ظَلَّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا یا ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بداعتقادی، بداعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید تر سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٨٣﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾

ترجمہ: وہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے، جس کو آگ کھا جائے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے! تحقیق تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر، اور اس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے۔ پس تم نے اُن کو کیوں قتل کیا، اگر تم سچے ہو ﴿۱۸۳﴾ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں، تو بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں، جو لائے تھے۔ کھلی نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتابیں ﴿۱۸۴﴾ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ اور بیشک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بیشک وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ﴿۱۸۵﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بخل اور حرص کا تذکرہ کر کے اُن کی مذمت کی تھی۔ وہاں اُن کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُس گستاخی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے کہا کہ اگر اللہ ہم سے قرضِ حسن مانگتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر متنبہ کر دیا تھا کہ اُس نے اِن گستاخانہ کلمات کو تحریر کر لیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ اُن کے آباؤ اجداد کے قتلِ انبیاء کے فعل کو بھی اُس نے لکھ رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن انہیں جلا دینے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دراصل قبولیتِ اسلام کے خلاف اہل کتاب کی یہ حیلہ سازی تھی۔ وگرنہ وہ اسلام کی سچی اور مبنی برحقیقت دعوت کو ٹھکرا نہیں سکتے تھے۔ انہیں حقیقتِ حال کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ محض اپنی ہٹ دھرمی، عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اگر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو پھر اُن کی سیادت قائم نہیں رہ سکے گی اور ان کے اکلِ حرام بشمول سود کے تمام ذرائع بند ہو جائیں گے۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اُسی صورت میں ایمان لائیں گے جب اللہ کا رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر آئے جسے آگ ہمارے سامنے کھا جائے۔ اس درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس بیہودہ بہانے کا جواب بھی دیا ہے۔

سرمایہ داری کی لعنت

سرمایہ داری ہمیشہ قبولِ حق میں مانع رہی ہے۔ سابقہ انبیاء کے دور میں بھی یہی چیز تھی۔ بڑے بڑے دولتمندوں نے ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکٹھی کر رکھی تھی۔ مال اکٹھا کرنا اور پھر اُسے جائز کی بجائے ناجائز امور پر خرچ کرنا اُن کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ کے نبی انہیں حرام راستے سے دولت کمانے اور حرام راستے پر خرچ کرنے سے روکتے تھے۔ عدل و انصاف کا حکم دیتے تھے، جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ ذہنیت کے

لوگ انبیاء کے گرد جمع نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے تھے۔ سورۃ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر موجود ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! خالص اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ نیز یہ کہ ناپ تول میں ڈنڈی نہ مارو، کسی کا حق نہ کھاؤ، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ "بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" لوگوں کے حق ادا کرنے کے بعد جو چیز تمہارے پاس بچ جائیگی۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے حقداروں کے حق ادا نہ کیے، تو وہ چیز تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگی۔ اس وعظ پر قوم سخت چیں بجبیں ہوئی۔ اور کہنے لگی "یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ" اے شعیب! کیا تمہاری نمازیں یہ کہتی ہیں۔ کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو ترک کر دیں "اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا" یا ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ تم ہمیں اس کام سے بھی روکنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے مال پر پابندی لگانا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری یہ بات ہرگز قبول نہیں۔ اور اگر اللہ کا نبی یہ کہے کہ مجھ پر ایمان لا کر جو چاہے کرتے پھرو۔ تو پھر وہ سارے کے سارے نبی کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے مگر اللہ کا پیغمبر تو انہیں شتر بے مہار نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز سکھائیگا۔ اللہ کا نبی انہیں جائز ذرائع سے کمانے اور جائز امور پر خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی لیے تو لوگ اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اُسے تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں، طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مکے کے دولت مند مشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے کئی بہانے بناتے تھے۔

قربانی کی فرمائش

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے ایک اور حیلہ کا ذکر کیا ہے ایمان لانے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک اور شرط پیش کی ارشاد ہوتا ہے۔ "اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ

لَن نُّؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَأْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہے۔ کہ ہم کسی رسول پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں، جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُسے اس قسم کی سوختنی قربانی پیش کرنے کو کہا جائے مگر دو نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

سابقہ امتوں میں مالِ غنیمت کا استعمال بھی جائز نہیں تھا۔ لہٰذا محاذِ جنگ سے حاصل ہونے والا مال لوگ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ سارا سامان ایک مقام پر اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ آسمان سے سفید رنگ کی معجزانہ آگ آتی تھی جو اُسے جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ مال ان لوگوں کے لیے حلال نہیں تھا اس لیے وہ خود ہی اُسے آگ لگا کر ضائع کر دیتے ہوں۔ مگر نبی آخر الزمان کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا ہے۔ صحیح حدیث میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عاجزی اور ضعف کو دیکھ کر ہمارے لیے مالِ غنیمت جائز قرار دے دیا ہے۔ سورۃ انفال میں بھی موجود ہے فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا مالِ غنیمت کے حلال اور طیب مال میں سے کھاؤ۔

بائیبل کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کی قبولیت کی نشانی یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُسے جلا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مواقع پر کوئی نبی سوختنی قربانی کرتا تھا تو آگ اُسے جلا دیتی تھی۔ جو نبی کی صداقت کی دلیل سمجھی جاتی تھی سورۃ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر ہے کہ ان میں سے ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی، بعض روایات کے مطابق وہاں بھی مقبولیت کی نشانی یہی تھی کہ اُسے آگ نے جلا دیا تھا جب کہ

دوسری غیر مقبول قربانی صحیح سلامت بچ گئی تھی۔ الغرض! اہل کتاب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے ایسی ہی معجزانہ قربانی کی فرمائش کی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے
کہ جب تک ایسی قربانی کا مشاہدہ نہ کرلیں ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کا جواب

اللہ تعالیٰ نے اس فرمائش کے جواب میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! ان
کو کہیے قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت
سے رسول آئے ہیں بِالْبَيِّنٰتِ واضح باتیں لے کر۔ بینات معجزے کو بھی کہتے
ہیں اور واضح دلائل اور واضح احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ،
توحید، صبر، شکر، خدا کا ذکر وغیرہ یہ سب بینات اور دین کے بڑے اہم اصول
ہیں۔ اللہ کے نبی ہر بات میں واضح دلائل پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پہ توحید
کے متعلق تو بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل اور مشاہدہ کے ہزاروں دلائل پیش کیے
گئے ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
اور عنادی ذہن والے لاجواب ہو جاتے ہیں اور جہالت پہ اتر آتے ہیں۔ اس
سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید باری تعالیٰ کے متعلق عقلی، نقلی، اور
مشاہداتی دلائل کتنے مضبوط تھے جن کا جواب نہ باپ دے سکا، نہ بادشاہ وقت
اور نہ ساری قوم۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے مار پیٹ
پر تیار ہو گئے، باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ پوری قوم دشمن جان بن گئی۔
اسی لیے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ
کے رسول واضح دلائل لے کر آئے ہیں وَبِالَّذِي قُلْتُمْ اور وہ چیز بھی لائے
ہیں جس کی تم لوگ فرمائش کرتے ہو یعنی مجھ سے پہلے اللہ کے نبی سوختنی قربانی کی دلیل
بھی تمہارے آباؤ اجداد کے سامنے پیش کر چکے ہیں مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔

تورات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کا ذکر موجود ہے۔ بعل نامی
بت کے پجاری یہی یہودی تھے۔ ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ آؤ میدان
میں نکلو، ایک بیل میں اللہ کے نام پر قربان کرتا ہوں، تم ایک بیل اپنے بت بعل

کے نام پر قربان کرو، پھر دیکھتے ہیں۔ کہ کس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا کر قبولیت کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور اسرائیلیوں کی قربانی ویسی کی ویسی رہی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچانا پڑی حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے۔

فرمایا تمہارے آباؤ اجداد نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ پس تم نے یعنی تمہارے آباؤ اجداد نے ان کو کیوں قتل کیا۔ کیوں ان کی جان کے دشمن بنے۔ فرمایا اس بات کا جواب دو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مقصد یہ کہ آج تم مجھ سے وہی پرانا قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کر دے، پھر بھی تم ماننے پر تیار نہ ہو گے بلکہ کسی اور حیلے بہانے سے انکار کر دو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا اے اہل حق! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں فَاِنْ كَذَّبُوْكَ اگر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ بیشک آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں۔ جس طرح آج آپ کی قوم آپ کا انکار کر رہی ہے اسی طرح سابقہ قومیں سابقہ انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتی رہی ہیں اور نبی بھی ایسے جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ جو کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور دلائل لے کر آئے، اور بڑی نصیحت آموز باتیں لے کر اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ زبر صحیفے کو کہتے ہیں جس میں وعظ و نصیحت کی باتیں ہوں۔ اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ زبور کہلاتا ہے۔ صحیفے میں احکام اتنے زیادہ نہیں ہوتے البتہ معاشرتی پند و نصائح ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے علاوہ اللہ کے وہ پیغمبر وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ روشن کتاب بھی لے کر آئے، مگر پھر بھی تمہاری

قوم نے انہیں تسلیم نہ کیا۔ روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ہر قسم کے احکام مثلاً حلال و حرام کے احکام، سیاسی اور معاشی احکام، جہاد، عبادات اور دیگر معاشرتی احکام موجود ہوں۔ فرمایا اللہ کے نبیوں نے تمام حجت پوری کر دی مگر ان لوگوں نے اُن کا نہ صرف انکار کیا، بلکہ اُن کے قتل کے درپے ہوئے۔ لہٰذا اے پیغمبر! آپ بددل نہ ہوں۔ پیغمبروں کو جھٹلانا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے لہٰذا آپ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔

موت اور جزائے عمل

فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر ایک نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ کوئی ذی روح موت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ جس طرح نبی اور اس کے ماننے والے موت سے ہمکنار ہوں گے، اسی طرح اُن کے مخالفین کو بھی یہ گھاٹی لازماً عبور کرنا ہو گی۔ یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور سب کو نئی زندگی میں داخل ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہو گا۔ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور پھر فیصلے کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں نہ کمی ہو گی اور نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل مل جائے گا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جیسا انسان کا اپنا وجود۔ جس طرح انسان کے اپنے جسم کے موجود ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسی طرح جزائے عمل بھی لاریب واقع ہو کر رہے گی۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص دوزخ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا یہ ایسی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت، سرمایہ اور اقتدار سب ہیچ ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت کا داخلہ حاصل کرلے جو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا، وہ حظیرۃ القدس کا ممبر بن گیا اور اسی کے لیے فلاح و کامیابی ہے۔

فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ اور دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔ شیطان بہت بڑا دھوکے باز ہے اس نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ آدمی اس دنیا کے کاموں میں مگن ہو کر اس کو مستقل ٹھکانا سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ حقیقت سے بے بہرہ ہو کر دین حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور پھر بداعمالی اور بدعقیدگی کا ذخیرہ جمع کر کے آخرت میں نامراد و ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے فرمایا کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

دنیا دھوکہ محض ہے

بہرحال اللہ تعالیٰ نے قبول حق میں اہل کتاب کے جھوٹے حیلے بہانوں کی مذمت بیان فرمائی اور نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی کہ تکذیب حق سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ والوں کو ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ گزرنا پڑا ہے۔

درس شصت و شش ۶۶ — آیت ۱۸۶

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ :۔ البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں میں۔ اور البتہ ضرور سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقوے کی راہ پہ قائم رہو گے تو بیشک یہ مقصود ی کاموں میں سے ہے ﴿۱۸۶﴾

ربط آیات

گذشتہ درس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب کی ایذا رسانیوں کے خلاف تسلی دی گئی تھی۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ اس سے دِل برداشتہ نہ ہوں، کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ سے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں، کتاب اور نصیحت آمیز باتیں لے کر آتے رہے۔ فرمایا اہل کتاب کی بیہودہ باتوں سے قطع نظر آپ تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔ نیز فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور اس گھاٹی کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے وہاں ہر ایک کو اُس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ آج کے درس میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کی اسی قسم کی اذیت رساں باتوں کا تذکرہ کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

۹ دارِ ابتلاء

ارشاد ہوتا ہے لَتُبْلَوُنَّ اے اہلِ ایمان! البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے
یہاں پہ لَ تاکیدی اور ن ثقیلہ دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں حروف تاکید کے لیے
آتے ہیں، لہٰذا معنی یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش لازماً ہوگی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی
گنجائش نہیں۔ اور آزمائش کس چیز میں ہوگی، فرمایا فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ
تمہارے مالوں میں بھی آزمائش ہوگی اور جانوں میں بھی ہوگی۔ یعنی دیندار لوگوں ۔۔۔۔
کو مالی اور جانی ہر دو لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا، تاکہ پتہ چل جائے کہ
دین کے معاملہ میں پُرخلوص کون ہے اور کمزور ایمان والا کون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشادِ گرامی ہے یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ انسان
اپنے دین کے مرتبے اور مقدار کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ کوئی شخص جس قدر
دین میں مضبوط ہوگا، بسا اوقات اُس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔
آزمائش کا یہ قانون اللہ تعالیٰ نے کئی ایک سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔
سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ اور ہم تمہاری ضرور آزمائش
کریں گے خوف اور بھوک کے ذریعے، اور مال، جان اور پھلوں کے نقصان
کے ذریعے۔ جب بھی مالی یا جانی نقصان ہوتا ہے، اہلِ ایمان کے لیے آزمائش
ہوتی ہے۔ کہ اس تکلیف پہ وہ کہاں تک ثابت قدم رہتا ہے۔ سورۃ انبیاء
میں آتا ہے وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً ہم خیر و شر
دونوں طریقوں سے آزماتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس دنیا کو دارالابتلاء کہا جاتا،
اس دنیا کو کوئی مستقل گھر نہ سمجھ بیٹھے، یہ تو آزمائش کا گھر ہے۔ اکثر مقامات
پہ آزمائش کے سلسلہ میں مال و جان کا ذکر کیا گیا ہے مقصد یہ ہے۔ کہ کسی کو
مال اور اولاد دے کر آزمایا جاتا ہے اور کسی سے یہ چیزیں واپس لے کر آزمائش
میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کبھی بیماری میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے اور کبھی جہاد میں
جامِ شہادت پلا کر ان کی کڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام قانون

بتا دیا ہے کہ اللہ والے ہر وقت امتحان سے گزرنے کے لیے تیار رہیں۔ ایک ابتلاء جنگ احد میں آئی تھی تو اس کے بعد بھی کوئی امتحان آسکتا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

تکلیف دہ باتیں

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دوسری آزمائش کے متعلق خبردار کیا۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ تم ضرور سنو گے ان لوگوں کی طرف سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا أَذًى كَثِيرًا بہت سی تکلیف دہ باتیں، یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرف سے تمہیں اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گے۔ ایسی تکلیف دہ باتیں وہ پہلے بھی کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی باز نہیں آئیں گے لہٰذا اہل ایمان کو اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ مشرکین کے متعلق تو مکی سورتوں میں آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں کہ وہ قرآن پاک، پیغمبر خدا اور اہل ایمان کے متعلق کس قسم کی زبان استعمال کرتے تھے۔ اس وقت سے لیکر یہ اذیت ناک سلسلہ آجتک جاری ہے مشرکین کو دنیا میں جہاں کہیں غلبہ حاصل ہوتا ہے یا انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ اہل ایمان کو ذلیل کرنے سے باز نہیں آتے۔ باقی رہے اہل کتاب تو ان کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کے وقت مدینہ کے گرد و نواح میں جو یہودی آباد تھے انہوں نے اہل اسلام کے متعلق کیا کیا شوشے چھوڑے، اور نئے نئے مسلمانوں پر کس طرح عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی کعب بن اشرف یہودیوں کا دولت مند تاجر اور سردار تھا۔ وہ بدبخت شعر بھی کہتا تھا۔ اور اپنے اشعار میں حضور علیہ السلام کی ہجو بیان کرتا تھا۔ اور ایسے قبیح اشعار سر عام پڑھنے کی دوسروں کو بھی ترغیب دیتا تھا۔ یہ لعین اپنے شعروں میں مسلمان پاکدامن اور باعصمت عورتوں کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا اظہار کرتا تھا مسلمانوں کے لیے یہ چیز نہایت ہی تکلیف دہ تھی۔ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کی ذلت ناک شکست کے بعد یہ شخص مکہ گیا اور اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے پر اکسایا

وہ کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں کے دین کی نسبت مشرکین کا دین بہتر ہے۔ اس شخص نے معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کی تھی آخر حضور علیہ السلام کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعض دوسرے یہودی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کر حضور علیہ السلام کو شہید کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بعض دیگر سازشیں بھی کیں، جو آج تک جاری ہیں۔

امیر شکیب ارسلان شام کے رئیس اور عالم تھے۔ ترکی خلافت میں عہدیدار رہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ نے طرابلس کی لڑائی میں بطور مجاہد شرکت کی۔ اور دوسری جنگ عظیم میں بھی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ انگریزوں نے شام پر قبضہ کر کے ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ آپ نے بیس (۲۰) سال تک یورپ میں جلاوطنی کی زندگی گزاری اور ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔

ایک امریکی انگریز نے THE NEW WORLD OF ISLAM (اسلام کی دنیائے جدید) کے نام سے کتاب لکھی جس میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے حالات قلمبند کئے۔ ایک مصری شخص نے اس کا ایک جلد میں عربی ترجمہ کیا جس کا نام حاضر العالم الاسلامی رکھا۔ اور بڑے امیر شکیب ارسلان کو پیش کیا کہ وہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرما دیں۔ آپ نے تین جلدوں پر محیط ایک عظیم مقدمہ لکھا جس میں انگریز مصنف کی غلط بیانی کا بھی پردہ چاک کیا۔ اور اہل اسلام کے حالات کو حقیقی رنگ میں پیش کیا۔ جنگ عظیم اول و دوم کے درمیانی عرصہ کی یہ ایک عظیم کتاب تھی۔ امیر شکیب لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے قرآن کریم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریباً چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے مسلمانوں کی دل آزاری کا اندازہ اس ایک بات سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

جرمنی کے نولڈکی نامی ایک ناہنجار نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اس دوران جو کچھ آپ بڑبڑاتے لوگ

نے اُسے قرآن کا نام دے دیا۔ العیاذ باللہ۔ غرضیکہ ان لوگوں سے جیسا بھی بن پڑا
انہوں نے دین کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ یہودی تو ازلی ابدی
سازشی ہیں، اسلام کے خلاف انہوں نے امریکی جرمنی اور فرانسیسی انگریزوں
کو بھی شامل کر لیا ہے، مگر اب خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کے ہاتھ
سے اپنی خباثت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سب اہل اسلام کی دل آزاری کی باتیں ہیں
ہندوستان میں اپنے دورِ اقتدار میں ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام احمد
رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا۔ تو اُس نے معافی مانگی کہ مجھے علم نہیں تھا
کہ میں نے کس قدر گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض اوقات یہ بدبخت
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تصویریں شائع کرتے ہیں یا اُن کے
کارٹون اور فلمیں بناتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض خبیثوں نے کپڑے پر قرآن پاک
کی آیات شائع کر کے اس کی تذلیل کا پہلو نکالا۔ اور پھر ایسے کپڑے سے ایسی
قمیصیں تیار کیں۔ کہ بیٹھتے یہ آیت الکرسی پیٹھ کے نیچے آ جائے۔ اس قسم کے
ملبوسات یہودیوں نے امریکہ اور کینیڈا سے تیار کروا کے بھیجے تاکہ اسلام اور
اہل اسلام کی تذلیل ہو۔ بعض اوقات یہ لوگ قرآن (اسلام) کو رجعت پسند مذہب
اور مسلمانوں کو رجعت پسند لوگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی دل آزاری کا اس بات میں بھی بہت سامان ہے۔ کہ عیسائی
حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ انہوں نے لغت
کی کتاب (منجد) میں لکھا ہے کہ مسیح کا معنی ہی ابن اللہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ یہ
اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا بہتان ہے۔ وہ تو خود قرآن میں فرماتا ہے۔ کہ زمین و آسمان
پھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا
کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکارا جائے۔ یہ اتنی سخت بات ہے۔ مگر ان لوگوں کے منہ
اس قدر پھٹ چکے ہیں کہ انہیں واہی تباہی بکنے میں کچھ جھجک محسوس نہیں ہوتی۔
روسی بھی بگڑے ہوئے یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے اشتراکیت

کے سامنے ہیں پتا دے رکھی ہے یعنی اہلِ اسلام کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کرتے۔ دل آزاری کے نئے نئے سامان پیدا کرتے رہتے ہیں
ہندوستان میں ہندوؤں نے بھی اس سلسلہ میں پورا پورا پارٹ ادا کیا ہے۔ راجپال نے
رنگیلا رسول نامی کتاب لکھ کر اہلِ اسلام کو غیظ و غضب کا نشانہ بنایا۔ اُسے ایک غریب
ٹھیٹھی نوجوان مسلمان غازی علم الدین شہید نے قتل کیا۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب کا چودھواں
باب قرآن پاک کی مذمت میں لکھا تھا۔ مختلف آیات قرآنی کے ساتھ اس نے تمسخر
کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں
کا خدا کوئی بہروپیا تھا جو اونٹ چرایا کرتا تھا، اسی لیے تو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللّٰہ
یعنی اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ ان ہندوؤں نے بھی اللہ تعالیٰ، پیغمبرِ خدا اور قرآن پاک
کے متعلق ایسی ایسی ناقابل برداشت باتیں کیں۔ اس معاملہ میں نصاریٰ، یہود اور ہنود
سب اکٹھے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے
دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی باتیں تم پہلے بھی سن چکے ہو اور آئندہ بھی سننی
پڑیں گی، اس کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔

صبر کی تلقین

ان دو باتوں یعنی مال و جان میں آزمائش اور مخالفین کی طرف سے تکلیف دہ
باتیں سننے کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو تکالیف کا علاج بھی
بیان فرمایا ہے۔ وَإِن تَصْبِرُوا اور اگر تم صبر کرو گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ
نے صبر کی بہت زیادہ تلقین فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ
یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ اے اہلِ ایمان! صبر اور
نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ سورۃ احقاف میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے
ہوئے اللہ نے فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ آپ جلد بازی نہ کریں بلکہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر
سے کام لیں۔ مقصد یہ کہ اے پیغمبر علیہ السلام! اگر آپ کے مخالفین آپ کو مخالفت

طریقوں سے اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ بھی ان کا اسی طریقے سے ترکی بہ ترکی جواب نہ دیں، بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اہل حق کا شیوہ نہیں، دشمن کا مقابلہ احسن طریقے سے کریں۔ اگر کسی نے کتاب لکھ کر مخالفت کی ہے۔ تو آپ اس کا جواب اسی معروف طریقے سے دیں یا اگر کوئی صورت باقی نہیں رہی تو ان۔ کے خلاف جہاد کریں، تاکہ دنیا سے فتنے کو ختم کیا جا سکے۔ محض اشتعال انگیز باتیں سن کر مشتعل ہو جانا اصول صبر کے خلاف ہے۔

تقویٰ کی تلقین

ایسی ہی اذیت ناک باتوں کا دوسرا علاج فرمایا وَتَتَّقُوْا اگر تم تقویٰ کی راہ اختیار کر دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بھی بار بار تاکید کی ہے۔ تقویٰ کا معنیٰ محافظت یہ حدود و شرع ہے۔ یعنی کسی بھی حالت میں شریعت کی حدود کو نہیں توڑنا چاہئے۔ گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہئے۔ بیہودگی کا جواب بیہودگی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ برائی کا جواب اچھائی سے دو ایسا کرنے سے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ تمہارے اخلاق اور صبر سے مخالفین کے دل نرم ہو جائیں گے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ ضد میں آ کر ایسا نہ کریں کہ اگر اہل کتاب نے حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات کی ہے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہہ دیں۔ العیاذ باللہ۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ اس کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اہل اسلام تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر تورات کی طرف اپنی نسبت کرنے والے یہودنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم کرتے اور نہ حضور خاتم النبیین کو۔ اسی طرح نصاریٰ جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار ہیں، نہ قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور نہ محمد الرسول اللہ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

مقصودی امور

فرمایا اگر تم صبر کرو گے اور تقوے کا دامن پکڑو گے فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ تو یہ مقصودی امور ہیں یعنی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ شاہ ولی اللہ

محدث دہلویؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں "ایں از کارہائے مقصود است" یہ چیزیں ایسے کاموں میں سے ہیں کہ جن پر پختہ عزم ہونا چاہیئے۔ ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین بدل وجان قبول کرے۔ فرمایا صبر اور تقویٰ نے اپنی عزم بالجزم امور میں سے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور (اس بات کو اپنے خیال میں لاؤ) جب کہ اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ اس کو ضرور لوگوں کے سامنے ظاہر کرو گے۔ اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ پس انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے میں خریدی تھوڑی سی قیمت۔ پس بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾

ربط آیات: گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا اصول بیان فرمایا تھا۔ اور مسلمان کو خبردار کر دیا تھا۔ کہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعے لازمی طور پر آزمایا جائیگا۔ لہٰذا اس قسم کے امتحان کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ نیز یہ کہ کسی مومن کا ایمان جس قدر پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اُسی قدر سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی دل آزار باتیں سننی پڑیں گی۔ مگر ان سے دل برداشتہ ہو کر تبلیغ دین کا کام ترک نہ کر بیٹھنا، بلکہ اپنا کام ہمیشہ اور ہر حالت میں جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تکلیف دہ امور پر اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم صبر کا دامن پکڑے رہو گے کہ صبر ملت ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقوے کی راہ پر گامزن رہو گے، تو یہ باتیں مقصودی امور میں سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کہ ان دو سنہری اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں کامیاب فرمائیگا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اُس عہد و پیمان کا ذکر فرمایا جو اُن سے عہد لیا گیا کہ تمہیں میری

طرف سے جو احکام پہنچیں گے، تم انہیں لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے اور اُن میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھو گے مگر اہل کتاب اس عہد پہ قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے کم قیمت چیز خرید لی جس کی وجہ سے وہ امتحان میں پورے نہ اتر سکے اور ناکام ہو گئے۔

میثاق اہل کتاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اے پیغمبر علیہ السلام اُس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا۔ میثاق وثق کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پختہ عہد کرنے کا ہوتا ہے۔ ایسا عہد جس کی پابندی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ یہ اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا تھا، حالانکہ عہد و پیمان تو اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مثلاً عہد الست جو عالم ارواح میں تمام نوع انسانی کی ارواح سے لیا گیا تھا۔ اللہ نے پوچھا تھا أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے بیک زبان اقرار کیا تھا قَالُوا بَلٰى ہاں مولا کریم! تو ہی ہمارا رب ہے۔ بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لیے گئے عہدوں کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰهَ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور والدین اقربا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے۔ اسی طرح سورۃ مائدہ میں آتا ہے کہ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کی طرف رسول بھیجے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

بہرحال یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس عہد کا ذکر فرمایا ہے جس میں اُن کو دی گئی کتاب کے متعلق فرمایا تھا۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور ظاہر کرو گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہوتا ہے کہ تم اُس کتاب کو

ضرور ظاہر کرو گے۔ بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لہٗ کی ضمیر میثاق کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ کہ تم لوگوں کے سامنے اس عہد کا واضح اعلان کرو گے کہ ہم نے اللہ سے یہ پختہ وعدہ کیا ہے۔ بہرحال عہد یہ تھا کہ تم اللہ کے احکام لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کرو گے وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ اور انہیں چھپاؤ گے نہیں یہ عہد تورات و انجیل دونوں کتابوں میں موجود تھا بلکہ موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں اب بھی ایسی آیتیں موجود ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی ہے اس کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیان کرنا، اس کے احکام کو ظاہر کرنا، جو چیزیں میں نے تمہیں اندھیرے میں دی ہیں انہیں تم روشنی میں لوگوں سے بیان کرنا، بعض مقامات پر آتا ہے کہ اس کے متعلق اپنی اولادوں کو بتانا۔ انجیل میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کا کھلے عام اعلان کوٹھوں اور مکانوں پر کرنا اور منادی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے۔ اور اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔

عہد شکنی

مگر اس پختہ عہد کے باوجود اللہ نے فرمایا فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ انہوں نے اس کتاب کو یا عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ دوسری جگہ پر ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر یہ بھی کہ کتاب میں جو چیزیں ان کے مفاد میں تھیں انہیں ظاہر کر دیا اور باقی باتوں کو چھپا دیا۔ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق جن چیزوں کو انہوں نے چھپا دیا وہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیشن گوئیاں تھیں جو اللہ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائی تھیں۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ وہ نبی ہیں اَلَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ جن کا ذکر ان کی تورات و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یہ اللہ کی کتاب کو اسی طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنی اولادوں کو پہچانتے ہیں۔ اور جانتے ہیں۔ کہ یہ وہی کتاب

اور وہی پیغمبر ہے جس کی خوشخبری اُن کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے اسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں۔

اہل کتاب کی طرف سے کتمانِ حق اُن کی غرضِ فاسدہ کی بنا پر تھا اور وہ یہ تھی کہ اگر قرآن پر ایمان لائیں گے، خاتم النبیین کو رسول مان لیں گے، تو اُن کی ساری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلی آیتوں میں گزر چکا ہے۔ یہود کی اصل بیماری زر پرستی اور سرمایہ داری تھی جس کی وجہ سے وہ ساری برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد اُن کے لیے دولت جمع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ قرآن پاک تو حلال و حرام کی تمیز سکھاتا ہے۔ نہ وہ حرام ذرائع سے دولت جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اسے ناجائز امور میں خرچ کرنے دیتا ہے۔ قرآن تو برائیوں کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے۔ لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ سود اور رشوت کو کرو، حرام کاری کو ختم کرو۔ عیاشی، فحاشی اور زنا پر قدغن لگا دی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک کا قانون ان لوگوں کو راس نہیں آتا۔ برطانیہ کے ایک وزیر اعظم گلیڈسٹون نے قرآن پاک ہاتھ میں لے کر پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے لوگ مہذب نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تہذیب تو یہ ہے کہ زنا اس وقت تک زنا شمار نہیں ہوتا جب تک وہ فریقین کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اگر مرد و زن باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، تو قانون کی نظر میں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ وہاں تو لواطت تک کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن تو حکم دیتا ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى یعنی زنا کے قریب تک نہ جاؤ۔ مگر یہ مہذب قوم ہر فحاشی کو جائز تصور کرتی ہے۔ قرآن شراب پر پابندی عاید کرتا ہے اور اسے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ قرار دیتا ہے۔ کہ ناپاک ہے اور شیطانی عمل ہے جوا، قمار بازی سب اسی حکم میں آتے ہیں مگر یہود و نصاریٰ کے ہاں سب کچھ جاری ہے۔ وہ قرآن پاک کو اللہ کا کلام اور حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی کیسے

ان سُنّتہ ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّہٗ مِفْتَاحُ كُلِّ شَيٍّ شراب مت پیو کیونکہ یہ ہر برائی کا دروازہ کھولتی ہے۔ مقصد یہ کہ اہل کتاب اپنی من مانی غرض فاسد کی بنا پر اللہ کا قرآن اور اس کے نبی کا فرمان اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ ورنہ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ یہ دونوں چیزیں برحق ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہے مگر وہ اسے چھپا جاتے ہیں۔

آخری امت کی بیماری

اغراض فاسدہ کی وجہ سے حقائق کو چھپا جانا اس آخری امت میں بھی عود کر آیا ہے شرک و بدعات کی ترویج اسی قبیل سے ہے۔ اہل بدعت حق سے روگردانی کرتے ہوئے اپنے پیٹ کی خاطر سنت کی بجائے بدعت اور توحید کی بجائے شرک کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کے حق میں پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ اگر صحیح مسئلہ بتایا جائے تو لوگوں کی کایا پلٹ جائے مگر کیا کیا جائے ان نام نہاد عالمانِ دین کا جو فیس لے کر غلط مسائل بیان کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ بعض مولوی سو روپے کی خاطر نکاح پر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ انہیں ذرہ خدا کا خوف نہیں آتا کہ وہ حرام میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی رسومات عرس، تیجا، چالیسواں وغیرہ سب باطل طریقے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کا مال ہضم کیا جاتا ہے۔ قبروں پہ چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان پہ گنبد بنائے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے حضور علیہ السلام نے نے تو فرمایا لَا تُجَصِّصُوْا قبروں پہ پکی اینٹ نہ لگاؤ، چونا اور سیمنٹ مت لگاؤ۔ مگر آج عالیشان گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ یہ کہاں کا دین ہے۔ آج کون ہے جو انہیں دین کا اصل مسئلہ بتائے اور کون ہے جو اس پہ عمل کرے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت بڑا دربار تو بنا دیا مگر ان کی تعلیم کو بھی کسی نے پڑھا ہے آپ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ کسی نے دریافت کیا، حضرت! بعض اوقات بارش کی وجہ سے قبر کی مٹی ضائع ہو جاتی ہے، کیا اسے پختہ کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ قبر جتنی بوسیدہ ہو گی، اس پہ اللہ کی رحمت اتنی ہی زیادہ برسے گی۔ خواجہ صاحبؒ اور سید علی ہجویریؒ نے تو اپنے لیے جھونپڑی تک نہیں بنائی مگر آج

ابن ماجہ صـ ۱۶۲ (فیاض)

اُن کی قبور پر بھی عالیشان عمارت بن چکی ہیں۔ کیا اُن کی تعلیمات کا یہی اثر ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اغراضِ فاسدہ کی بیماری کا نتیجہ ہے۔

جس ظالم بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ فاسق آدمی تھا بظاہر بڑا دیندار اور نبی کریم علیہ السلام سے محبت کا دعویدار تھا۔ مگر بدعات کا دروازہ کھول گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی میلاد منایا جا رہا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے، وہ کہاں ہیں۔ تمام فرائض، سنن اور مستحبات کے تارک میلاد کو ہی اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی! اس معاملہ میں قرآن کیا کہتا، حضور علیہ السلام کا فرمان کیا ہے؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی۔ مگر آج محبت کا مرکز سنت کی بجائے بدعت قرار پا چکا ہے۔ یہ وہی یہودیوں والی کتمانِ حق کی بیماری مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ جو کتاب کے ذریعے نازل کردہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ اُن پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے، اُس کے فرشتے بھی اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اللہ نے تو عہد لیا تھا۔ کہ حق بات کو ظاہر کرنا اور اُس کو چھپانا نہیں مگر ان لوگوں نے بالکل الٹ عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ عام اصول بیان فرما دیا کہ حق بات کو چھپانا نہیں بلکہ ظاہر کرنا ہے۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے جس میں بعض امور کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنا فتنہ یا گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً وحدت الشہود اور وحدت الوجود وغیرہ جیسے مسائل ایسے ہیں جو علما تک محدود رہنے چاہئیں۔ عوام میں بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ مسلم شریف میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے مَآ اَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِیْثًا لَّا تَبْلُغُہٗ عُقُوْلُھُمْ اِلَّا کَانَ لِبَعْضِھِمْ فِتْنَۃً لوگوں کے سامنے ایسی بات بیان کرنا جن کی عقل کی رسائی اُس بات تک نہ ہو، تو وہ فتنے کا باعث ہو سکتی ہے لہٰذا بعض اوقات بعض چیزوں کا چھپانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسی باتیں اہل علم کے

ساتھ تبادلہ خیال سے اور پر تو ہوسکتی ہیں مگر عوام کے لیے مناسب نہیں۔

الغرض! حق بات کو چھپا جانا اہل کتاب کی بیماری اغراض فاسدہ کی بنا پر تھی۔
حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دس بڑے عالم تھے
جن میں سے اسلام کی دولت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے حصے میں آئی۔ باقی
سب محروم رہے حالانکہ وہ حقیقت کو پہچانتے تھے مگر ان کی اغراض فاسدہ ان
کے آڑے آتی تھیں۔ وفد نجران میں شامل بڑے پادری کے بھائی نے دوران سفر
یہی بات کی تھی کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے
ہو تو تسلیم کیوں نہیں کر لیتے تو وہ کہنے لگا کہ اگر ہم حق کو تسلیم کر لیں تو ہم رومی
بادشاہوں کی عطا کردہ جاگیروں سے محروم ہو جائیں گے، ہمارے اعزاز ختم ہو
جائیں گے۔ اور ہماری اغراض پوری نہیں ہوں گی۔

حقیر دنیا کی طلب

فرمایا اہل کتاب نے بدبختی کی اور اللہ کی کتاب اپنی پشت کے پیچھے ڈال دیا وَاشْتَرَوْا
بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور کتاب اللہ کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خرید لیا۔ چند ٹکوں کی
خاطر دین حق کو بیچ ڈالا۔ اور ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی۔ توحید کی جگہ بدعات
اور شرکیہ اعمال کو رائج کیا۔ سحر، جادو ٹونے اور تعویذ کے ذریعے دنیا کا حقیر مال کما
کیا۔ اللہ کا فرمان ہے مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ دنیا کا سارا مال ہی قلیل ہے۔
آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں
آتا ہے کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے
سوئی کے ذریعے وہ کتنا پانی حاصل کرے گا۔ فرمایا آخرت کی نسبت پوری دنیا ایک
سوئی کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص پوری دنیا کا مال و متاع بھی سمیٹ کر رکھ
لے تو کتنے روز اس کے پاس رہے گا۔ آخری امت کی تو عمر ہی تھوڑی ہے
پہلی امتوں کے لوگ چار چار پانچ پانچ سو سال تک بھی عمریں پاتے تھے مگر
وہ بھی دنیا کا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ لہٰذا اس دنیا کے بڑے سے بڑے
مال کی بھی کوئی حقیقت نہیں مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، وہ ہر وقت

دنیا کے حقیر مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا: ہر امت کا
کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ لوگ اسی کے پیچھے
دوڑتے رہیں گے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر فقر و ناداری آنے کا ڈر نہیں بلکہ خوف یہ ہے۔
أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائیگی وَتُهْلِكَكُمْ
كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ اور یہ تمہیں اسی طرح تباہ کر دیگی جس طرح پہلے لوگوں کو
کیا۔ اسی لیے فرمایا کہ جن لوگوں نے دنیا خریدی فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ
بہت بری چیز ہے جو انہوں نے خریدی۔ ایمان کو برباد کر کے دنیا کا حقیر مال خریدا
انہوں نے نہایت ہی گھاٹے کا سودا کیا۔

لے ترمذی ص۳۳۸ (فیاض)

درس شصت و ہشت ۶۸ — آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو خوش ہوتے ہیں اُس چیز پر جو انہوں نے کی ہے۔ اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے اُن باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں پس نہ گمان کریں آپ کہ اُن کو عذاب سے کامیابی حاصل ہوگی۔ اور اُن کے لیے تو دردناک عذاب ہے (۱۸۸) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (۱۸۹)

گذشتہ سے پیوستہ

گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب اور منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہو رہا ہے اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کرنا، اتنکار دولت کرنا اور بخل سے کام لینا، اسلام قبول کرنے میں مختلف حیلے بہانے کرنا اور بیہودہ مطالبات کرنے سے متعلق تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا کہ تمہاری آزمائش بھی ضرور ہوگی اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے، اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اے اہل ایمان! تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی، جن کی وجہ سے تمہیں کوفت ہوگی اور فرمایا کہ ایسی باتوں کا مقابلہ تم صبر اور تقویٰ کے ذریعے کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا۔ اہل کتاب کی اس خرابی کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے

عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے۔ اور اسے چھپائیں گے نہیں مگر انہوں نے اس پختہ عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اُن تمام پیشین گوئیوں کو چھپا لیا جو اللہ کے آخری نبی، اس کے صحابہ اور قرآن حکیم کے متعلق انکی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی اغراض فاسدہ کی بنا پر ایسا کیا، اور حق کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خرید لیا۔

منافقوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ ان کا معاملہ ایسا ہے کہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسلام کی نسبت تمہارا دین اچھا ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ دونوں طرف کے مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب جہاد کا موقع آتا ہے تو مختلف حیلوں بہانوں سے کیسے ٹلتے ہیں۔ سورۃ توبہ اور بعض دیگر سورتوں میں انکی تفصیلات موجود ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ جل جلالہ نے اہل کتاب اور منافقین کی ایک اور بری خصلت کا تذکرہ کیا ہے۔

اہل کتاب کی خام خیالی

ارشاد ہوتا ہے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو اُس چیز پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی۔ وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا اور چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن باتوں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ آپ ہرگز گمان کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ یہاں پر تَحْسَبَنَّ اور يَحْسَبَنَّ دونوں قرائتیں منقول ہیں تَحْسَبَنَّ مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام! یا دیگر مخاطبین۔ ظاہر ہے کہ اول مخاطب تو نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور پھر دیگر اہل ایمان۔ یعنی آپ اُن لوگوں کے متعلق گمان نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکردہ پر تعریف چاہتے ہیں۔ اور اگر ایسے

یحسبنّ پڑھا جائے تو یہ غائبانہ صیغہ ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ جو لوگ
اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکردہ پر مدح چاہتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ عذاب
سے بچ جائیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ انہوں نے کیا کیا اور کیا نہ کیا۔ جو کچھ اہل کتاب
اور منافقین نے کیا وہ تو یہ ہے کہ حق بات کو چھپایا اور اس کے بدلے میں دنیا
کا حقیر مال وصول کیا۔ ہر قسم کی جعلسازی، دھوکہ اور فریب کیا۔ اور اس پر بھی خوش ہوتے
ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ اور جو کام نہیں کیا، وہ نیکی کا کام ہے
حق بات کو ظاہر نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کے متعلق پیشین گوئیوں کو
ظاہر نہیں کیا۔ اور چاہتے یہ ہیں کہ ان کے ناکردہ کاموں پر بھی لوگ ان کی تعریف
کریں کہ یہ بہت اچھے دیندار آدمی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے
اس قسم کی ہوشیاری اور چالاکی کر کے وہ عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں
اپنے کیے دھرے کا حساب دینا ہوگا۔ منافقین کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں
کہ ہمارے نفاق کا کسی کو علم نہیں، ہمیں کوئی گرفت نہیں کر سکتا، لہٰذا توقع رکھتے
ہیں کہ لوگ ہمیں نیک سیرت اور عابد و زاہد سمجھ کر ہماری تعریف کریں۔ اللہ نے فرمایا وَلَهُمْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق سورۃ مومنون میں فرمایا
وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ کہ وہ نیکی کا کام کرنے کے
باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ۔ کہ وہ
اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ نامعلوم ہماری نیکیوں میں کتنی کوتاہیاں
ہوئی ہیں۔ چنانچہ بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ بعض نیک آدمی نماز پڑھ کر بھی اس
قدر گھبرا جاتے ہیں جیسے کوئی چوری کر کے نکلتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نامعلوم اس
فرض میں کس قدر کوتاہی اور غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہتر اجر کی توقع
رکھنی چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے نیکی کی توفیق بخشی۔ اور ساتھ ساتھ

بھی رہنا چاہیئے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو۔ اسی طرح روزہ سے۔ روزہ رکھ کر بھی دل میں خوف رہنا چاہیئے۔ کہ یہ قبولیت کے قابل بھی ہوا ہے یا نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان پایا جاتا ہے صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ڈرتا ہے اور اس کے ساتھ امید کا دامن بھی وابستہ رکھے۔ اللہ فرمایا ہے کہ ہمارے نبی بھی یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

مدح کے طالب ریاکار

اپنی تعریف کرنے کی بیماری یہودیوں سے نکل کر اہل اسلام تک بھی پہنچ چکی ہے اللہ نے تو منع کرنے کے بعد بھی اپنی تعریف نہیں چاہتے مگر آج کا ہر چھوٹا بڑا اسی چکر میں پڑا ہوا ہے کہ کسی طرح اخبار میں نام آ جائے فوٹو چھپ جائے تو بہت بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ حکومت کے کار پردازان خصوصاً صدر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ دیگر وزراء حضرات اپنی ہر کردہ اور ناکردہ پر تعریف سننا چاہتے ہیں۔ یہ تو صریحاً ریاکاری ہے۔ اور اچھے کام پر بھی پانی پھیرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر اللہ نے کسی کو نیکی کی توفیق عطا کی ہے۔ تو اُسے شہرت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے بلکہ حتی الامکان اُسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

البتہ ایک چیز ہے۔ نیک کام کر کے اگر مومن کے دل میں خوشی پیدا ہو۔ تو یہ طبعی امر ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو دو وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خوشی اُسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوئی اور دوسری خوشی اُس وقت حاصل ہوگی۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ روزے کا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ طبعی خوشی ہے اور جائز ہے۔ ہاں اگر خوشی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اُسے روزہ دار کہیں یا نمازی اور پرہیزگار تصور کریں۔ تو یہ خطرناک بیماری ہے۔ یہ چیز ریاکاری کہلاتی ہے اور نفاق کی تعریف میں بھی آتی ہے۔ ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین عذاب

سے سابقہ پڑے گا۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث آتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شہید سے اس کے اعمال کے متعلق دریافت فرمائیں گے، تو وہ عرض کرے گا مولا کریم! میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا اور اپنی جان جیسی قیمتی متاع تیرے راستے میں قربان کر دی۔ اللہ کریم فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے جہاد میں اس لیے حصہ لیا کہ تمہاری بہادری کے چرچے ہوں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے تجھے دنیا میں علم کی دولت عطا کی، تو نے اسے کہاں صرف کیا۔ عرض کرے گا۔ کہ میں نے دین کا علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا۔ اللہ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو قرآن اس لیے پڑھتا تھا۔ کہ لوگ تجھے عالم اور قاری کہیں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا اب تیرا ٹھکانا جہنم میں ہے۔ اسی طرح ایک ایک تیسرے شخص سخی کا معاملہ پیش ہوگا۔ وہ بھی کہے گا کہ دنیا میں میں نے تیرا عطا کردہ مال تیری رضا کے لیے تیرے بتائے ہوئے راستے پر خرچ کیا۔ مولا کریم فرمائیں گے تو بھی جھوٹا ہے۔ تو نے سخی کہلانے کے لیے مال صرف کیا تاکہ تیری سخاوت کے چرچے ہوں۔ تیرا بھی یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا۔ پھر حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الغرض! موجودہ زمانے میں ذاتی نمود و نمائش ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر شخص اس دوڑ میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ہاں اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جو ہر نیک کام رضائے الٰہی کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی خود نمائی نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ خط لکھتے تو آخر میں اپنے آپ کو احقر الانام لکھتے یعنی سارے انسانوں میں حقیر بندہ۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے آپ کو ننگ اسلاف (اسلاف کے لیے باعث شرم) سے تعبیر کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنا تعارف فقیر ولی اللہ کی حیثیت سے کراتے تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اپنے آپ کو بندہ محمود یعنی اللہ کا بندہ محمود کہتے تھے۔ مگر آج تو آوا ہی اُلٹ چکا ہے۔ ہر کس و ناقص اپنے آپ کو سب سے بڑا محدث، سب سے بڑا صوفی اور سب سے بڑا زاہد و عابد کہلانے پہ مصر ہے۔ بڑے بڑے پوسٹروں پہ اور جلسے جلوسوں میں ناموں کے ساتھ لمبے لمبے القابات کی فہرست پہ غور فرمائیں اور پھر دیکھیں کہ یہ لوگ اس طرح کی خوش نمائی پہ کس قدر خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ریاکاری میں داخل ہیں۔ مقصد یہ کہ جس طرح یہود اپنے ہر گمراہ کام پہ خوش ہوتے تھے اور ناکردہ پہ تعریف چاہتے تھے، آج اہل اسلام بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے۔ آمین۔

اقتدار اعلیٰ

فرمایا یاد رکھو! وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جب حقیقی اقتدار اعلیٰ اس مالک الملک کے پاس ہے۔ تو پھر کتمان حق کرنے والے مجرمین، مخلوق خدا کو ہدایت کی بجائے گمراہی کے راستے پہ چلانے والے، جھوٹی تعریف پہ خوش ہونے والے اور ریاکار لوگ اللہ کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ وہ تو ایک دن پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ دنیا میں لوگ جس مال کی خاطر دھوکہ کرتے تھے، غلط بیانی کرتے تھے، اس پر بھی اُن کا قبضہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو عطا کر دے اور جب چاہے واپس لے لے۔ اس کے سامنے سب حقیر اور بے بس ہیں۔ دُنیا کی یہ چند روزہ بادشاہت اسی مالک کی عطا کردہ ہے اور انسانوں کے پاس امانت ہے۔ انہیں اس کا حساب دینا ہوگا۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں، بادشاہوں اور عہدیداروں کو قیامت کے دن سب سے زیادہ افسوس ہوگا۔ وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش ہم اس اقتدار کے قائم نہ ہوتے۔ کسی کو جتنا بڑا اقتدار حاصل ہوگا۔ ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی ہوگی۔ اس دن صاحبان اقتدار بصد حسرت کہیں گے هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ آج میرے اقتدار سے

سے کچھ فائدہ نہ دیا۔ سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نہ فوج کام آئی۔ نہ پولیس اور نہ کوئی سیکورٹی
کاش یہ دنیا میں حکومت پر فائز نہ ہوتا۔ اُس دن ہی بچ سکیں گے، جنہوں نے اقتدار
کا تصرف عدل و انصاف کے ساتھ کیا ہوگا۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے
احکام پر عمل کرتے ہیں، انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ بادشاہی تو خدا تعالیٰ کی ہے۔
اگر اس کے حکم پہ چلتے رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائیگا، وہ اس دنیا میں
بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کے مقدر میں ہے۔ فرمایا
وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اللہ ہی ہر چیز پہ قادر ہے۔ ہر قسم کی بادشاہی
اُسی کی ہے۔ سزا و جزا پہ بھی وہ قادر ہے۔ لہٰذا جھوٹے، مکار، اور کتمانِ حق کرنے
والے لوگوں کو مالک الملک کی گرفت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور صاحبِ بصیرت
لوگوں کو اللہ کی طرف سے بہتر جزا کی امید رکھنی چاہیئے۔ وہ ضرور کامیاب ہونگے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۱۹۰) وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا کروٹوں کے بل لیٹے ہوں اور وہ غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے نہیں پیدا کیا اس کو باطل، پاک ہے تیری ذات، پس بچا تو ہمیں آگ کے عذاب سے (۱۹۱)

سورۃ کی ابتدا اور انتہا

آج کے درس سے سورۃ آل عمران کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا تھا الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم ہے اب سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حاکمیت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تمام سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اور معبود برحق وہی ہے۔ اب آمدہ آیات میں دعویٰ ملکیت، قدرت تامہ اور توحید کے دلائل

بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہیں
متصرف فی الامور، قادر مطلق، مستحق عبادت، نافع، ضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات
ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کوئی دخل حاصل نہیں۔

شان نزول

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور علیہ السلام سے
طرح طرح کے بیہودہ سوال کرتے تھے، آپ سے معجزات طلب کرتے تھے، اور
حیلے بہانے سے خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو قبول کرنے سے
روکتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
مشرکین مکہ نے یہودیوں سے سوال کیا کہ تمہارے نبی موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ وہ
کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا جیسی نشانیاں رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ
پر کئی معجزے ظاہر ہوئے، پانی میں راستہ بن گیا، بارہ چشمے جاری ہو گئے، من وسلوا
نازل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مشرکین نے نصاریٰ سے دریافت کیا کہ
تمہارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ عیسائیوں نے کہا، وہ مُردوں کو زندہ کرتے
تھے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے تھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اس پر مشرکین
نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کے سامنے کیسی کیسی نشانیاں ظاہر کیں۔
آپ بھی ہمارے سامنے معجزہ پیش کریں۔ اور وہ یہ کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں۔
مشرکین کے اس قسم کے مطالبات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ کہ انہوں
نے اجرائے چشمہ کا معجزہ طلب کیا۔ اور کہا کہ آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہونا
چاہیئے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یا ہم پر آسمان گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو
ہمارے پاس لے آ۔ تمہارے لیے سونے کا محل ہونا چاہیئے یا آپ کو آسمان پر
چڑھ جانا چاہیئے اور پھر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہونی چاہیئے وغیرہ
تو اس مقام پر مشرکین نے صفا پہاڑی کو سونے کا بنانے کا مطالبہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ
نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عطاءؒ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کریں، انھوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات عجیب و غریب تھے۔ تاہم انھوں نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام رات کو میرے گھر تشریف لائے۔ میں لحاف میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ بھی تھوڑی دیر لحاف میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا، عائشہ! مجھے اجازت دو، میں اپنے رب کی عبادت کر لوں۔ چنانچہ اٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ[1] پڑھتے ہیں اور روتے ہیں حتیٰ کہ سینہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس طرح کافی وقت گذر گیا اور صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ اذان کے لیے آئے اور عرض کیا ۔ آپ اس قدر گریہ زاری کیوں کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا ۔ کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گذار بندہ نہ بن جاؤں، پھر آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

نشانات قدرت

بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے سوال کے جواب میں اپنی الوہیت اور ملکیت کے متعلق دلائل پیش فرمائے ہیں، دلائل عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں تاہم یہاں پر عقلی دلائل کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تو عام ہیں جن کا مشاہدہ تمام انسان شب و روز کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا معجزہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ تاہم یہ لوگ تعصب اور عناد کی بنا پر حضور علیہ السلام سے ہر روز نئے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک زمین و آسمان کی تخلیق میں وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

[1] روح البیان ص ۱۳۵ ج ۲ (فیاض)

البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے۔ کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع و عریض زمین کی تخلیق کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ان اشیا کی پیدائش جن و انس کے بس کی بات نہیں۔ پھر اس زمین میں بڑے بڑے دریا چلائے اور سمندر پیدا کیے، بلند و بالا پہاڑ پیدا کر کے ان کے اندر انسانی فائدے کے لیے معدنیات پیدا کیں۔ اسی زمین پر پھل پھول، سبزیاں اور اناج پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے کیا یہ کوئی کم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ رات اور دن کا آگے پیچھے مقررہ اوقات میں آنا اور پھر موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے، کبھی بارش برس کر سبزیوں اور پھلوں کو روئیدگی میں مدد دے رہی ہے اور کبھی سخت دھوپ پھلوں اور فصلوں کو پکا رہی ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا خودبخود یعنی (AUTOMATIC) ہی ہو رہا ہے یا اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے یا نہیں۔ انسان پوری زندگی غور کرتا رہے بالآخر کار اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس پورے کارخانۂ قدرت کی چلانے والی واحد ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہے، یہ اسی کی قدرت اور حکمت کا کام ہے، جو الوہیت میں متفرد ہے۔ فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ کے یہ کم دلائل ہیں؟ نہیں بلکہ صاحبانِ عقل و خرد کے لیے یہی دلائل کافی ہیں بشرطیکہ وہ غور و فکر کر کے ان کو سمجھنا چاہے۔

اُولی الالباب الباب لب کی جمع ہے اور لب مغز یا خلاصے کو کہتے ہیں۔ بادام، اخروٹ وغیرہ کا مغز ہوتا ہے جسے انسان استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا لب لباب اس کی عقل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ دورانِ زندگی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے محنت مزدوری، کاروبار، تعلیم و تعلم ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ انسان نیکی بدی اور حق و باطل کی پہچان بھی اسی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے کسی قانون کی پابندی کا دارومدار بھی عقل پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا کمال جوہر عطا فرمایا ہے۔ جس کو بروئے کار لا کر انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ تخلیق ارض و سما اور شب و روز کے تغیر و تبدل کے دلائل جو ہم نے بیان

سکتے ہیں۔ اُن سے عقلمند ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ ان دلائل قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا جو انسان عقل کو بروئے کار نہیں لاتے، وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں فرمایا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں گونگے اور بہرے ہیں۔ جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ مگر حضرت انسان ہے جسے اللہ نے عقل جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ مگر اسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا۔ وہ تو آسمان و زمین کو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کام سوائے اُس مالک الملک کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دن اور رات کی تبدیلی اُسی کے حکم سے آتی ہے يُقَلِّبُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی رات اور دن کو پلٹیاں دینا اُسی کا کام ہے، اس میں کسی دوسرے کو تصرف حاصل نہیں۔ لہٰذا جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرے گا وہ انسانیت میں کمال حاصل کرے گا اور اعلیٰ درجہ پائیگا۔

باقی رہے مادہ پرست لوگ، تو یہ دنیا کا کتنا بھی علم حاصل کر لیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کی تاروں ہی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور صانع کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ بڑے بڑے سائنس دان تو ہو سکتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفر تو کہلا سکتے ہیں، محقق اور دانشور بھی ہو سکتے ہیں مگر قرآن پاک کی زبان میں اولی الالباب نہیں ہو سکتے۔ جو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچ سکے وہ احمق ہیں۔ انہیں دنیا کے بڑے سے بڑے علم نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا۔ جس نے خدا کو پہچان کر اسکی عبادت نہیں کی۔ اللہ کا ذکر نہیں کیا وہ کیا سکالر ہے۔ وہ تو جاہل ہے اُسے عقلمند نہیں کہہ سکتے۔

ذکرِ الٰہی

آگے فرمایا عقلمند وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا اپنی کروٹوں کے بل لیٹے ہوں ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور اس

یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی آرہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی فکر کیسی صحیح ہے، اور ان کے عقائد کیسے پختہ ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقلمند پہچانے جاتے ہیں یہی ان کی علامت ہے۔

- ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ آپ تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے، آپ کا کوئی وقت ذکر الٰہی کے بغیر نہ گذرتا تھا۔ عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے، جو کہ ہر حالت میں کی جا سکتی ہے۔ جیسے فرمایا صَلِّ قَآئِمًا نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اور اگر کھڑے ہو کر ادا نہیں کر سکتے فَصَلِّ قَاعِدًا تو بیٹھ کر پڑھ لو، اور ایسا بھی نہیں کر سکتے تو عَلٰی جَنْبٍ پہلو کے بل لیٹ کر ہی ادا کر لو۔ آگے فقہائے کرام نے اجتہاد سے یہ اشارہ فرمایا ہے۔ اگر لیٹ کر بھی نماز پڑھنے سے معذور ہی ہو تو اشارے سے بھی پڑھ لینی چاہیئے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عبادت ہے اور بہترین ذکر۔ جیسا فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ "میرا ذکر کرنے کے لیے نماز پڑھو" مقصد یہ کہ ذکر میں تمام عبادات بھی شامل ہیں۔

اب ذکر قلبی بھی ہے اور زبانی بھی۔ ہم عوام لوگوں کے لیے زبانی ذکر ہی بہت بڑی سعادت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد کا سردار ہے۔ یا پھر وہ اذکار کریں جو قرآن پاک میں یا سنت خیر الانام میں وارد ہوئے ہیں یا پھر اسلاف کرام نے بتائے ہیں۔ ہمیں ایسے اذکار کی پابندی کرنی چاہیئے، اس کے علاوہ مختلف اوقات کے خصوصی ذکر ہیں جیسے رات کا ذکر، صبح کا ذکر، وضو کرتے وقت، کھانا کھاتے وقت، بازار جاتے وقت، نیند سے بیداری کے وقت وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ کوئی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، جس قدر کثرت سے ذکر کریگا اسی قدر فلاح حاصل ہوگی وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ ۔۔۔

تُفۡلِحُوۡنَ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ باقی تمام عبادات کی کوئی نہ کوئی حد [illegible] ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات محدود ہیں مگر ذکر الٰہی کی کوئی حد نہیں مسند احمد کی روایت میں آتا ہے اَکۡثِرُوۡا ذِکۡرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوۡلُوۡا مَجۡنُوۡنٌ اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ پاگل ہے۔ غرضیکہ ذکر انسان کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

اب ذکر الٰہی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں یعنی حکمت خداوندی اور انسانیت کی تکمیل۔ اگر انسانیت میں کفر و شرک اور معاصی کی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی تکمیل ہو۔ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، اور خالص اُس کی عبادت کریں۔ اور اگر انہی چیزوں میں فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت کا ابطال لازم آئے گا۔ انسان اپنے مقام سے گر جائے گا۔ جب انسان نے تخلیق ارض و سما اور اختلاف لیل و نہار میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ عقلمندوں میں شامل ہو گیا اور پھر عقلمندوں کی نشانی اور علامت یہ ہے کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

زبانی ذکر تو عام ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے۔ جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کر لیتے ہیں، وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذکر بھی سکھلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ اُن کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ اُن کے لطائف باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔ اور مرشدان برحق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر طالب کی تربیت اسکی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔

خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے پاس جو شخص ذکر کی تربیت کے لیے جاتا، آپ اس کی مناسبت اسمائے الٰہی کے ساتھ معلوم کرتے اور پھر جس اسم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی، اُسی اسم پاک کا ذکر بتاتے۔ اگر کسی شخص کی اسمائے حسنہ

میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہ پاتے تو آپ اس سے فرماتے کہ تم عقیدہ وحدت
اور ایمان پر قائم رہو اور نیکی کرتے رہو۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔

مضمون نمبر ۱۰۷ علیم غور و فکر

عقلمندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت
یہ ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری
صفت یہ بیان فرمائی وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ وہ آسمان و زمین
کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور
اس کی صفات کمال کو سمجھ سکے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ اس آیت
سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الٰہی میں غور و فکر وہی کامیاب سمجھا
جائے گا جس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ حضرت حسن بصری رح
کی روایت میں آتا ہے کہ تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة۔
یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھڑی بھر کا غور و فکر زیادہ قیمتی ہے۔
اگر کسی نے غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو یہ چیز سال ہا سال کی
عبادت بلا معرفت سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

مضمون نمبر ۱۰۸ عبس نتیجہ

فرمایا صاحب عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مصنوعات قدرت
میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ان اشیاء کی تخلیق
میں ضرور کوئی حکمت ہے۔ اور دنیا کی حکمت آخرت ہے۔ الدنيا مزرعة
الآخرة فرمایا دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ اگلی منزل کا راستہ ہے۔ اس راستے پر
چل کر انسان آخرت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کمائی کرے گا اسے آخرت
میں پائیگا۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بیکار محض یا کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ بلکہ
اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ ہے آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے
عرض کی گئی ہے سُبْحٰنَكَ اے مولا! تیری ذات پاک ہے
تو تمام عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے یہ تنزیہ فی العقیدہ ہو گیا۔

اے اللہ! ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ کوئی عبادت میں شریک ہے نہ اختیار میں نہ مشکل کشائی میں، نہ حاجت روائی میں۔ اس میں عقیدہ کی اصلاح کا پورا مواد موجود ہے اگر عقیدہ درست نہیں، خدا کی تنزیہہ کا قائل نہیں تو ایسا شخص عقلمند نہیں ہو سکتا، وہ بیوقوف ہوگا۔

دوزخ سے نجات

جب عقیدہ صاف ہوگیا اور قیامت کے دن پر یقین ہوگیا تو ایسے لوگ پھر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، عقلمندوں کی یہ پہلی دعا ہے جو غور و فکر کے نتیجے میں ان کے دل سے نکلی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں باقی دعاؤں کا ذکر آئیگا۔

درس ہفدہ ۔ ۱۷ آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴

رَبَّنَآ إِنَّكَ مَن تُدۡخِلِ ٱلنَّارَ فَقَدۡ أَخۡزَيۡتَهُۥۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنۡ أَنصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلۡإِيمَٰنِ أَنۡ ءَامِنُواْ بِرَبِّكُمۡ فَـَٔامَنَّاۚ رَبَّنَا فَٱغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّـَٔاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ ٱلۡأَبۡرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَءَاتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۖ إِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ ٱلۡمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! بیشک جس کو تو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا پس بیشک تو نے اُس کو رسوا کر دیا، اور نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والا ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے سُنا ہے ایک پکارنے والے کو جو پکارتا ہے ایمان لانے کے لیے کہ ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر، پس ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے پروردگار! اور دے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا کر تو ہمیں قیامت والے دن، بیشک تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا ﴿۱۹۴﴾

ربطِ آیات — جیسا کہ گذشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ان میں عقلی اور سمعی یا نقلی دونوں قسم کے دلائل موجود ہیں۔ گذشتہ درس میں عقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اب نقلی دلائل پیش ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے

اختلاف میں اہلِ عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی حکمتِ کاملہ اور قدرتِ تامہ کو سمجھ سکتا ہے اور ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر سکتا ہے۔ پھر عقلمندوں کی علامات یہ بتائیں کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔

تخلیقِ ارض و سما میں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تو غور و فکر کر سکتا ہے اور اس کی صفت اور وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے مگر خود خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں درج کی ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ لَا فِکْرَةَ فِي الرَّبِّ یعنی رب تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں ہو سکتا۔ تَفَكَّرُوا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَتَفَكَّرُوا فِي الْخَالِقِ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء میں غور و فکر کرو، خود خالقِ کائنات کی ذات میں فکر مت کرو، کیونکہ ذاتِ خداوندی وہ ذات ہے، جسے غور و فکر کے ذریعے نہیں پایا جا سکتا۔ مخلوق میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آتی ہے اور اس کی وحدانیت کا ادراک ہوتا ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں، کہ اے مولا کریم! تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں، ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس طرح گویا توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ لوگ زمین و آسمان کی بیشمار نشانیوں کے قریب سے گزر جاتے ہیں مگر ان میں غور و فکر کر کے نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ غافل رہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ زمین و آسمان، اُس کے ستارے اور سیارے ہر وقت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

نظامِ شمسی

جس نظامِ شمسی (SOLAR SYSTEM) میں ہم رہتے ہیں۔ اُس کے سات

مشہور سیارے زہرہ، قمر، شمس، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل ہیں۔ ان کے آجکل
بڑے چرچے ہو رہے ہیں۔ خلا پیما سائنس دان ان سیاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔
بلکہ ان سات میں قمر ہمارے پر تو انسان پہنچ چکا ہے اور اسکی وضع قطع معلوم ہو چکی
ہے۔ چاند پر سرد ترین علاقہ بھی معلوم ہوا ہے۔ اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو برف کا ٹکڑا
بن جائے اسی طرح وہاں پہ اڑھائی سو سنٹی گریڈ تک گرم ترین علاقہ بھی موجود ہے۔
جو لوگ چاند پہ پہنچے ہیں وہ اس زمینی لباس میں نہیں گئے، یہ تو فوراً جل جائیگا، وہاں پہ
خلائی لباس پہن کر ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ اور یہ ایسا لباس ہے جس کی تیاری پہ اڑھائی تین لاکھ روپے
خرچ آتا ہے۔ قرآن پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند پہ انسانی رہائش
قریباً ناممکن ہے۔ انسان وہاں پہ پہنچا بھی ہے تو محدود وقت کے لیے۔ ماہرین فلکیات
بتاتے ہیں کہ چاند پہ ایک پونڈ انسانی خوراک پہنچانے پر تیس ہزار پونڈ خرچ آئے گا۔
ظاہر ہے۔ کہ اس قدر فضول عیاشی کی کون جرأت کرے گا۔ یہ اُس سیارے کی بات
ہے جو زمین سے قریب ترین ہے۔ نظام شمسی کا دوسرا سیارہ سورج زمین سے
نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر پورے نظام شمسی کو گرمی
اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اس کی روشنی ہم تک سات منٹ اور آٹھ سیکنڈ میں
پہنچتی ہے۔ مگر اللہ مالک الملک نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ "جب یہ سورج اور اس کی روشنی لپیٹ دی جائے گی
یہ پورا نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام قائم ہوگا، جسے آخرت
اور حشر کا نظام کہا جا سکتا ہے۔

علم فلکیات

ستاروں سے متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم نجوم ہے۔ جس میں ستاروں کے
تغیر و تبدل کے حساب سے کسی شخص کی قسمت یا سعادت اور شقاوت کا حال معلوم
کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو حضور علیہ السلام نے شرک کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور سحر
کی طرح حرام کہا ہے۔ من اتی منجماً فرمایا جو کوئی شخص نجومی کے پاس جا کر
قسمت کا حال معلوم کرتا ہے، وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کرتا ہے

سے ایسے شخص کو توبہ کر کے تجدیدِ ایمان کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں ایسے ستارے کا بھی ذکر ہے جس کی عرب کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ سورۃ نجم میں موجود ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى یعنی شعریٰ ستارے کا مالک بھی وہی خدا ہے جو چاند اور سورج کا خدا ہے، لہٰذا تم اس ستارے کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ تفسیر الجواہر میں مذکور ہے اور ماہرین فلکیات بھی بتاتے ہیں کہ شعریٰ ستارہ ہمارے سورج سے بیس ہزار گنا بڑا ہے۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم، علم فلکیات یا (ASTRONOMY) کہلاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خلا میں موجود ستاروں کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ شعریٰ ستارے کا حجم اسی علم کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پھر ماہرین فلکیات ASTRONOMISTS یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری یہ زمین سورج سے اس قدر چھوٹی ہے کہ ان کے حجم کی نسبت ایک اور تیرہ لاکھ کی ہے۔ گویا زمین سورج سے تیرہ لاکھ گنا چھوٹی ہے مگر بہت دوری کی وجہ سے اتنا بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اور پھر چاند زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ مریخ سرخ سیارہ ہے، سائنسدان اس پر بھی پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی تصاویر اور دیگر حالات معلوم کیے جا رہے ہیں۔

بہر حال ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ مومن ان میں غور کر کے فوراً خدا کی توحید کا قائل ہو جاتا ہے کہ جس مالک الملک نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ نظام شمسی ہے، اس کے اوپر عالم بالا اور پھر ملاء اعلیٰ حظیرۃ القدس اور آخرت کا نظام ہے۔ اور یہ سب نظام اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز کو تھامنے والی فقط ذات خداوندی ہے۔ ربوبیت بھی اسی کے ساتھ مختص ہے۔ ہر چیز کو وہی حد کمال تک پہنچاتا ہے نشو و نما کے تمام سامان پیدا کرنے والا بھی وہی مالک الملک ہے۔ لہٰذا اسی کے

سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا، نافع، ضار، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان صرف اور صرف وہی ہے۔ اسی لیے انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے سُبْحٰنَکَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔

آخرت کی رسوائی

الغرض! جب انسان تخلیق کائنات میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا تو وہ اس حقیقت کو بھی پا لیتا ہے کہ لامحالہ یہ تمام نظام آخرت پر منتج ہونے والا ہے اس لیے وہ رب العزت سے دعا کرتا ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! آخرت میں پیش آنے والے دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس قدر ہولناک ہے اس لیے مزید دعا کرتا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ اے اللہ! جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا، تو نے اُس کو رسوا کر دیا۔ کافروں کی رسوائی تو واضح ہے کیونکہ وہ ابدی جہنمی ہیں تاہم بعض مومن بھی کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اگرچہ اُن کا یہ قید و بند دوامی نہیں ہو گا بلکہ اُن کے تزکیہ کے لیے ہو گا۔ تاکہ گناہوں کی وجہ سے جو میل کچیل اُن پر جم چکا ہے، اُسے صاف کر کے اُس شخص کو پاک مقام پر جانے کا اہل بنایا جا سکے گا۔ تو بہر حال مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مومن جتنا عرصہ بھی دوزخ میں رہیگا، اتنا عرصہ تو رسوائی ضرور ہو گی۔ اسی لیے بندہ عرض کرتا ہے کہ مولا کریم! دوزخ سے بچا لے کیونکہ وہ رسوائی کا مقام ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا ہے وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا، اُس کے لیے وہاں کوئی مددگار نہیں ہو گا اس دنیا میں تو لوگ حیلے بہانے اور سفارشات کے ذریعے کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں مگر وہاں پہ چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہو گی، مقررہ سزا بہر حال بھگتنا ہو گی۔

ایمان کی دعوت

اب تک تو عقلی دلائل کی بات ہو رہی تھی کہ انسان عقلی طور پر غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔ اب آگے نقلی یا سمعی دلیل کا بیان آ رہا ہے۔ مومن بارگاہ

رب العزت میں عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اے مولا کریم! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز
کو سنا جو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا
ہے کہ منادی کرنے والا کون ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے
صامت یعنی خاموش منادی کرنے والا مراد لیا جائے تو وہ قرآن پاک ہے۔ اور اگر
ناطق یعنی بولنے والا منادی ہو تو وہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارک ہے۔

قرآن پاک بظاہر خاموش ہے مگر وہ زبان حال سے پکار پکار کر ایمان کی دعوت
دے رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جس وقت انسان صراط مستقیم پر
قدم رکھتا ہے، تو کوئی شخص اس کو کہتا ہے اِسْتَقِمْ وَلَا تَعْدُ یعنی سیدھے چلے
جانا اور دائیں بائیں نہ مڑنا۔ جب صراط مستقیم کا مسافر آگے کی طرف سفر شروع کرتا
ہے۔ تو دائیں بائیں طرف موجود دیواروں پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے
جو اوپر سے کوئی دوسرا شخص آواز دیتا ہے کہ بھائی پردہ نہ اٹھاؤ، ایسا کرو گے تو
غلط راستے پر چل پڑو گے جہاں سے واپس نہیں آسکو گے۔ فرمایا یہ صراط مستقیم
اسلام کا راستہ ہے۔ اور جو ہستی انسان کو اس پر سیدھا چلنے کی دعوت دیتی
ہے، وہ قرآن پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص حرام یا ناجائز چیز کی طرف جاتا ہے
تو گویا دیوار کا پردہ اٹھاتا ہے۔ اس وقت جو شخص اسے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے
وہ انسان کا زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ وہ انسان کو جھنجوڑ کر کہتا ہے۔ کہ غلط راستے
پر مت جاؤ۔ مگر جب کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا ضمیر مردہ
ہو جاتا ہے، جو آخر کار ایسے غلط کار کو منع کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور مسلسل
گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ کَلَّا بَلْ سکتہ
رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ فرمایا لوگوں کے گناہوں
کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح نمی لگنے سے
لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی وجہ سے لوگوں کے دل سیاہ

ہو جاتے ہیں۔

اگر اس منادی سے مراد ناطق منادی لیا جائے تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارک ہے۔ آپ بلا واسطہ منادی ہیں جنہوں نے ہر مقام پر براہ راست ایمان کی دعوت دی۔ آپ نے کوہِ صفا پر ایمان کی دعوت دی، کعبۃ اللہ کے پاس اعلان کیا، طائف پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ گلیوں میں، بازاروں میں، میلوں میں اور منڈیوں میں آپ نے ہر جگہ یہی دعوت دی یَا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا "اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے" یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے واسطہ سے لوگوں تک آگے بھی پہنچائی۔ یہ دعوت بالواسطہ ہو گئی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، بزرگانِ دین، علمائے دین، مفسرین اور مفکرین اس دعوت کو دوسروں تک پہنچا کر رسالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

دعائے مغفرت

بہر حال فرمایا کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو بلند آواز سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اس دعوت کے جواب میں ہم نے کہا فَاٰمَنَّا پس ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا "اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔" یہاں پر ذنوب کا لفظ ہے اور اس سے مراد بڑے بڑے گناہ ہیں جن سے معافی کی درخواست کی جا رہی ہے۔ وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا "اور مٹا دے ہم سے ہماری چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں" یعنی بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ معاف فرما دے۔ بلکہ ان کی بجائے ہمارے اعمال میں نیکیاں درج فرما دے، جیسا کہ اللہ نے بعض مقامات پر ارشاد فرمایا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ "اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے" ہم بھی ایسی ہی درخواست کرتے ہیں۔

نیکوکاروں کی رفاقت

فرمایا، صاحبِ بصیرت لوگوں کی اگلی دعا یہ ہوتی ہے وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ "اے مولا کریم! ہمیں وفات بھی نیک لوگوں کے ساتھ دے۔" مرنے سے پہلے اور بعد نیک لوگوں کی رفاقت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا

کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ‘‘اللہ کے انعام یافتہ لوگ یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے جسے نصیب ہو جائے’’، یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں مانگتے رہے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام نے دعا کی فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ‘‘مجھے اسلام پہ موت دینا اور صالحین کی رفاقت نصیب کرنا، میرا انجام نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔’’

یہاں ’’ابرار‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ’’بر‘‘ کی جمع ہے اور معنی نیکوکار یا نیک خصلت ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ نیکی پر توجہ رکھتے ہیں، نیکوکاروں کی صحبت یا اچھی سوسائٹی کی ضرورت اس زندگی میں بھی ہے۔ اچھے اور نیک عادت والے وہی لوگ ہوں گے جن کے ذہن اچھے ہیں اور جن کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔ مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ ایمان والے تقوے والے، طہارت والے اور صداقت والے لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو مگر آج ایسی مجلس کہاں ملتی ہے؟ ہر طرف دھوکے، فریب، فراڈ، شرک اور بدعت کا زور ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق ہمیشہ ماحول سے سیکھا جاتا ہے۔ جب ہمارا ماحول ہی درست نہیں ہے۔ ہماری گلیوں اور بازاروں میں گالی گلوچ، لہو و لعب، عیاشی اور فحاشی کا دور دورہ ہے، بچے گلیوں میں آوارہ پھر رہے ہیں، تو اچھی تربیت کیسے ہوگی اور اچھی سوسائٹی کہاں سے آئے گی۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ مومن غافل نہیں ہو سکتا، وہ ماحول کو درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر ماحول خراب ہو گیا تو معاشرہ بگڑ جائے گا، اور پھر آنے والی نسل کی درستگی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

منتہا سے مقصود

فرمایا عقلمند لوگوں کی منتہائے مقصود یہ دعا ہوتی ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا

مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِكَ سے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد فرمائیں گے، انہیں فتح و نصرت اور غلبہ عطا کریں گے اور آخرت میں بھی جنت اور درجات عالیہ کا وعدہ ہے۔

اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرنے والے اہل خرد یہ بھی عرض کرتے ہیں۔ اے مولا کریم وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، ہمیں یقین ہے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ منتہائے کار دو ہی باتیں ہیں اور وہ یہ کہ انسان آخرت میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور خدا کے غضب کے مقام دوزخ سے بچ جائے۔ اور یہ مقصود حاصل کرنے کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول یہ کہ انسان ایمان، توحید اور اطاعت کو اختیار کرے اور دوسرے یہ کہ انسان معاصی سے بچا رہے۔

درس ہفتاد و یک ۷۱ | آیت ۱۹۵

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

ترجمہ: پس قبول کی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی دعا کہ بیشک میں ضائع نہیں کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کیے گئے تو میں ان کی برائیاں ان سے مٹا دوں گا۔ اور البتہ ضرور میں ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ﴿١٩٥﴾

ربط آیات

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ سابقہ دروس میں عقلمند لوگوں کی صفات بیان ہوتی رہی ہیں۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عقل و خرد کی بعض علامات بھی بیان فرمائیں

کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے رب کریم سے دعائیں بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تیرا پیغام پہنچا۔ ہمیں ایمان کی دعوت دی گئی جسے ہم نے قبول کر لیا۔ اس طرح انہوں نے عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔

اعمال صالحہ کی قبولیت

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ جب ان لوگوں نے غور و فکر کے نتیجے میں دعوت ایمان پر لبیک کہا، اللہ کا ذکر کیا اور اس کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم بیشک میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ خواہ مرد ہو یا عورت۔ عمل سے مراد یہاں پر نیک اعمال ہیں۔ برے اعمال مراد نہیں ہیں، کیونکہ ان سے تو پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور پھر نیک اعمال میں سرفہرست ایمان باللہ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا۔ حضور! ارشاد فرمائیں کہ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ کونسا عمل زیادہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے۔ اس کے بعد دیگر اعمال مثلاً نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں۔ تاہم تمام اعمال کی جڑ بنیاد ایمان ہی ہے۔ بہرحال فرمایا جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

یہاں پر مرد و زن کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی نیک عمل کریگا، بدلہ پائے گا۔ ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! نیکی کے کاموں میں مردوں کا ذکر تو کثرت سے آتا ہے مگر عورتوں کا ذکر اس کثرت سے نہیں آتا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا حضور!

بہت سے اعمال صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں، جیسے: اذان، جہاد وغیرہ
تو اس لحاظ سے مرد عورتوں سے اجر میں بڑھ گئے۔ عورتوں کو تو بہت کم حصہ ملا۔
نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کو بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں ویسا
ہی بدلہ ملیگا جیسا مردوں کو۔ اللہ کے قانون میں اس بارے میں کوئی تفریق نہیں ۔
مرد و زن دونوں یکساں ہیں۔ البتہ اُن کے عمل کی نوعیت مختلف ہے۔ مرد میدان
جنگ میں جہاد کرتا ہے۔ اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو دونوں کو برابر
برابر ثواب ملیگا۔ بعض مشقت طلب کام ہیں جو صرف مردوں کے ذمہ ہیں اور
بعض کام صرف عورتوں کے سپرد ہیں۔ اور بعض کام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حسن سلوک
حقوق العباد اور حقوق اللہ مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لہٰذا جس طرح
مردوں کو اجر ملے گا۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ملیگا۔ بعض عورتوں نے جہاد میں شریک
ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جهادکن الحج
تمہارا حج ہی جہاد کے برابر ہے محرم کے ساتھ حج کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے
غرضیکہ عورت اور مرد میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔

مرد و زن کا دائرہ کار

مرد و زن میں اگر کوئی تفریق ہے تو وہ دائرہ کار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
دونوں کے لیے اپنے اپنے کام مقرر کر دیئے ہیں جو وہ انجام دیں گے۔ اور اگر میاں بیوی
ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔
مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی بنایا
ہے اور اس کے ذمہ کام بھی مشقت طلب لگائے ہیں۔ اسی طرح عورت
بحیثیت صنف نازک نسبتاً آسان کام کرنے کی اہل ہے۔ مرد محنت مزدوری
کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اور گزر اوقات کے لیے کما کر لاتا ہے۔ عورت
اپنے گھر کی چار دیواری میں بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ دار ہے
اب فساد وہاں پیدا ہوتا ہے، جب مرد و زن ایک ہی دائرہ کار میں نظر آنے
لگتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں انگریز نے جو پراپیگنڈا کیا ہے۔ اس سے

مشرقی ممالک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہر مقام پر مرد و زن کے شانہ بشانہ چلنے کی وجہ سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں جس کا نتیجہ بے حیائی اور فحاشی کی صورت میں نکلے گا۔ اس غلط رجحان نے اذہان کو شیطان کی جولان گاہ بنا دیا ہے۔ جب عورتیں، دفتروں، کارخانوں، فوج، پولیس، بازاروں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے دوش بدوش چلیں گی تو نتیجہ ظاہر ہے معاشرے میں فساد آئے گا۔ اب تو عورتیں ممبر بھی بن رہی ہیں، اسمبلیوں میں، وزارتوں میں، مجالس شوریٰ میں ہر مقام پر ان کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور پھر ایسے مقامات پر مردوں اور عورتوں کی جس طریقے پر نوک جھونک ہوتی ہے اس کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

عورتوں کا کام گھر کی دیکھ بھال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بہت سے احکام سورۃ نساء، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم وغیرہ میں بیان فرمائے ہیں جن سے ان کے دائرہ کار کا پتہ چلتا ہے لہٰذا ان کی بھلائی اپنے دائرہ کار میں رہنے سے ہی ہے۔ اس سے تجاوز شر و فساد کا موجب ہوگا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد و زن کے ذمے جو بھی فرائض ہیں ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔

تفریق صنف

آگے فرمایا بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ مرد عورتوں سے ہیں اور عورتیں مردوں سے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک جنس انسانی سے پیدا فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ہی باپ اور ایک ہی سلسلہ نسب ہے۔ البتہ دونوں کی صنف میں تفریق پیدا کی ہے۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنا دیا۔ دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ مقرر فرمائے اور پھر معاشرے کی تہذیب و ترقی کا انحصار اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر رکھ دیا۔ جب تک عورت اور مرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تمدن کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ مرد و زن کی جنس تو ایک ہے مگر ان کی صنف الگ الگ ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ کا یہی مطلب ہے۔

اچھی نیت

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ بعض کام ایسے ہیں جنہیں صرف عورتیں

ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا مزاج ہی ایسا بنا دیا ہے کہ تکلیف پر تکلیف اٹھانے کے باوجود اولاد کی ضروریات کی ذمہ داری ہے اور اسے خوشی سے انجام دیتی ہے۔ بلکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے بچے کی پیدائش کا سلسلہ شروع نہ ہو سکے تو عورت بے چین ہو جاتی ہے۔ اور پھر پیدائش کے بعد بچے کی پرورش اور دیکھ بھال عورت کی فطرت میں داخل ہے یہ کام مرد انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ اللہ نے اس کا دائرہ کار مختلف بنایا ہے۔ عورتیں اگر دیندار، سمجھدار اور اپنے کام کی بجا آوری کما حقہ انجام دیں۔ تو ان کے تربیت یافتہ بچے ایک اچھی سوسائٹی کی بنیاد رکھیں گے۔ اور اس طرح جو تمدن پیدا ہوگا، وہ اعلیٰ درجے کا ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔ ؎

؎ مادرت درس نخستیں با تو داد   غنچۂ تو از نسیم او کشاد
؎ دولت جاوید اندوزد و حق   از لب او لا الٰہ آموختی

بچے کو سب سے پہلا درس ماں ہی دیتی ہے اور بچہ کلمہ طیبہ ماں ہی کی زبان سے سیکھتا ہے گویا ایمان کی دولت انسان کو ماں کے ذریعے نصیب ہوتی ہے۔ اچھی ماں کی اچھی تربیت انسان کی زندگی پر مثبت اثر ڈالے گی اور اس کے برخلاف اگر ماں کی تربیت بے دینی پر مشتمل ہوگی، تو اولاد بھی ویسی ہی ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی سب سے اچھی نعمت مرأۃ صالحہ یعنی نیک عورت ہے۔ اور معاشرے کے بناؤ بگاڑ میں اس کا بنیادی حصہ ہے۔

ہجرت کی فضیلت

عقلمند لوگوں کی دعا اور اس کی قبولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشقت کے کام کرنے والے دیگر لوگوں کا تذکرہ بیان فرمایا۔ مشکل ترین امور میں سے ایک ہجرت بھی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا! فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا جن لوگوں نے ہجرت کی۔ بعض اوقات اہل ایمان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کا نام نہیں لے سکتے اور اس سلسلے میں بعض اوقات مال اور اہل و عیال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ نئی جگہ پر ماحول مختلف ہوتا ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے

انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوتا ہے۔ نہ با ندانی کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ جب خواہش خوراک میسر نہیں آتی، لہٰذا ہجرت کرنا بڑا اذیت ناک کام ہے۔ مگر مجبوراً کرنا پڑتا ہے فرمایا وہ لوگ جنہوں نے خود ہجرت کی اور وہ بھی وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ جو اپنے گھروں سے زبردستی نکالے گئے۔ مال واسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ بیوی بچوں کو روک لیا گیا۔ کتنی تکلیف دہ صورت حال ہے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ مدینہ جا کر آب وہوا میسر نہ آئی، بیمار ہوئے۔ سفر کی تکالیف برداشت کیں اسی لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے شان الهجرة لشديد ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس میں ثابت قدم ہو کر نکلے اس کے لیے اجر بھی عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود دعا فرمائی اللهم امض لاصحابی ھجرتھم اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری فرما۔ اور جو بسبب کوئی شخص دوسرے مقام پہ ہجرت کر لیتا ہے۔ تو اس کو واپس اپنے پہلے مقام پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہ حج کے لیے بھی مکہ آتے تھے تو حج کے بعد تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی، وجہ یہ ہے کہ اس مقام پہ فوت ہو کر دفن ہونا بھی ٹھیک نہیں۔

یہاں پہ یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ ہجرت وہی مقبول ہے جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لیے کی جائے۔ محض دنیا کے حصول کے لیے ہجرت شرعی ہجرت نہیں ہوگی جس کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی۔ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا۔ تو اس کی ہجرت اس کے مطابق

مقصد کے لیے ہوگی۔ اللہ کے ہاں اس کا کچھ اجر نہ ہوگا۔

اذیت فی سبیل اللہ

فرمایا وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی۔ وہ کون سی تکلیف ہے جو کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب نے مسلمانوں کو نہیں پہنچائی۔ انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا، تپتی ہوئی ریت پہ لٹایا گیا، مالی نقصان پہنچایا گیا اور پھر سب سے بڑی دینی تکلیف دی گئی۔ اسلام کو استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔ قرآن پاک کی تکذیب کی گئی اور حضور نبی کریم کی شان میں گستاخی کی گئی۔ یہ تکلیف جسمانی اذیت سے بھی سوا ہے۔ اسی لیے تو حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں اذیت نہ پہنچے۔ ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ گذشتہ رکوع میں گزر چکا ہے کہ اے اہل ایمان! تمہیں مالوں اور جانوں کے ذریعے آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اذیت ناک باتیں سننا پڑیں گی۔ اور اگر ان تکالیف پر صبر کرو گے اور تقوے کا راستہ اختیار کرو گے تو یہ چیز دین میں مطلوب و مقصود ہے اور باعث فوز و فلاح ہے۔ اور پھر فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں وَقٰتَلُوْا جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بالسیف کیا۔ جان کو ہتھیلی پہ رکھ کر نکلنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی غرض نہ ہو بلکہ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اس لیے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اس کا دین غالب آ جائے اور قرآن پاک کا دستور جاری ہو۔ فرمایا جو لوگ کفن بردوش نکلے وَقُتِلُوْا اور شہید بھی کیے گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان جیسی قیمتی متاع قربان کر دی۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ میں ان کی خطاؤں کو ضرور معاف کر دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا!

کہ اسلام، ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَھَا اللہ تعالیٰ سابقہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ البتہ ایک چیز پھر بھی اس کے ذمہ رہتی ہے اور وہ حقوق العباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق خود نہ معاف کرے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا کی راہ میں اس طرح مارا جاؤں مُقْبِلًا غَیْرَ مُدْبِرٍ بغیر پشت پھیرے بہادری کے ساتھ لڑوں اور پھر جان قربان کر دوں، تو کیا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر جب وہ شخص واپس جانے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بلایا اور ارشاد فرمایا کہ باقی گناہ تو سارے ہی معاف ہو جائیں گے اِلَّا الدَّیْن سوائے قرضہ کے۔ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا، جبرائیل نے ابھی ابھی مجھے بتایا ہے کہ شہادت سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔

جنت میں داخلہ

فرمایا ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دوں گا وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ اور میں ان کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جنت بڑا عزت کا مقام ہے۔ بڑی اعلیٰ اور ارفع جگہ ہے۔ جہاں باغات، کوٹھیاں اور محلات ہوں گے، جن کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ایمان لائے، اللہ کا ہر حالت میں ذکر کرے، دعائیں کرے مشقت کے کام انجام دے، جہاد میں حصہ لے، دین کو قائم کرے، اس کا بدلہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ بیشک اللہ کے ہاں بہت ہی اچھا بدلہ ہے۔ ایسا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے لہذا اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اور ہمیشہ اس کی رضا پیش نظر رہنی چاہیئے۔

درس ہفتاد و دو ۷۲ — آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ: نہ مغالطے میں ڈالے آپ کو اُن لوگوں کا الٹ پھیر شہروں میں چلنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا (۱۹۶) یہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور بہت برا ٹھکانا ہے (۱۹۷) لیکن وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اُن کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے نہریں جاری ہیں۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ بہتر ہے نیکوکاروں کے لیے (۱۹۸)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں ذکر آچکا ہے۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد ایمان قبول کرتے ہیں اور آخرت کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت۔ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ ضرور ملے گا۔ خصوصاً جو لوگ مشقت کے کام کرتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور جان ہتھیلی پر رکھ کر خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی غالب آتے ہیں، اور کبھی شہادت کا درجہ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب ہے

استدراج

اب آج کے درس میں دوسری قسم کے لوگوں کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت مال و دولت اور آرام و آسائش دیکھ کر کہیں دھوکے میں نہ پڑ جائیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ وہ فی الحقیقت اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ. کفار کا مختلف شہروں میں آنا جانا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ فرمایا آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور معاصی میں مبتلا ہیں، وہ اس دنیا میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں، بہترین مکانوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اعلیٰ سواریاں حاصل ہیں، کارخانے ہیں، مربعے ہیں، مال و دولت کی فراوانی ہے۔ مگر ایمان سے خالی ہیں، نیکی سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے، نہ عاقبت کی انہیں کوئی فکر ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق یہ گمان نہ کر بیٹھنا کہ شاید یہ لوگ اچھے ہیں۔ افراد سے بڑھ کر قوموں پر بھی یہ اصول منطبق ہوتا ہے۔ روسی اور امریکی اگر سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے ہیں۔ جاپانی صنعت میں سرفہرست ہیں، جرمنی کو برطانوی انجینئرنگ میں کمال حاصل کر چکے ہیں، انہیں دنیا میں اقتدار حاصل ہے، لوگ خوشحال ہیں۔ روپے کی ریل پیل ہے، ڈالر، مارک اور پونڈ کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت ان کے قبضے میں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہیں مغالطے میں نہ رہنا یہ استدراج ہے اور اللہ کے ہاں یہ سب جہنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہ تو اللہ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کر لو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى آخر پکڑے جاؤ گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ فَإِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ تم کسی فاجر اور نافرمان آدمی کی حالت پر رشک نہ کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد وہ کس چیز سے ملنے والا ہے کیونکہ اس کے لیے اللہ کے ہاں

ایسا قتل ہے جو کبھی نہیں مریگا۔ قاتل سے مراد موت ہے۔ جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہلاکت میں مبتلا رہے گا۔

طرزِ تخاطب

لَا یَغُرَّنَّکَ میں صیغہ واحد مذکر حاضر استعمال کیا گیا ہے۔ کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈالیں۔ وحی الٰہی کے مخاطب اول تو حضور نبی کریم علیہ السلام ہیں اور اسی لحاظ سے یہ آپ کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ کہ کہیں مغالطہ کا شکار نہ ہو جائیں کہ کافر لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق تو یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ حضور علیہ السلام کو کبھی شک بھی گذرا ہو کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں۔ لہٰذا اس خطاب کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ خطاب تو آپ ہی سے ہے مگر بات ساری امت بلکہ ساری انسانیت کو سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ وہ حق پر ہیں۔

اس قسم کا طرزِ تخاطب قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آتا ہے۔ اکثر مقامات پر لفظ قُلْ کے ذریعے نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مقصود تمام متعلقین کو سمجھانا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضور سے خطاب ہے لَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ یعنی آپ کفار کی اطاعت نہ کریں۔ حالانکہ آپ کی ذات والا صفات کے متعلق تو ایسا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا مگر مقصد یہاں بھی عام اہل ایمان کی ہدایت ہے۔ سورۃ کوثر میں آتا ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اے پیغمبر! آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ صیغہ واحد استعمال ہونے کی بنا پر کیا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہی ہے۔ نہیں، بلکہ ساری امت کو نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر یہ خطاب حضور علیہ السلام کی ذات تک ہی محدود سمجھا جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو یہ بات تاکید کے طور پر کہی جا رہی ہے کہ کافروں کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ پہلے آپ کبھی مبتلا ہوئے ہیں اور نہ آئندہ ہوں۔ اس قسم کی تاکید بعض دوسرے مقامات پر بھی آتی ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کو فرمایا۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ آپ شرک نہ کریں اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب
کیا تو آپ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ کے تمام نبی تو شرک سے معصوم ہوتے
ہیں، نبی کی ذات سے تو شرک کا شائبہ تک محال ہے مگر تاکید کے طور پر اس قسم کا
خطاب کیا گیا ہے۔ کہ آپ ہمیشہ شرک سے بیزار رہتے ہیں لہٰذا آئندہ بھی اس سے
بچتے رہیں۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور ہر اُس
مخاطب کے لیے ہے جو حق کا طلبگار ہے اور حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے
گویا عام مخاطبین حق کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ کافروں کی خوشنمائی یا ذہنی غلط فہمی
میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

متاع قلیل

فرمایا دنیا کا سارا ساز و سامان جو اس زمین پر ہے اگر ایک ایک فرد کے
پاس موجود ہے، اور وہ خزانے جو پہاڑوں کی تہوں میں موجود ہیں اور وہ قیمتی
موتی جو سمندروں میں پائے جاتے ہیں، مکانات، کوٹھیاں، کاریں، کارخانے، زیورات،
معدنیات غرضیکہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر اکٹھی کر دی جائے۔ تو پھر بھی یہ سب کچھ
اللہ تعالیٰ کے نزدیک مَتَاعٌ قَلِيْلٌ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ معمولی سامان
ہے جو اللہ نے لوگوں کے استعمال کے لیے دے رکھا ہے۔ حضور نبی علیہ السلام
کے فرمان کے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے
میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ انسان جس مال و متاع
کی موجودگی پر اکڑ رہا ہے، اس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنا پانی کسی انگلی کو لگتا
ہے۔ اب تو لوگوں کی عمریں چھوٹی ہو گئی ہیں اور اس تھوڑے وقت میں انسان
کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بڑی لمبی لمبی عمریں پائیں اور اس طرح
انہوں نے مال و دولت بھی زیادہ اکٹھا کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت
ادریس علیہ السلام کے زمانہ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک لوگوں کی عمریں
طویل تھیں پھر کم ہونا شروع ہو گئیں۔ اس وقت لوگوں پر بڑھاپا بھی طاری نہیں
ہوتا تھا۔ اب بڑھاپا آنے لگا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں

کے بال بھی سفید نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کے بالوں میں سفیدی آئی۔
غرض! اب تو پوری دنیا پہ بڑھاپا طاری ہو گیا ہے۔ ابتدائے دنیا سے لے کر جتنا
بھی مال و متاع ہے آخرت کے مقابلے میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا آپ
کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ وہ محبوبِ خدا ہیں جو کچھ بھی اُن
کے پاس ہے بالکل حقیر چیز ہے۔ جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب وہ
آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ
اُن کا ٹھکانا جہنم ہو گا وَبِئْسَ الْمِهَادُ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی
طرف جا رہے ہیں۔

متقین کے لیے انعام

فرمایا یہ تو کفار کا انجام ہو گا۔ اب تصویر کا دوسرا رُخ دیکھیے لٰكِنِ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ شرک و کفر سے
محفوظ رہے، معاصی سے بچتے رہے اُن کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں رہا
اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا، دنیا میں حلال و حرام
کا امتیاز کیا۔ نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے
چنانچہ جن لوگوں نے تقوے کا راستہ اختیار کیا فرمایا لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُن کے لیے باغات ہیں۔ جن کے سامنے نہریں
بہتی ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات قرآن پاک نے مختلف مقامات پہ بیان
کی ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان عام طور پہ اپنے تصور میں لا سکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں
آرام و آسائش کے لیے اچھا مکان، اچھی بیوی جو اچھے اخلاق و اطوار کی حامل ہو
قرآن پاک نے انہیں اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کا نام دیا ہے۔ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً
یعنی پسندیدہ مکانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح اچھی رفاقت کا تذکرہ آتا ہے
جیسے گزشتہ درس میں گزر چکا ہے مَعَ الْاَبْرَارِ نیک لوگوں کی رفاقت کی
دُعائیں انبیاء علیہم السلام بھی کرتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان اچھا لباس بھی پسند

کرتا ہے اس کی موافقت سے جنت کے پاکیزہ لباس کا تذکرہ بھی آتا ہے
ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ جنت کی حور کی اوڑھنی نصیفۃ
خیرٌ من الدنیا وما فیہا اس پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ
قیمتی ہوگی۔ آخرت کا مال ومتاع اور آرام و آسائش اس دنیا کے مقابلے میں لامحدود
ہوگا۔ اسی طرح شراب طہور، عسل مصفّٰی، دودھ کی نہروں اور غیر آسن پانی کا تذکرہ
ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اہل جنت کو حاصل ہوں گی جن کا صحیح تصور ہم اس وقت
نہیں کر سکتے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لیے جن انعامات
کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی حد تک ہمارے تصور میں آسکتی ہیں۔ اسی
لیے فرمایا کہ متقی لوگوں کے لیے باغات ہوں گے جن کے سامنے مصفّٰی پانی
کی نہریں بہتی ہونگی۔ ان نہروں کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا اور اگر جنتی چاہیں گے
تو یہ نہریں بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کے اوپر چل رہی ہوں گی۔ فرمایا متقین اس
جنت میں کسی محدود عرصہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اس میں
ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہاں سے نہیں
نکالے نہیں جائینگے۔ اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے کہ تم مقام رضوان میں پہنچ چکے ہو اب
میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہونگا۔

اللہ کی طرف سے مہمانداری

فرمایا یہ ساری نعمتیں نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے مہمانداری ہو
گی۔ نزل۔ اس ابتدائی اچھی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مہمان کی آمد
پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ ایسی نعمتوں کا اشارہ اگلی آیت کے اگلے حصے
میں بھی آرہا ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کی مہمانداری میں اعلیٰ ترین چیزیں پیش کی جائینگی
جن میں مادی نعمتوں کے علاوہ تقرب الٰہی اور تجلیات الٰہی جیسی عظیم نعمتیں بھی
شامل ہوں گی۔ نزل کو مہمانداری کے معنی میں عام عربی بول چال میں بھی استعمال کیا
جاتا ہے۔ امام بیضاوی یہ شعر نقل کرتے ہیں۔

وَكُنَّا إِذَا الْجَبَّارُ بِالْجَيْشِ ضَافَنَا   جَعَلْنَا الْقَنَا وَالْمُرْهَفَاتِ لَهُ نُزُلًا

؎ ترمذی ص ٢٥٥ و بخاری ص ٣٩٢ ج ١ (فیاض)

اگرچہ یار لشکر سے کہ ہمارا مہمان جاتا ہے، تاہم اس کے لیے نیزے اور قاطع تلواریں مہمانی کے طور پر تیار رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ ظالم شخص کا استقبال ہم تلواروں اور نیزوں سے کرتے ہیں یہ تحکم کے طور پر بات کی گئی ہے۔ تو بہر حال نزل کا معنی مہمانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ جنتیوں کے لیے پیش کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جن خوش قسمت لوگوں کا میزبان خود خدا ہو گا، ان کو کتنی عزت اور کتنا شرف حاصل ہو گا۔

نیکو کاروں کے لیے بہتر اجر

فرمایا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ جو کچھ اللہ کے پاس ہے یعنی اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں بہتر ہیں نیکو کاروں کے لیے ابرار کا لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے یہ بر کی جمع ہے اور مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ انجام پر رہتی ہے اور نیکی کرنا ان کا شعار ہوتا ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ اور ادنیٰ کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔ بڑوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ ہمسایوں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ دوست احباب اور پڑوسیوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں غرباء و مساکین کے ساتھ مطابق سلوک روا رکھتے ہیں۔ غرض وہ لوگ ہر وقت اور ہر ایک کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس جو کچھ انعامات ہیں وہ ان نیک لوگوں کے لیے بہتر اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے گروہ میں شامل ہونے کا مستحق بنائے۔

درس ہشتاد و سہ ۸۳ — آیت ۱۹۹

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: بیشک بعض اہل کتاب میں سے البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اُس چیز پر جو اُن کی طرف اتاری گئی۔ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے بدلے کم قیمت یہی لوگ ہیں جن کے واسطے اُن کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹۹﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر فرمایا کہ اے اہل ایمان! کفار کی خوشحالی وسعتِ کاروبار، اعلیٰ ذرائع آمد و رفت، اچھی خوراک اور اچھی رہائش کہیں تمہیں اس مغالطے میں نہ ڈال دے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا یہ تو دنیا میں استعمال کے لیے انہیں تھوڑا سا سامان دیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا جو کہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ فرمایا البتہ عام متقین کے لیے اُن کے رب کے پاس بدلہ ہے۔ انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا۔ وہ اللہ رب العزت سے اعلیٰ انعام پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مہمانداری کریں گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے خاص متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اُن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے

سارے اہل کتاب برابر نہیں

اِسی سورۃ میں اہل کتاب کے متعلق پہلے بھی گزر چکا ہے لَيْسُوْا سَوَاۗءً

سامنے کے سارے اہلِ کتاب تو ایک جیسے نہیں۔ اگر اُن کی اکثریت قرآن پاک، نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں تو اُن میں سے اچھے لوگ بھی ہیں جو اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں۔ ایسے سمجھدار لوگ ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، مگر اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا۔ اُن کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تمیم داریؓ مشہور عیسائی تھے۔ صہیب رومیؓ کا تعلق بھی اسی مذہب سے تھا۔ سلمان فارسیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا پہلا دین عیسائیت تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی صفِ اوّل میں جگہ پائی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَيْسُوْا سَوَآءً والی آیت میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ اُن میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا عبد الله مثل عاشر عشرة کہ وہ عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں۔ یعنی وہ اُن دس صحابہ کی طرح ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے بیک وقت جنت کی بشارت دی۔ اُن میں حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، ابوعبیدہؓ، عبدالرحمٰنؓ شامل ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان دس صحابہ کی طرح جنتی ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا اور حضور علیہ السلام کے پاس بیان کیا، تو آپ نے فرمایا اَنْ تَمُوْتَ عَلَى الْاِيْمَانِ یعنی تمہارا خاتمہ بالایمان ہوگا۔ آپ نے یہ بشارت اُسی وقت سُنا دی تھی۔

نجاشی کا قبولِ اسلام

امام نسائیؒ اور امام بیضاویؒ نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے۔ اور امام ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے چالیس عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے۔ حبشہ میں بھی بتیس خوش نصیب ایمان کی دولت سے

مالامال ہو گئے۔ مدینے کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سرفہرست تھے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی خود ایمان لے آئے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے حبشہ پہنچے۔ پہلے قافلہ میں تو مہاجرین کی تعداد کم تھی تاہم دوسرا اسّی ۸۰ افراد پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ اور حضور علیہ السلام کی دختر حضرت رقیہؓ شامل تھے۔ حضرت جعفرؓ بھی مع اپنی زوجہ اسماءؓ کے ساتھ اسی قافلے کے ہمراہ گئے۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے حضور علیہ السلام کی ملاقات کا زیست بھر شوق رہا۔ مگر اُس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر نجاشی نے تیس ۳۰ افراد پر مشتمل ایک وفد جس میں اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا، حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ دفعہ بحری سفر کے دوران سمندری طوفان کی نذر ہو گیا، کشتی ڈوب گئی اور اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ البتہ اس کے علاوہ ایک اور قافلہ وہاں سے مدینے آیا اور ایمان قبول کیا۔ اس کا ذکر ساتویں پارے کی ابتداء میں آئے گا۔

اہل کتاب کے لیے دہرا اجر

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ نجاشی کی وفات کے وقت وہاں پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آج نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ وہ مسلمان تھا، لہٰذا آپ اُس کی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عام اعلان فرمایا۔ لوگ باہر عیدگاہ میں نکلے، نو بڑی بڑی صفیں تھیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مدینے اور حبشہ کے درمیان موجود تمام پردے ہٹا دیئے اور نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کو نظر آنے لگی اور اس طرح یہ جنازہ گویا حاضر میت پر ہی پڑھا گیا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح مشرکین کے بیت المقدس سے متعلق سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے درمیانی تمام پردے چاک کر کے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا اور آپ ہر سوال کا جواب بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیتے جاتے تھے۔

نماز جنازہ غائبانہ ضرور درست ہے یا نہیں یہ مسئلہ متنازعہ ہے امام ابو حنیفہ رح
فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو اس کا غائبانہ جنازہ
پڑھا جا سکتا ہے یہ نماز فرض کفایہ ہے اور چند مسلمانوں کی طرف سے نماز جنازہ پڑھ لینے سب
کو کفایت کر جاتا ہے، نجاشی کا جنازہ غائبانہ ایک تو اس وجہ سے جائز تھا کہ اس وقت
حبشہ میں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا لہذا اس کا جنازہ پڑھنا دوسرے مسلمانوں پر ضروری
ہو گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ جنازہ حقیقت میں غائبانہ نہیں تھا کیونکہ
نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے کر دی گئی تھی بعض حضرات
اسی واقعہ نجاشی سے غائبانہ جنازہ کا جواز نکالتے ہیں مگر صحیح مسلک یہی ہے کہ
اگر کسی مرنے والے کا جنازہ بعض آدمیوں نے پڑھ لیا تو سب کو کفایت کر گیا ۔
اب دوبارہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

امام بغوی رح لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے نجاشی کا جنازہ ادا کرنے کا
اعلان فرمایا تو منافقین نے کہا حضور! وہ جو حبشی غلام ہیں کیا ہم ان کی نماز جنازہ
پڑھیں؟ فرمایا، وہ مومن تھا اور ایمان لا کر اعلیٰ مقام حاصل کر چکا تھا۔ ام المومنین حضرت
عائشہ صدیقہ رض کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام بیان کرتے تھے کہ کافی عرصہ تک
نجاشی کی قبر پر نور برستا دکھائی دیتا رہا۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ پڑھنے پر بعض
منافقین نے اعتراض کیا کہ دیکھو! مسلمان کن لوگوں کے جنازے پڑھتے ہیں
ہیں مگر بعض مخلص مسلمانوں کو بھی تردد تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دیکر
واضح کر دیا کہ نجاشی ایمان قبول کر کے مومن ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت
زیر درس اسی موقع پر نازل ہوئی تھی ۔

فرمایا اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں لَمَنْ
يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور اس چیز پر جو
تمہاری طرف نازل کی گئی وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ اور جو ان کی طرف اتاری گئی ۔
کچھ اہل کتاب ایسے ہیں کہ جو تورات اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے تھے اور جب

لہ معالم التنزیل ص ٢٠٦ ج ١ (فیاض)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا نزول فرمایا تو اس پر بھی ایمان لے آئے ۔ حدیث شریف میں آتا ہے ۔ کہ تین آدمی ایسے ہیں جو دوہرے اجر کے مستحق ہیں ۔ پہلا شخص وہ مسلمان غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے ، اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے ۔ اور پھر اپنے دنیوی آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے ۔ اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا ، فرمایا اس کے لیے اللہ کے ہاں دوہرا اجر ہے ۔ اس اجر کا حقدار دوسرا وہ شخص ہے جو اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرتا ہے ، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے اور تیسرا وہ شخص بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے جو پہلے کسی دوسرے نبی اور دوسری کتاب پر ایمان رکھتا ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا زمانہ پا کر آپ پر اور قرآن پاک پر ایمان لے آتا ہے آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی دو صفات بھی بیان فرمائی ہیں ، اور پھر ان کے اجر کا تذکرہ کیا ہے ۔

قریبی دور کے نو مسلم

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں ۔ بعض انصاف پسند لوگوں کو ہمیشہ دوہرا اجر حاصل ہوتا رہا ہے ۔ ہمارے قریبی زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسے کئی خوش نصیب ہمارے سامنے ہیں ۔ ڈاکٹر اقبالؒ کے جد امجد برہمن تھے ، اللہ نے ایمان نصیب فرمایا ۔ مولانا احمد علیؒ لاہوری کے والد اولاً ہندو تھے ، زرگری کا کام کرتے تھے ، اللہ نے ایمان بخشا ۔ اسی طرح مولانا عبید اللہ سندھیؒ سکھ تھے ، وہ خود ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اعلیٰ مقام پایا ۔ یہاں آپ کے ضلع میں پروفیسر محبوب الٰہیؒ سکھ مذہب رکھتے تھے ، اللہ نے ایمان بخشا ۔ اسلامیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ابراہیم صاحب کے والد اور مولانا احمد علیؒ کے والد اکٹھے مسلمان ہوئے ۔ اسیران مالٹا میں سے واحد زندہ شخصیت مولانا عزیر گل کی بیوی انگریز تھی ، وہ بھی ایمان لائی اور تیس سال تک آپ کے عقد میں رہی ۔ ابھی چند سال پہلے فوت ہوئی ہے ، بڑی عبادت گزار خاتون تھیں ۔ تحفۃ الہند کے مصنف ہندو تھے ۔ پٹیالہ کے رہنے والے تھے ، شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جماعت کے آدمیوں سے متاثر ہو کر ایمان لائے ۔ آپ نے اسلام کے حقائق اور شرک کی تردید میں بڑی اچھی کتاب لکھی ہے ۔

آپ بھی ایک آدمی زندہ ہے جو یہودی تھا اور ترکوں کے دور شکستگی کے آخری حصے
میں مسلمان ہوا۔ اس وقت مصر، اردن اور شام کا مدینے کے ساتھ رابطہ بذریعہ ریل قائم
تھا۔ اردن میں تو اب بھی یہ ریل چلتی ہے مگر سعودی عرب والا حصہ جنگ عظیم میں ایسا
تباہ ہوا جو آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس جرمن یہودی کا پہلا نام لیو پولڈ تھا مسلمان
ہو کر محمد اسد کہلایا۔ اس شخص نے مطالعہ اسلام کے لیے مصر سے بذریعہ ریل سفر کا آغاز کیا۔
گاڑی میں فلسطین کے کچھ مسلمان بدو بھی ہم سفر تھے۔ دوران سفر ایک بدو کسی سٹیشن پر اُترا
اور کھانے کے لیے دو روٹیاں لے آیا۔ اُس نے کھانے میں شرکت کے لیے لیو پولڈ
کو بھی دعوت دی اور کہا بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ تناول فرمائیں۔ اُس نے
معذرت چاہی مگر اُس بدو نے اصرار کیا کہ ہم مسلمانوں کا یہی طریقہ ہے کہ ہم ساتھیوں
کو بھی کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شخص اس پیشکش سے بہت متاثر ہوا۔

اُس شخص نے بدو کے سامنے اسلام پر یہ اعتراض پیش کیا کہ تمہارے بقول
اسلام ایک عالمگیر اور منصفانہ دین ہے مگر اس کا یہ قانون عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ایک
مسلمان آدمی اہل کتاب عورت سے تو شادی کر سکتا ہے مگر ایک مسلمان عورت کسی یہودی
یا عیسائی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ وہ بدو باشعور تھا، فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اور
اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
سمیت تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ
اور اُن کی اُسی طرح تکریم کرتے ہیں جس طرح نبی آخر الزمان علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ اگر
کوئی یہودی یا عیسائی عورت مسلمان کے گھر میں آجاتی ہے، تو وہ اس گھر میں اپنے نبی
اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات نہیں سنے گی بلکہ اپنے نبی کا عزت و
احترام دیکھے گی۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے گھر
داخل ہوگی، تو وہ اپنے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کو محفوظ نہیں پا سکے گی۔
جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذہنی کوفت میں مبتلا رہے گی۔ لہٰذا اسلام نے کسی مسلمان عورت
کو غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس بات نے بھی لیو پولڈ پر اثر کیا۔ اور

اللہ تعالیٰ نے اُس کا دل ایمان کے لیے کھول دیا۔ اُس شخص نے اسلام کی تائید میں بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ROAD TO MAKKAH (شاہراہ مکہ) بڑی اچھی کوشش ہے، اور ISLAM AT THE CROSS ROAD (اسلام چوراستے پر) بھی اعلیٰ کتاب ہے۔ یہ شخص مسلمانوں کی زبوں حالی کا بڑا شاکی ہے۔

مارماڈیوک بھی عیسائی تھا۔ ترکی میں جاسوسی کرنے کی غرض سے گیا۔ اُس دور کے شیخ الاسلام کی مجالس میں شمولیت اختیار کی جس کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوگیا۔ ضلع جہلم میں پروفیسر عنانی جو آج بھی زندہ سلامت موجود ہے جس نے خود اسلام قبول کیا۔ اُس کا باپ کٹر ہندو تھا۔ اسلام قبول کر کے بڑے مصائب کا شکار ہوا۔ والدین کی طرف سے سختیاں جھیلیں اور آخر کار دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اُن سے علیحدہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم جیسی نعمت عطا کی۔ اُس نے ہدایہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں شاہی خاندان کے فرد کولیم نے اسلام قبول کیا۔ اس نے قبول اسلام کا واقعہ خود لکھا ہے جسے علامہ طنطاوی جوہری نے تفسیر الجواہر میں نقل کیا ہے۔ کولیم تبدیلی آب و ہوا کے لیے الجزائر گیا، وہاں پر مسلمانوں کے وضو کے طریقے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود بیرسٹر تھا۔ اس کے ساتھ خاندان کے مزید چالیس افراد نے ایمان قبول کیا۔ انگریزوں نے اُس پر عدالت میں مقدمہ دائر کیا، جس نے اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور انگریز نامراد رہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام غیر مسلم ایک سے نہیں ہوتے بلکہ ان میں بعض منصف مزاج بھی ہوتے ہیں جو حق کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں۔

خشیت الٰہی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔ خشیت الٰہی یا اخبات للہ اسلام کے چار اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس امت سے جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ

اخبات ہے۔ فرمایا مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی مگر پانچ سو آدمیوں میں سے لاتریٰ فیہ خاشعا ایک بھی صاحب خشوع و خضوع نظر نہیں آئے گا اخبات کا اس قدر قحط واقع ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا جزو ایمان ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کریگا، وہ اپنے گرد و پیش والوں کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آئیگا۔ وہ کسی بات پہ اکڑ نہیں دکھائے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا لا یبغی بعضکم علی بعض تم ایک دوسرے کے ساتھ فخر و غرور کے ساتھ مت پیش آؤ، ہمیشہ انکساری اختیار کرو۔

فرمایا ایسے لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال نہیں خریدتے۔ گذشتہ دروس میں کئی مقامات پہ آچکا ہے۔ کہ اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پہ بیچ ڈالتے تھے۔ یہاں فرمایا کہ بعض اچھے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، جو اہل کتاب سے مسلمانوں میں بھی آگئی ہے دھوکے فریب کی کمائی اسی قبیل سے ہے۔ غلط مسائل بتا کر اس کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی آیتوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔

حساب میں جلدی

فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کا اپنے پروردگار کے ہاں بہتر اجر ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرمائیں گے۔ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے قیامت قریب ہے اور ہر شخص کا حساب جلدی شروع ہونیوالا ہے۔ لہذا اُسے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ حساب جلدی لینے والا ہے۔ تو اُس کا اجر بھی جلدی عطا کریگا۔ اس میں کسی قسم کی دیر نہیں ہوگی۔ اچھا یا بُرا بدلہ جس کا کوئی شخص حقدار ہوگا۔ فوراً پالے گا۔

درس ہشتاد و چہار (۸۴)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں مضبوط رہو۔ اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۲۰۰﴾

خلاصہ سورۃ پانچ اصول

سورۃ آلِ عمران کی یہ آخری آیت ہے۔ یہ لمبی اور عظیم سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کر کے اس سورۃ کے خلاصہ کے طور پر پانچ اصول بیان فرمائے ہیں اور اس کے بعد چھٹی بات مومنوں کے لیے فلاح و کامیابی کا مژدہ ہے۔ آج کی یہ آخری آیت پوری سورۃ کا لب لباب اور ایک جامع نصیحت پر مشتمل ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری سورۃ آلِ عمران اس آخری آیت میں مذکورہ پانچ اصولوں کی تشریح ہے۔

پہلا اصول ایمان

ارشاد ہوتا ہے يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ اے ایمان والو! اس آیت میں خطاب ہی ایمان والوں سے ہے۔ انسان کے لیے سب سے اہم ترین چیز ایمان ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان والوں سے خطاب بھی ہے اور ایک اہم اصول بھی ہے۔ انسان کی سعادت، فلاح، نجات اور دنیا و آخرت میں کامیابی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا سے اختتام تک ایمان ہی کی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جس سے زیادہ مقامات پر شرک کی تردید فرمائی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ علیم کل بھی وہی ہے اور عالم الغیب بھی وہ خود ہی ہے۔ کہیں مغالطے میں پڑ کر شرک نہ کر بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بالوضاحت فرما دیا ہے کہ ہر قسم کی عبادت بدنی ہو

یا مالی ہر قسم اُسی کی ذات کے لیے ہے۔ عبادت میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں تمام کائنات کا تصرف اور اختیار بھی اللہ جل جلالہ کے پاس ہے۔ اس میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ تمام چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں ان باتوں میں ذرا سی لغزش مشرک بن جانے کے لیے کافی ہے۔

نذر و نیاز بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اسی سورۃ میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر کا ذکر آچکا ہے "رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا" اے مولا کریم! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیری رضا کی خاطر وقف کرنے کی نذر مانتی ہوں۔ گویا نذر و نیاز بھی صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے ہونی چاہیئے۔ غیر اللہ کے تقرب کی نذر کفر تک پہنچا دے گی۔ اور یہ چیز ایمان کے منافی ہوگی۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اُن تمام امور کی نشاندہی فرما دی ہے۔ جو ایمان میں خلل کا باعث بن سکتے ہیں۔ شرک کی مختلف صورتوں کو بھی واضح کر دیا ہے۔ غرض! ایمان تمام اصولوں کا بنیادی اصول ہے۔ اور اس کے بعد دیگر اصولوں کو بیان کر دیئے گئے ہیں۔

دوسرا اصول صبر

فرمایا اے ایمان والو! اصبروا صبر کرو۔ اس سورۃ میں کتنے ہی مقامات پر اہل ایمان کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر صبر کی تلقین کی ہے۔ تکالیف کو برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ کے سچے انبیاء حضرات موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور پھر آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تکالیف برداشت کیں اور ان پر صبر و تحمل کا کیا نمونہ پیش کیا۔ اس سورۃ میں غزوہ احد کی بہت سی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن سے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور علیہ السلام نے صبر کا کتنا بڑا معیار قائم کیا۔ سورۃ کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا ہے "وَاِنْ تَصْبِرُوْا" یعنی اگر صبر کرو گے تو کامیابی حاصل کرو گے۔ سورۃ البقرہ میں بھی صبر کا اصول اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ "یٰۤاَیُّهَا" بھی

کا ایک اہم اصول ہے قرآن میں صبر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا
"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" اے ایمان والو صبر
اور نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ اطاعت کے لیے صبر بہت ضروری ہے
نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی اطاعتیں صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا صبر بہت ضروری
اصول ہے۔

صبر کا لغوی معنی روکنا یا ضبط کرنا ہے۔ لہٰذا صبر کی ایک دوسری قسم نفس انسانی
خواہشات سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اور اس
کو ڈسپلن کا پابند بنانا بھی صبر ہی کی ایک قسم ہے۔ صبر کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان پر دین
کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات آئیں، ان کو برداشت کرے۔ گویا صبر انسانی زندگی کے
ہر موڑ پر کام آنے والا اصول ہے۔ کوئی نقصان ہو جائے، جان چلی جائے، مقدمہ پیش
آجائے، ہنگامہ ہو جائے، جنگ چھڑ جائے ہر معاملے میں صبر کی ضرورت پیش آتی
ہے اور اس کے بغیر انسان کی کامیابی ممکن نہیں ہے!

تیسرا اصول
تلقین صبر

اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول فرمایا "وَصَابِرُوْا" اور مقابلے میں مضبوط رہو۔
پہلے فرمایا تھا ہر تکلیف پر خود صبر کرو اب فرمایا، اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔ اس کے علاوہ بھی
قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دوسروں کو صبر کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ
انہیں ترغیب دو کہ وہ مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پائیں۔ سورۃ بلد میں
فرمایا "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ" یعنی ان لوگوں میں ہو
جاؤ جو ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کرتے ہیں سورۃ العصر میں بھی ایسا ہی آتا ہے
"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" یعنی خسارے سے محفوظ وہ لوگ ہیں جنہوں
نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔ گویا ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ
اور تواصی بالصبر بھی ضروری ہے۔ حق اور صبر کی تلقین ایک جیسی ضروری ہیں صابروا
میں یہ بات بھی آگئی کہ خود بھی ایمان پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی قائم رہنے کی تلقین
کرتے رہو۔ غرضیکہ ایک اصول خود صبر کرنا ہے اور دوسرا اصول تواصی بالصبر ہے

چوتھا اصول
رباط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چوتھے اصول کے متعلق فرمایا "وَرَابِطُوْا"۔

نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔ رباط دراصل دشمن کی سرحد پہ گھوڑے
باندھنے کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت
کے لیے ہر وقت مستعد رہنا بھی انہی معانی میں آتا ہے۔ اسلامی ملک کی سرحدوں
کی حفاظت کرنے اور وہاں پہ پہرہ دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ اس لیے
ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کر کے اسلام کے پروگرام میں خلل اندازی نہ کرے۔ لہذا
سرحدوں کی حفاظت اہل اسلام کے لیے فرض ہو جاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے
رباط یوم خیر من صیام شهر وقیامه (مسلم) یعنی سرحد پہ ایک رات
پہرہ دینا مہینہ بھر کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا
خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ایک ہزار مہینوں کی نفلی عبادت سے افضل ہے اور جو شخص
سرحدوں کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لیے
لکھا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ ایسا شخص قبر کے فتنے سے
مامون رہے گا۔

رباط کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری رباط کا بیان تو ہو
چکا۔ باطنی رباط یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں مستعد ہو جائے۔ اور اسے
خلل اندازی نہ کرنے دے۔ جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت
ضروری ہے اسی طرح باطنی دشمن شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ وسوسہ اندازی
نہ کر سکے۔ انسان جب تک نیکی میں لگا رہے گا شیطان دخل نہیں دے سکیگا جب
آدمی غافل ہو جاتا ہے تو شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ لہذا شیطان
کے مقابلے میں باطنی رباط بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔
اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَا یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا
بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَکَثْرَةُ الْخُطَا
اِلَی الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ
آپ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ

خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور! کیوں نہیں۔ فرمایا تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنانا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا رباط ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔

پانچواں اصول تقویٰ

آگے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ بھی اہم اصول ہے۔ تقویٰ کا معنی اللہ تعالیٰ سے ڈرجانا، برائیوں سے بچ جانا اور اللہ کی حدود کو قائم کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں "تقویٰ محافظت است بر حدودِ شرع" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور تقویٰ میں عدل اور احسان اور شعائر اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں تقویٰ کی تشریح کرنے کے بعد یہ آیت نقل کی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ گویا تقویٰ میں عدل قائم کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کرنا سرکشی بے حیائی اور بری باتوں سے بچ جانا بھی شامل ہے۔ تقویٰ کا لفظی معنی ڈر اور بچاؤ ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پالیتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ الغرض! یہ پانچواں اصول ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

فرمایا خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو، نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منزل مراد کو پالو گے۔

حضور علیہ السلام نے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی بڑی فضیلت بیان کی ہے فرمایا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں خیموں کی شکل میں آئیں گی، ان کے درمیان چمک ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گی اور بندے کے حق میں سفارش کریں گی۔ ان سورتوں کو زہراوین

یعنی دو زبردست روشن سورتیں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے
حقائق، معارف، بنیادی اصول اور مسائل بیان فرمائے ہیں۔ دارمی شریف کی حدیث
میں آتا ہے کہ جو شخص جمعے کے دن سورۃ آل عمران کی تلاوت کرے گا، اس کے لیے
فرشتے سارا دن دعائیں کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وازواجہ واتباعہ
اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح تراجم میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہوچکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۸۰۰ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔
قیمت ۲۵۰ روپے۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ' ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے ' خصوصاً" درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے ۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے ' جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے ' جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے ' جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے ۔

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

[illegible]

بلال احمد تانگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب

زیر اہتمام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ